اُردو شاعری میں نعت

VOL. II

ابتداء سے عہدِ محسن تک

ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری

اردو شاعری میں

نعت

(ابتدا سے عہد محسن تک)

(جلد دوم)

مصنّفہ

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری
(ایم اے ایل ایل بی پی ایچ ڈی)

© ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری

URDU SHAIRI MEIN

NAAT VOL I

Phd Thesis by

Dr. MD Ismail Azad

Edition 1992

Price Rs. 80/-

قیمت :
اسّی روپے

ناشر : ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری

تقسیم کار :

نسیم بک ڈپو ، ۲۵ جی بی مارگ ، لکھنؤ ۲۶۰۰۱۸

باہتمام نعیم الحق نوی بار اول ۱۹۹۲ء مطبع ندائے حق پریس لکھنؤ۔

فہرست ابواب

چوتھا باب

شمالی ہند کی نعتیہ شاعری حالیؔ سے حال تک

۱۔ حالیؔ کا عہد	۱۱
۱۔ خصوصیات عہد	۱۲
۲۔ شبلی	۱۵
۳۔ حالی	۲۱
۴۔ نظم طبا طبائی	۳۶
۵۔ اسمٰعیل میرٹھی	۴۰
۶۔ مولوی عبد الرحیم رحیما	۴۱
۷۔ حافظ محمد تجمل حسین	۴۳
۸۔ مولٰنا احمد رضا خاں صاحب	۴۹
۹۔ سلیم پانی پتی	۵۹

۲۔ دورِ جدید:

۱۔ خصوصیاتِ عہد ۶۳

۲۔ اقبالؒ ۶۴

۳۔ اختر شیرانی ۷۳

۴۔ ظفر علی خاں ۷۶

۵۔ جگر مراد آبادی ۸۶

۶۔ عزیز لکھنوی ۸۸

۷۔ حفیظ جالندھری ۱۰۱

۸۔ بہزاد لکھنوی ۱۲۳

۹۔ حسرت ۱۳۶

۱۰۔ اصغر گونڈوی ۱۳۷

۱۱۔ اقبال سہیل ۱۳۸

۱۲۔ عزیز الحسن مجذوب ۱۳۹

۳۔ عصرِ حاضر:

۱۔ عصری خصوصیات ۱۵۵

۲۔ ضیاء القادری ۱۵۸

۳۔ ماہر القادری ۱۶۱

۴۔ حمید صدیقی ۱۷۳

۵۔ جوش ملیح آبادی ۱۸۶

۶۔ علامہ قتیل داناپوری

۷۔ علامہ جمیل مظہری ۱۸۷

۸۔ عبدالحمید نازش پرتاپگڈھی ۱۸۸

۹۔ شکیل بدایونی، خمار، اجمل سلطانپوری، راز الہ آبادی، ۱۸۹
انور مرزاپوری، بیکل اتساہی، عمر انصاری، کوثر جائسی
شارق ایرانی، نشور واحدی، فنا نظامی، والی آسی
قمر کانپوری، قاری محمد طیب دیوبندی۔

۱۰۔ محشر رسول نگری ۱۸۸

۱۱۔ حکیم عبدالکریم ثمر ۱۹۰

۱۲۔ عبدالعزیز خالد ۱۹۱

۱۳۔ ابرار صدیقی ۱۹۲

۱۴۔ فنا کانپوری ۱۹۳

۱۵۔ پیرزادہ سید محمد نعیم الدین رضوی خیرآبادی قدسی ۱۹۴

۱۶۔ بیکل اتساہی ۱۹۵

۱۷۔ زیب غوری ۱۹۹

پانچواں باب

ہندوستان کے غیر مسلم نعت گو شعراء ۲۰۹

۱۔ رگ وید کی پیشینگوئیاں (منبع نعت کی بابت) ۲۱۰

۲۔ اتھر وید کی پیشینگوئیاں (منبع نعت کی بابت) ۲۳۲

۳۔ بودھ دھرم کی مذہبی کتابوں میں منبع نعت

۴۔ منجھی نرائن شفیق ۲۳۳

۵۔ مکھن لال ۲۳۷

۶۔ منشی شنکر لال ساقی ۲۳۸

۷۔ مصرا رام داس قابل لاہوری ۲۳۹

لالہ تارا چند تارہ ۲۴۰

لالہ اروڑہ رائے اروڑہ ۲۴۰

۸۔ دلو رام کوثری ۲۴۱

۹۔ مہاراجہ کشن پرشاد شاد ۲۴۵

۱۰۔ ہمدم اکبر آبادی ۲۵۴

۱۱۔ مصر برجھو دیال ۲۵۵

۱۲۔ پنڈت ہنسی لال خستہ دہلوی "

۱۳۔ پنڈت رگھو نند جذب نظامی ۲۵۶

۱۴۔ بابو روشن لال نعیم، کشن نرائن حامی اور مہادیو پرشاد سامی "

۱۵- عرش ملسیانی	۲۶۱
۱۶- لالہ لال چند فلک لاہوری	"
۱۷- پنڈت ہری چند اختر	۲۶۲
۱۸- مسماۃ پودائی صاحبہ	۲۶۳
بابو شمشیر دیال دانش	"
۱۹- درگا سہائے سرور جہان آبادی	۲۶۴
۲۰- دھرم پال گپتا وفا دہلوی	۲۶۶
۲۱- بھگوان داس رانا	۲۶۷
۲۲- راجندر بہادر موج فتحگڈھی	۲۶۸
۲۳- رگھوناتھ خطیب سرحدی	۲۶۹
۲۴- سکھ دیو بسمل الہ آبادی	۲۶۹
۲۵- سوم ناتھ سوم مورندی	۲۷۰
۲۶- برج موہن دتاتریہ کیفی	۲۷۲
۲۷- فراق گورکھپوری	۲۷۲
۲۸- کنور مہندر سنگھ بیدی سحر	۲۷۴
۲۹- جگن ناتھ آزاد	۲۷۴
۳۰- کرشن بہاری نور	۲۷۷

چھٹا باب

مختلف اصنافِ سخن میں نعت گوئی

(—)

تمہید	۲۷۹
۱۔ نعت مثنوی میں	۲۸۱
۲۔ نعت قصیدہ کی ہیئت میں	۲۸۷
۳۔ نعت مرثیہ میں	۲۹۳
۴۔ نعت غزل کی ساخت میں	۲۹۴
۵۔ نعت قطعہ کی ہیئت میں	۲۹۹
۶۔ نعت رباعی کی ہیئت میں	۳۰۰
۷۔ نعت ترجیع بند کی ہیئت میں	۳۰۱
۸۔ نعت مثلث کی ہیئت میں	۳۰۲
۹۔ نعت مخمس کی ہیئت میں	۳۰۲
۱۰۔ نعت مسدس کی ہیئت میں	۳۰۳
۱۱۔ نعت مستزاد کی ساخت میں	۳۰۴
۱۲۔ نعت نظم کی ساخت میں	۳۰۴
۱۳۔ نعت اور اسلام	۳۰۵
۱۴۔ نعت گیت، ترانہ، ٹھمری، دادرہ میں	۳۰۸

ساتواں باب

نعت کی اہمیت اور اردو ادب میں اسکا مقام

(   )

کتابیات

(   )

حالی کا عہد

حالی سے اردو نعت میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ ان کی فکر اور شخصیت نے دیگر اصناف سخن کی طرح نعت گوئی کو بھی متاثر کیا۔ حالی نے جس عہد کا آغاز کیا، اس کی عقبی زمین ۱۸۳۵ء سے ہموار ہونے لگی تھی۔ جب کہ انگریزی، عربی، فارسی کو شکست دے کر ذریعہ تعلیم بنی۔ حالی اس واقعہ کے دو سال بعد ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے عظیم سانحہ کے وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔ انقلاب کی اس ناکام جدوجہد سے ان کا متاثر ہونا ناگزیر تھا۔ وہ اپنے معاصرین میں سرسید کو چھوڑ کر سب سے زیادہ اس جنگ سے متاثر ہوئے، لیکن نعت میں وہ دور جس کو حالی کے عہد سے تعبیر کیا جاتا ہے ۱۸۷۴ء سے شروع ہوتا ہے۔ جب لاہور میں کرنل ہالرائڈ کی سرپرستی اور مولانا محمد حسین آزاد کی کارپردازی میں ایک مشاعرے کی داغ بیل رکھی گئی۔ جس میں افادیت، سلاست، روانی، تنظیم اور کام کی باتوں کو کام کی زبان میں ادا کرنے پر زور دیا گیا۔ ۱۸۷۴ء سے قبل حالی کے ادبی میلان میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی انھوں نے خود تسلیم کیا ہے کہ:

"شاعری کی بدولت چند روز جھوٹا عاشق بننا پڑا
ایک خیالی معشوق کی چاہ میں برسوں دشت جنوں کی وہ
خاک اڑائی کہ قیس و فرہاد کو گرد کر دیا۔ کبھی نالہ نیم شبی سے

ربع مسکوں کو ہلا ڈالا، کبھی اجنبیم دریا بار سے تمام عالم کو ڈبو دیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ غرض نامۂ اعمال ایسا سیاہ کیا کہ کہیں سفیدی باقی نہیں چھوڑی بیس سال کی عمر سے چالیسویں سال تک تیلی کے بیل کی طرح اسی چکّر میں پھرتے رہے۔ اور اپنے نزدیک سارا جہاں طے کر چکے، جب آنکھیں کھلیں تو معلوم ہوا کہ جہاں سے چلے تھے اب تک وہیں ہیں۔"[1]

وہ چالیس سال کی عمر میں ۱۸۷۴ء کی سرحد پر کھڑے ملتے ہیں، جب یہ مشاعرہ ان کے دل و دماغ کو مکمل طور پر بدل چکا تھا۔ اب وہ روایتی شاعری کو ترک کر کے افادی شاعری میں منہمک ہو گئے۔ ڈاکٹر محمد حسن کے لفظوں میں:

"خیال کے اعتبار سے حالی نے ایسے مطالب منتخب کئے ہیں جن کا ہماری روایتی شاعری میں زیادہ چلن نہ تھا۔ سادگی ان کا جوہر ہے اور وحدت خیال کو فطری ربط اور اسلوب داد اکے سلسلے کی مدد سے قائم رکھنا ان کی خوبی ان میں تخیل سے زیادہ مشاہدہ داخلی کیفیت سے زیادہ بیانیہ انداز اور تشبیہ و استعارہ کے آراستگی کے بجائے سادگیٔ ادا کا لطف قائم رکھا گیا ہے۔"[2]

سادگی اصلیت اور جوش کے سہارے اچھی شاعری اس وقت تک نہیں کی جا سکتی جب تک کہ شاعر کے پاس غور و فکر کے واسطے وافر ذخیرہ نہ ہو۔

۱۔ دیباچہ مسدس حالی۔ صفحات ۱ و ۲ مسدس حالی۔ ناشران تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور کراچی (پہلا دیباچہ ۱۲۹۶ھ)

۲۔ شعر نو: ڈاکٹر محمد حسن صفحہ ۱۰ بار اوّل ۱۹۶۱ء

اسی لئے حالی نے شاعری کے لئے تخیل اور تفحص الفاظ کے ساتھ کائنات کے مطالعہ کی بھی شرط لگائی ہے۔ حالی کے ذہن میں افادت، معقولیت اور ادب برائے زندگی کا رجحان پیدا کرنے میں سرسید کا خاص ہاتھ رہا ہے۔ انھوں (حالی) نے اپنی وہ نعتیہ کاوشات، جو نعت گو شعرا کے لئے مشعل راہ ثابت ہوئیں۔ اس مسدس میں شامل کیں، جو سرسید کی تحریک سے معرض وجود پر آئی تھی۔ حالی نے پہلے پہل نعت سے قومی، سماجی اور معاشرتی اصلاح کا کام لیا۔ انھوں نے نبی صلعم کی نعت برائے نعت نہیں کی بلکہ آپ صلعم کی نعت سے رہن سہن، اخلاق و عادات، خیالات و معتقدات، جذبات و حرکات، معاشرت و تمدن غرض کہ دنیا و آخرت کو سنوارنے کا کام کیا۔ دراصل نعت کا یہی صحیح اور درست مقصد بھی ہے۔ نبی صلعم کی بعثت اسی غرض سے ہوئی تھی۔ کہ وہ بھولے بھٹکے لوگوں کو راہ پر لگائیں۔ اور آدمیت کو انسانیت سے روشناس کریں۔ قرآن کریم میں حضور صلعم کی جہاں کہیں توصیف کی گئی ہے، اسی انداز میں کی گئی ہے۔ رسول اللہ صلعم کو انھیں اوصاف سے متصف کرکے یاد کیا گیا ہے۔ جن سے دوسرے زندگی سدھار سکیں اسی لئے خدا نے آپ کے متعلق "انک لعلی خلق عظیم" ارشاد فرمایا ہے۔ کہیں بھی حضور صلعم کے اعضائے جسمانی کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ حضور صلعم نے اپنے اسوہ حسنہ کے ذریعہ ان لوگوں کی اصلاح کی، جن کی نہ کوئی سماجی پوزیشن تھی نہ کوئی اقتصادی بلندی جو اس درجہ ذلیل تھے کہ اگر کسی کے گھر لڑکی پیدا ہوتی تو وہ اس کو ایک شرمناک بات سمجھ کر پوشیدہ رکھتا تھا۔ اور بڑی سنگدلی سے اس معصوم جان کو زندہ زمین کے حوالے کر دیتا تھا۔ جو اشد اب بے غیرتی ان کی دن رات کی دل لگی تھی۔ آپ نے ان کو اخوت، امن، مساوات کا پیغام دیا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ وہی پست اور غیر مہذب لوگ تہذیب و شائستگی کے منارہ پر نظر آنے لگے۔

حالی نے اردو نعت کو جو ابھی تک شخص انبساط خود اور شخصی عقیدت کی

چیز بنی ہوئی تھی، عمومیت و آفاقیت سے روشناس کیا۔ انھوں نے مضامین میں اصلاح کے علاوہ ہیئت میں بھی اصلاحات کیں اور نظم و نسق نیز ربط و تسلسل پر زور دیا۔ اس طرح ان کے دور میں نعتیہ نظموں کا رواج بڑے شد و مد کے ساتھ شروع ہوا۔ حالی نے نعت سے اخلاقی تلقین اور سماجی اصلاح کا کام لیا اور نعت کو لفظی صنّاعی سے نکال کر خیال و جذبہ کی شاعری میں داخل کیا۔ اس دور کا نعتیہ ادب ماضی کے نعتیہ ادب سے ممتاز نظر آتا ہے۔ ماضی میں بانیٔ اسلام کی نعت کہیں سراپا نگاری سے اور کہیں وصف نگاری سے کی جاتی تھی تو کہیں آپ کے معجزات اور آپ کی حیات طیبہ کے دیگر واقعات کے شاعرانہ بیان سے کی جاتی تھی۔ جذبات نگاری میں بھی شخصی انداز بیان مستولی ہوا تھا۔ متقدمین شعرائے نعت اکثر تصوف کا سہارا لے کر ایسے مضامین نظم کرتے تھے جو غیر معتدل و غیر متوازن ہوتے تھے۔ اور کبھی کبھی بانیٔ اسلام کو عبدیت کے دائرے سے نکال کر الوہیت کی حدود میں داخل کر دیا کرتے تھے۔ حالی کے عہد میں حضور صلعم کے سیرت پاک کے مختلف پہلوؤں کی توضیح کرکے معاشرے کے اصلاح کی کوشش کی گئی اور نعت نے مسلمانوں کو ادبار اور قعر مذلت سے نکالنے' ترقی کی شاہراہ پر گامزن کرنے' ساری انسانیت کو حریت' مساوات اور اخوت کا درس دینے' عالم میں امن پھیلانے اور عالم انسانیت کو غلط معتقدات' مزعومات اور توہمات سے نجات دلانے کی عظیم خدمت انجام دی۔ حالی کی آواز میں اتنی دلاویزی اور آفاقیت تھی کہ اس کی بازگشت دور جدید بلکہ عصر حاضر تک میں سنائی پڑتی ہے۔ راقم السطور حالی کی نعتیہ شاعری اور اس کے ان عناصر کا تفصیلی جائزہ' جنھوں نے حالی کی شخصیت کو عہد آفریں بنا دیا۔ شبلی نعمانی کی نعتیہ شاعری پر تبصرہ کے بعد لے گا۔

علامہ شبلی نعمانی

خواجہ الطاف حسین متخلص بہ حالی کی طرح شبلی کی نعتیہ شاعری میں بھی اصلاحی رنگ کا غلبہ ہے۔ انھوں نے بھی قومی اصلاح، قوم کو ادبار سے اوپر اٹھانے اور ان کو اخلاقی بلندی سے سرفراز کرنے کو موضوع کی حیثیت سے نعت میں داخل کیا۔ انھوں نے حالی کی مسدس کی طرح "صبح امید" لکھی، جس میں مسلمانوں کو شاندار مستقبل کی بشارت دی گئی ہے۔ یہ مثنوی ضمیمہ مسدس کی صدائے بازگشت معلوم ہوتی ہے۔ "مسدس" اور "صبح امید" میں تباین یہ ہے کہ "مسدس" میں قنوطیت ہے۔ جبکہ "صبح امید" میں رجائیت کی کارفرمائی ہے۔ دونوں کی زبانوں میں بھی نمایاں فرق ہے۔ "مسدس" میں نرمی اور دھیماپن ہے جبکہ "صبح امید" میں زور اور تڑپ ہے۔ اسی لئے مسدس کو صبح امید پر تفوق حاصل ہے۔ عبدالقادر سروری لکھتے ہیں:

> "مسدس کی حالت اس خاموش بڑھتے ہوئے پانی کی ہے۔ جو آہستہ آہستہ عمارتوں کو ڈھا کر دیتا ہے مثنوی اس پر جوش سیلاب کے مشابہ ہے جو زور سے ٹکرا کر عمارتوں کو مسمار کر دیتا ہے۔ اس میں کچھ حصے بچ جاتے ہیں۔"[1]

---

[1] جدید اردو شاعری: عبدالقادر سروری صفحہ ۱۳۲ مطبوعہ اعلیٰ پریس دہلی۔

شبلی تاریخ ہند کے انقلاب آفریں سال ۱۸۵۷ء میں موضع بندول ضلع اعظم گڈھ
میں متولد ہوئے۔ ان کے والد مولوی حبیب اللہ اعظم گڈھ میں وکالت کا پیشہ کرتے
تھے۔ والد کے زیر سایہ تعلیم و تربیت ہوئی اور اطمینان سے سلسلۂ تعلیم جاری رکھنے
کے مواقع دستیاب ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولانا فاروق چریاکوٹی سے حاصل کی۔ علم
کلام اور علم حدیث کی کتابیں مولوی عبدالحق خیرآبادی اور مولوی ارشاد حسین سے پڑھیں۔
آپ نے لاہور جاکر عربی کی مشہور کتاب "حماسہ" کا درس فیض الحسن سے لیا۔ آپ
نے قانون کا علم بھی حاصل کیا۔ اور کچھ دنوں وکالت بھی کی لیکن علم و ادب کے
ذوق نے وکالت ترک کرنے پر مجبور کر دیا۔ انھوں نے کچھ دنوں سرکاری ملازمت بھی
کی لیکن علم و ادب کے شوق نے وہاں بھی جمنے نہ دیا۔ ۱۸۸۲ء میں سرسید سے
ملاقات ہوئی اور سرسید نے کالج کی پروفیسری پر ان کا تقرر کر دیا۔ جس نے انھیں
سرسید کے کتب خانے سے پوری طور پر مستفیض ہونے کے مواقع مل گئے اور ان
کے تعلقات حالی اور پروفیسر آرنلڈ سے بھی استوار ہو گئے۔ انھوں نے آرنلڈ سے
انگریزی اور فرانسیسی زبانیں سیکھیں اور آرنلڈ کو عربی کے درس دیئے۔ ۱۸۹۲ء
میں شبلی نے پروفیسر آرنلڈ کے ساتھ ممالک اسلامیہ کی سیر کی۔ ۱۸۹۴ء میں
ندوہ اور ۱۹۱۳ء میں دارالمصنفین اعظم گڈھ کی بنیاد رکھی اور ۱۹۱۴ء میں دارِ جاودانی
کی طرف کوچ کر گئے۔

شبلی کو بانیٔ اسلام سے والہانہ شیفتگی اور عقیدت تھی۔ دورانِ تعلیم ان
کے دل میں حرمین شریفین کا اشتیاق پیدا ہوا۔ چنانچہ وہ ۱۸۷۶ء میں بعمر ۱۹ سال
حج کے مبارک سفر پر روانہ ہوئے اور دورانِ سفر فارسی میں ایک نعتیہ قصیدہ تحریر
کیا۔ جو شامل کلیات ہے۔

شبلی کی نعتوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ بلا کا اثر رکھتی ہیں۔ اور قاری
کے دل میں رسول کریم صلعم کی عظمت و جلالت کا سکہ بٹھا دیتی ہیں۔ سیرت رسول کی
تبیین میں مبالغہ کے ذریعہ دلکشی میں اضافہ کی قطعاً گنجائش نہیں لیکن شبلی

کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دلاویزی کا کام اپنے منفرد پیرایۂ اظہار سے لے کر سیرت کی حامل نعتوں کو اثر انگیز بنا دیتے ہیں۔ مولانا کی نعتوں میں تاثیر کی وجہ سے ان کے سوز دروں میں پنہاں ہے۔ یہ نعتیں اس زمانے میں معرض وجود میں آئیں جبکہ اسلامی دنیا مصائب و آلام کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ ہندوستان کے مسلمان بھی مضطرب و پریشان تھے۔ ایک طرف وہ انگریزوں سے برسر پیکار تھے دوسری طرف فرقہ وارانہ فسادات انھیں پریشان کئے ہوئے تھے۔ بلقان کی جنگ بھی اسی دوران لڑی جا رہی تھی۔ مولانا جذبۂ ایمان کے تحت ان تمام باتوں سے اثر پذیر ہوئے۔ انھوں نے جو کچھ بھی کہا دل کی گہرائی سے کہا ہے۔ اس لئے اس نے ہر سننے والے کو دل کی گہرائی سے متاثر کیا۔ اس نے لوگوں کے دلوں کو تڑپایا۔ اور ان کو ایک نئی امنگ سے مالا مال کیا۔

حبِّ رسولؐ کا تقاضہ یہ ہے کہ زندگی میں ایک انقلاب آئے اور رسول اللہ صلعم کی اتباع کا جذبہ پیدا ہو۔ محبت بغیر اتباع کے کھوکھلی اور بے جان ہے۔ ہجرت نبوی کا واقعہ بہت سے نعت گو شعراء نے نظم کیا ہے۔ لیکن شبلی نے اس واقعہ کو اس طرح شعری جامہ میں دکھایا ہے کہ ایک محب کی محبوب سے سچی محبت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ نمونہ کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

جبکہ آمادۂ خوں ہو گئے کفار قریش — لاجرم سرور عالم نے کیا عزم سفر
کوئی نوکر تھا نہ خادم نہ برادر نہ عزیز — گھر سے نکلے بھی تو اس شان سے نکلے سرور
ایک فقط حضرت بوبکر تھے ہمراہ رکاب — ان کی اخلاص شعاری جو تھی منظور نظر
رات بھر چلتے تھے دن کو کہیں چھپ رہتے تھے — کہ کہیں دیکھ نہ پائے کوئی آمادہ شر

تین دن رات رہے ثور کے غاروں میں نہاں — تھا جہاں عقرب و افعی کی حکومت کا اثر
ہیم جاں خوف عدو ترک غذا سختی راہ — ان مصائب میں ہوئی اب شب ہجرت سے سحر

مولانا شبلی نے بانیٔ اسلام سے متعلق واقعات اس طرح نظم کئے ہیں کہ ان اشعار

کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے یہ واقعات ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہے ہوں۔ بانیٔ اسلام ہجرت کر کے مدینہ تشریف لا رہے ہیں انصار مدینہ ہمہ تن انتظار بنے ہوئے ہیں۔ کہ خبر آتی ہے کہ بانیٔ اسلام نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے مدینہ کو مشرف کر دیا ہے۔ شبلی کے جادو نگار قلم نے اس واقعہ کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ محاکات نگاری کا پورا حق ادا ہو گیا ہے۔

ہاں مدینہ میں ہوا غل کہ رسول آتے ہیں
راہ میں آنکھ بچھانے لگے ارباب نظر

لڑکیاں گانے لگیں ذوق میں آکر اشعار
نغمہ ہائے طلع البدر سے گونج اٹھے گھر

ماں کی آغوش میں بچے بھی مچل جانے لگے
نازنینان حرم بھی نکل آئیں باہر

آل نجار چلے شہر سے ہو کر تیار
زرہ و جوشن و چار آئینہ و تیغ و سپر

دفعتاً گوکبۂ شاہ رسل آپہونچا
غل ہوا صلِّ علیٰ خیر اناسٍ و بشر

جلوۂ طلعت اقدس جو ہوا عکس فگن
دفعتاً تار شعاعی تھا ہر اک تار نظر

طور سے حضرت موسیٰ کی صدا آتی تھی
آج ایک اور جھلک سی مجھے آتی ہے نظر

سب کو تھی فکر کہ دیکھیں یہ شرف کس کو ملے
میہماں ہوتے ہیں کس اوج نشیں کے سرور

سینے کہتے تھے کہ خلوت گہ دل حاضر ہے
آنکھیں کہتی تھیں کہ دو اور بھی تیار ہیں گھر

ہاں مبارک کرے اے خاک حریم نبوی
آج سے تو بھی ہوئی خاک حرم کی ہمسر[1]

شاہ کونین نے مساوات کا عظیم الشان درس دیا۔ شاعر نے ایک نعت میں اس مساوات کے درس کو عملی طور پر وقوع پذیر ہوتے ہوئے دکھلایا ہے اور اس ضمن میں آنحضرت صلعم کی شان اقدس میں وصفی پیرایہ اظہار اپناتے ہوئے کچھ اشعار کہے ہیں۔ مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی ہے بانیٔ اسلام بھی مہاجرین و انصار کے ساتھ مسجد کے تعمیری کام میں مصروف ہیں۔ شاعر کے لفظوں سے اس واقعہ کا استحضار کیجئے۔

انصار پاک اور مہاجر تھے جس قدر
مزدور بن گئے کہ خدا کا یہ کام تھا

1۔ کلیات شبلی: علامہ شبلی نعمانی صفحات ۴۳، ۴۴

اک اور نفس پاک بھی ان سب کا تھا شریک | جو آب گل کے شغل میں بھی شاد کام تھا
کندھوں پہ اپنے لاد کے لاتا تھا سنگ و خشت | سینہ غبار پاک سے سب گرد فام تھا
سمجھے کچھ آپ کون تھا ان کا شریک حال | یہ خود وجود پاک رسولؐ انام تھا
جو وجہ آفرینش افلاک و عرش ہے | جس کا کہ جبرئیل بھی ادنیٰ غلام تھا

صلو اعلی النبی و اصحابہ الکرام

اس نظم مختصر کا یہ مسلک اختتام تھا[۱]

لخت جگر رسولؐ یعنی حضرت فاطمہؓ باپ کے حضور ایک درخواست لے کر آتی ہیں۔ شاعر نے اس واقعہ کو پورے شاعرانہ تزک و احتشام کے ساتھ بہت لطیف انداز میں نظم کیا ہے۔ جو بہت پُر اثر اور دلآویز ہے۔

افلاس سے تھا سید پاک کا یہ حال
گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں
چکّی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا
سینہ پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں بار بار
گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا
اٹ جاتا تھا لباس مبارک غبار سے
جھاڑو کا مشغلہ بھی جو ہر صبح و شام تھا
آخر گئیں جناب رسولؐ خدا کے پاس
یہ بھی کچھ اتفاق کہ واں اذن عام تھا
محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کر سکیں نہ عرض
واپس گئیں، کہ پاس حیا کا مقام تھا

۱۔ کلیات شبلی: صفحات ۳۴۔۳۵

پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضورؐ نے
کل کس لئے تم آئیں تھیں کیا خاص کام تھا

غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منھ سے کہہ سکیں
حیدر نے ان کے منھ سے کہا جو پیام تھا

ارشاد یہ ہوا کہ غریبان بے وطن
جن کا کہ صفۂ نبوی میں قیام تھا

میں ان کے بندوبست سے فارغ نہیں ہنوز
ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا

جو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گزرتی ہیں
میں ان کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا

کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم ہے ان کا حق
جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا

خواجہ الطاف حسین حالی

مولانا الطاف حسین حالی کا عرصۂ حیات "ستتر" سالوں کو محیط ہے۔ آپ ۱۸۳۷ء مطابق ۱۲۵۳ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں ۱۹۱۴ء م ۱۳۳۳ھ میں فوت ہو گئے۔ آپ کے اجداد میں خواجہ ملک علی نامی ایک شخص، جو خواجہ عبداللہ انصاری معروف بہ "پیر ھرات" کے اولاد میں سے تھے۔ غیاث الدین بلبن کے عہد میں ہرات سے ہندوستان وارد ہوئے تھے۔ حالی کی ماں سادات شہداپور کے معزز گھرانے سے متعلق تھیں۔ ولادت کے بعد والدہ کا ذہنی توازن بگڑ گیا۔ اور نو سال کی عمر میں والد نے سایۂ عاطفت سے محروم کر دیا۔ اسی لئے ان کی کما حقہ تعلیم نہ ہو سکی۔ آپ نے قرآن مجید حفظ کر لینے کے بعد سیّد جعفر علی سے فارسی شروع کی۔ عربی کی تعلیم کا آغاز شیعوں کے جیّد عالم مولوی ابراہیم حسین انصاری سے کیا۔ سترہ ۱۷ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہو گئی شادی کے بعد بھاگ کر دلّی چلے گئے، جہاں آپ نے مولوی نوازش علی سے صرف، نحو اور منطق کی کتب متداولہ پڑھیں۔ عربی کے استعداد میں پختگی نہ آنے پائی تھی کہ رشتہ دار وطن مالوف پانی پت واپس لے گئے۔ وطن ہی میں تھے کہ ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کا عظیم انقلاب برپا ہو گیا۔ جس نے ان کو چھ سات سال تک پانی پت میں محصور کر رکھا۔ لیکن موصوف نے اس زمانے میں بھی مطالعہ کا سلسلہ جاری رکھا

اور بغیر کسی نظم و نسق کے مولوی عبدالرحمن، مولوی قلندر علی، اور مولوی محب اللہ سے تفسیر و حدیث اور منطق و فلسفہ کا درس لیتے رہے۔

آپ نے دلّی کے زمانہ قیام میں غالب سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ غالب نے آپ کو اپنے فارسی دیوان کے چند قصائد بھی پڑھائے۔ لائق استاد نے شاگرد کی صلاحیتوں کا اندازہ بھی لگالیا۔ اور شاگرد کی دو ایک غزلوں کو دیکھ کر کہہ دیا کہ میں اگرچہ کسی کو شعر کہنے کی صلاح نہیں دیتا مگر تمھاری نسبت میرا خیال یہ ہے کہ اگر تم شعر نہ کہو گے تو اپنی طبیعت پر سخت ظلم کرو گے۔

غدر کے بعد نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ رئیس جہانگیر آباد سے شناسائی ہو گئی۔ نواب صاحب کی صحبت نے شعر و سخن کے پرانے شوق کو، جو ایک مدت سے افسردگی کے عالم میں پڑا ہوا تھا، پھر سے تازہ کر دیا۔ مولانا حالیؔ نے جہانگیر آباد سے مرزا کے پاس دلّی متعدد غزلیں بغرض اصلاح ترسیل کیں۔ مولانا نے مبالغہ سے احتراز، سلاست، روانی، حقائق و واقعات کے بیان میں لطف پیدا کرنے اور سچی باتوں کو حسن بیان سے دلآویز بنانے کا ہنر نواب مرحوم ہی کے فیضانِ صحبت سے حاصل کیا۔ جس کی بنیاد پر انھوں نے آگے چل کر جدید شاعری کی داغ بیل رکھی۔ کرنل ہالرائیڈ ڈائرکٹر محکمہ تعلیمات کے اشارہ پر لاہور میں ایک نئے قسم کے مشاعرے کی بنیاد ڈالی گئی جس میں شاعروں کو مصرع طرح کے بجائے عنوانات دیئے جاتے تھے۔ حالیؔ نے چار مثنویاں: برکھارت، نشاط، امید، مناظرہ رحم و انصاف اور حبِّ وطن لکھ کر اس مشاعرے میں پڑھی تھیں۔ اور اس کے بعد اس نوعیت کی متعدد نظمیں اینگلو عربک اسکول کی مدرسی کے زمانہ میں لکھیں۔ انھوں نے آخری عمر میں ایک حصّہ اپنے عربی کلام کا شائع کیا۔ اور اپنا اردو دیوان مرتب کر کے اس پر ایک مبسوط مقدمہ لکھا۔ جو مقدمہ شعر و شاعری کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقدمہ ۱۹۰۲ء میں علاحدہ کتابی صورت میں شائع ہوا[1]۔ اس مقدمہ سے مولانا کے مذاق شعری اور نظریات

---

[1] داستان تاریخ اردو: از حامد حسن قادری صفحہ ۵۴۷

شعری کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا کم وبیش سولہ [16] نثری کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں "حیات سعدی"، "حیات جاوید"، "یادگار غالب"، "مقدمہ شعروشاعری" "مولود شریف"، "سوانح مولانا روم" خاص ہیں۔ نظم میں مذکورۃ السبق مثنویوں کے علاوہ "شکوۂ ہند"، "چپ کی داد"، "مناجات بیوہ" اور "مسدس حالی" خاصی وقعت واہمیت کے مالک ہیں۔ حالی کی نظم ونثر کو افادی حیثیت حاصل ہے۔ وہ ایک دردمند دل کے مالک تھے۔ اس لئے وہ بنی نوع انسان سے زبردست ہمدردی رکھتے تھے۔ اور ملت اسلامیہ کے سچے غمخوار اور پکے مسلمان تھے۔

حالی نے جس خلوص نیت اور وفور عقیدت کے ساتھ اسلامی اقدار کو اپنی شاعری میں کلیدی حیثیت حاصل کی، اس کی مثال اقبال کے علاوہ کسی دوسرے شاعر کے یہاں نہیں ملتی۔ بقول ڈاکٹر فرمان فتحپوری:

> "پرانی غزلوں کو چھوڑ کر ان کی شاعری کا شاید ہی کوجزو
> ہو جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور پیغام
> کا عکس صاف نظر نہ آتا ہو۔"[1]

مولانا کی کلیات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے ہر صنف سخن میں کچھ نہ کچھ ضرور لکھا ہے۔ غزل، قصیدہ، رباعی، مخمس، اور مسدس ہر ہیئت میں ان کی نعتیہ کاوشات موجود ہیں۔ حالی نے "کے لئے" ردیف اور "آسماں" "دوجہاں" وغیرہ قوافی میں تینتیس [33] اشعار کا ایک قصیدہ کہا ہے جو نعتیہ قصائد میں منفرد مقام رکھتا ہے۔ انھوں نے اس قصیدے میں غیر ضروری مبالغے اور لفظی صنّاعیوں سے احتراز کیا ہے۔ شاعر نے وصفی انداز بیان میں بانی اسلام کے اوصاف نظم کئے ہیں۔ اور آخر میں حقیقت شب معراج کے نظم اور نعت نبیؐ کے بیان میں اپنے

---

[1] ۔ اردو کی نعتیہ شاعری: از ڈاکٹر فرمان فتحپوری صفحہ ۱۷ آئینہ ادب چوک مینا بازار انار کلی لاہور۔ اشاعت اول ۱۹۷۴ء

عجز کا اعتراف کیا ہے۔ چند کلیدی اشعار حسب ذیل ہیں۔

بنے ہیں مدحتِ سلطانِ دو جہاں کے لئے — سخن نہ زباں کے لئے اور نہ زباں وہاں کے لئے
وہ شاہ جس کا عدو جیتے جی جہنم میں — عداوت اس کی عذاب الیم جاں کے لئے
وہ چاند جس ہوئی ظلمت جہاں معدوم — رہا نہ تفرقہ روز شب زماں کے لئے
صفائے قلب حسود ان کینہ خواہ کے ساتھ — دعائے خیر بد اندیش و بد گماں کے لئے
نہ حرفِ وصوت میں وسعت نہ کام ولب میں سکت — حقیقت شب معراج کے بیاں کے لئے
حریفِ نعت پیمبر نہیں سخن حالیؔ — کہاں سے لائیے اعجاز اس بیاں کے لئے

حالیؔ کا دوسرا نعتیہ قصیدہ پہلے قصیدہ کے بہ نسبت طویل ہے۔ شاعر نے اس قصیدے کی تمہید میں تعلّی و تفاخر کے مضامین نظم کئے ہیں۔ گریز بہت برجستہ اور دلاویز ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

چھیڑوں گر فسانۂ فرہاد — دل خسرو میں ڈال دوں ناسور
کرنے جاؤں جو حق سے عذر گناہ — لے کے آؤں نوید عفو و قصور
لوں ملائک سے داد حسن کلام — گر لکھوں نعت سرور جمہور
وہ شہنشاہ امتی جس کا — یاں سبکسار اور واں ماجور
مژدہ اے امت ضعیف کہ یاں — سعی ہوتی ہے بے کئے مشکور
اے ترا پایہ فہم سے برتر — اے ترا نام عرش پر مستور

شاعر نے اس نعتیہ قصیدہ میں اپنی خامیوں اور بے سر و سامانیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اور آخر میں یاس و حرمان کے درمیان امید کی کرن دیکھ کر کہا ہے:

ہاں مگر کچھ امید بندھتی ہے — تیرے زمرے میں گر ہوا محشور
جب ترے کارواں میں جا پہنچا — پھر رہا باب خلد کتنی دور
دوری آستاں والا سے — ہے بہت تنگ حالیؔ مہجور

اس نعتیہ قصیدہ کی امتیازی خصوصیات سلاست، روانی، سادگی اور صفائی

ہیں۔ اس میں واردات قلبی اور پُرکیف جذبات کا فقدان ہے۔

حالیؔ نے غالبؔ کی فارسی نعتیہ غزل کی تضمین میں فارسی زبان میں ایک مخمس لکھا ہے۔ جسکا آخری بند ذیل میں رقم کیا جاتا ہے۔

ہمتا بہ مدح شہ من و حالیؔ گماشتیم ۔۔۔ گفتیم و از نگاشتنی ہا نگاشتیم

چوں کام ولب فرا خور وصفش نداشتیم ۔۔۔ غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم

کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

دیوان حالیؔ مطبوعہ لالہ رام نرائن لال ۱۹۵۶ء میں ایک خطابیہ نعت ملتی ہے، جس کا مطلع ہے۔

یا ملکی الصّفات یا بشری القویٰ ۔۔۔ فیک دلیلٌ علی انک خیر الوریٰ

اس نعت میں ۱۲۵ اشعار ہیں۔ شاعر نے منبع نعت سے خطاب کر کے وصفی انداز بیان میں آپ کی نعت بیان کی ہے۔ انداز بیان بہت موجز ہے۔ شاعر نے ہر فقرہ میں کسی نہ کسی عظیم واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ نبی کریم صلعم پیدائشی نبی تھے۔ منبع نعت نے خود فرمایا تھا کہ میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم (علیہ السلام) مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔ اور ابھی ان کا پتلا بھی نہ تیار ہوا تھا۔ حالیؔ اس مفہوم کو شاعرانہ انداز بیان میں یوں ادا کرتے ہیں۔

شان رسالت کی تھی تیری جبیں سے عیاں

گرد سے دایہ ابھی کر نہ چکی تھی جدا

گلہ نبی سعد کا جب کہ چراتا تھا تو

گلۂ آدم تجھے سونپ چکی تھی قضا

حضور صلعم نے شر و فساد کی بیخ کنی کی۔ جب قوم غالب تھی آپ نے ان کے مظالم برداشت کئے۔ اور جب آپ غالب ہوئے تو آپ نے انتقام لینے کے بجائے ان پر ترحم فرمایا۔

خاک تھی جس ملک کی مزرع شر و فساد ۔۔۔ تو نے اسی کو دیا ارض مقدس بنا

تو نے تحمل کیا قوم کا غلبہ تھا جب   جب ہوئی مغلوب قوم تو نے ترحم کیا

اس نعت میں مستعمل تشبیہات روزمرہ کی زندگی سے لی گئی ہیں۔ اسی لئے وہ عام فہم اور زود رسا ہیں۔ اور ہر ایک کو متاثر کرتی ہیں۔

اٹھا ہدایت کو تو عین ضرورت کے وقت   جیسے کہ ہنگام قحط قبلہ سے اٹھے گھٹا

اٹھے بہت مدعی جیسے کہ ساون میں گھاس   مزبلہ پر چند روز باقی ہے نشو و نما

تلمیحات کے ذریعہ کلام میں ایجاز پیدا کرنے کے سلسلے میں رقم ذیل شعر کافی اہم ہے۔ ملاحظہ ہو:

رہ گیا نامہ سجاع کذب میں ضرب المثل   اسود و ابن کثیر خوار ہوئے برملا

صلوٰۃ و سلام کا نیا انداز ملاحظہ ہو:

تجھ پہ صلوٰۃ و سلام ربّ سمٰوات سے   روز و شب و صبح و شام قدر رمال و حصے[1]

شاعر نے رباعی کی ہیئت میں کئی نعتیں کہی ہیں۔ ان رباعیوں میں بھی وصفی انداز بیان اپنایا گیا ہے۔

بطحا کو ہوا تیری ولادت سے شرف   یثرب کو ملا تیری اقامت سے شرف
اولاد ہی کو فخر نہیں کچھ تجھ پر   آباد کو بھی ہے تیری ابوّت سے شرف

ایک دوسری رباعی ملاحظہ ہو:

بطحائے عرب کو محترم تو نے کیا   اور ابیو کو خیر امم تو نے کیا
اسلام نے ایک کر دیا روم و تتار   بچھڑے ہوئے گلہ کو بہم تو نے کیا

لیکن اردو نعت گوئی میں حالی اپنے نختیہ قصیدوں، رباعیوں یا مخمس کی وجہ سے زندہ نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی ساری شہرت کا دار و مدار مدس "مدوجزر اسلام"

---

[1] ۔ دیوان حالی: ناشر لالہ رام نرائن لعل بکسیلر۔
صفحات ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴ مطبوعہ ۱۹۵۸ء

میں شامل نعتیہ بندوں پر ہے۔ ویسے تو پوری مسدس میں روحِ نعت جاری و ساری ہے۔ لیکن اس کے کئی بندوں میں خالص نعتیہ مضمون نظم کیا گیا ہے ــــ حالی کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے غیر ادبی موضوع پر ایک انوکھے انداز، ایک خاص لگن، ایک مخلص داخلی کیفیت اور ایک مخصوص فنکارانہ ربط کے ساتھ قلم اٹھایا ہے۔ مسدس کے ہر مصرع میں ایک جوش اور ولولہ ہے۔ جس کے سہارے انھوں نے ایک طویل اور مربوط نظم کامیابی کے ساتھ لکھ دی۔ مدس میں نہ زور آئینی آراستگی ہے نہ تشبیہات و استعارات کا طمطراق، نہ حسن و عشق کی رنگینی ہے، نہ خیال بندی، نہ مضمون آفرینی ہے۔ نہ مبالغہ آرائی یا لفظی صناعی، اصلیت، سادگی اور جوش کی، جو کہ حالی کے نزدیک ارکین شاعری ہیں۔ ہر جگہ حکمرانی ہے۔ حالی کی شاعری کی تمام خصوصیات مسدس مدجزر اسلام میں موجود ہیں۔ سرسید کی تحریک سے حالی کی شاعری کو شعور اور مقصد ملا۔ حالی کی اس مقبول روزگار مسدس کے محرک بھی سرسید تھے۔ حالی نے مسدس کے دیباچہ میں لکھا ہے:

> "ہر چند اس حکم کی بجا آوری مشکل تھی اور خدمت کا بوجھ اٹھانا دشوار تھا۔ مگر ناصح کی جادو بھری تقریر جی میں گھر کر گئی۔ دل سے ہی نکلی تھی دل میں جا کر ٹھہری برسوں کی بجھی ہوئی طبیعت میں ایک ولولہ پیدا ہوا اور باسی کڑھی میں ایک ابال آیا۔ افسردہ دل، بوسیدہ دماغ جو امراض کے متواتر حملوں سے کسی کام کے نہ رہے تھے؛ انھیں سے کام لینا شروع کیا اور ایک مسدس کی بنیاد ڈالی دنیا کے مکروہات سے فرصت بہت کم ملی۔ اور بیماریوں کے ہجوم سے اطمینان کبھی نصیب نہ ہوا، مگر ہر حال میں یہ دھن لگی رہی ــــ بارے الحمدللہ کہ بہت سی دقتوں ایک ٹوٹی پھوٹی نظم اس عاجز بندہ کی بساط کے

موافق تیار ہوگئی اور ناصح مشفق سے شرمندہ نہ ہونا پڑا[1]۔"

مسدس کے ابتدائی پانچ سات بند بطور تمہید کے لکھے گئے ہیں۔ جس کے بعد حالی نے بقول خود۔

"عرب کی اس ابتر حالت کا خاکہ کھینچا ہے، جو ظہور اسلام سے پہلے تھی اور جس کا نام اسلام کی زبان میں جاہلیت رکھا گیا۔ پھر کوکب اسلام کا طلوع ہونا اور نبی امی کی تعلیم سے اس ریگستان کا دفعتہً سرسبز و شاداب ہو جانا اور اس ابر رحمت کا امت کی کھیتی کو رحلت کے وقت ہرا بھرا چھوڑ جانا اور مسلمانوں کا دینی اور دنیوی ترقیات میں تمام عالم پر سبقت لے جانا بیان کیا ہے اور اس کے بعد ان کے تنزل کا حال لکھا ہے اور قوم کے لئے اپنے بے ہنر ہاتھوں سے ایک آئینہ خانہ بنایا ہے، جس میں آکر وہ اپنے خط و خال دیکھ سکتے ہیں۔ کہ ہم کون تھے اور کیا ہو گئے[2]۔"

حالی کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے نعت نبی سے مردہ دلوں میں حیاتیہ عناصر کو رواں دواں کرنے کا کام لیا۔ انھوں نے اقوال نبی اور اعمال نبی کا تذکرہ اس طور پر کیا کہ عالم انسانیت ان میں اپنے غموں کا مداوا تلاش کرے۔ حالی سے

---

[1] ۔ دیباچہ مسدس از مولانا الطاف حسین حالی۔ صفحہ ۴ و صفحہ ۵ مشمولہ مسدس حالی تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور۔

[2] ۔ دیباچہ مسدس (پہلا دیباچہ ۱۲۹۶ھ) مشمولہ مسدس حالی۔ از مولانا الطاف حسین حالی۔ صفحہ ۲ ناشر تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور و کراچی۔

قبل کی نعت گوئی میں نعت برائے نعت کا جذبہ کارفرما ہے۔ یا پھر شیفتگی رسول میں سوزِ دروں کا اظہار انبساطِ خود کے جذبہ کے تحت کیا گیا ہے۔ حالی نے مسدس کے ذریعہ مسلمانوں کو ان کا پُر وقار و تمکنت خیز چہرہ اس طور پر دکھایا کہ اس کی شادابی شگفتگی کے سارے رموز واضح ہو گئے۔ انھوں نے ماضی کے روشن چہرہ کا مقابلہ حال کے افسردہ چہرے سے کر کے مداوا کے طور پر بتلایا ہے کہ ماضی کی رعنائی و برنائی اسوۂ رسول پر گامزن ہونے کے باعث تھی۔ مستقبل میں حال کا افسردہ چہرہ پھر شگفتہ و شاداب ہو سکتا ہے بشرطیکہ اس کی آبیاری اسی طور پر کی جائے۔ جس طور پر ماضی میں کی جاتی تھی۔ حالی تلمیحات کا سہارا لے کر نبی اقدس صلعم کی ولادت باسعادت کا نقشہ بہت دلآویز انداز میں کھینچتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت — بڑھا جانب بوقبیس ابرِ رحمت

ادا خاک بطحا نے کی وہ دیعت — چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا

دعائے خلیل اور نوید مسیحا

نبی کریم صلعم پیدائشی نبی تھے لیکن آپ کی نبوت کا اعلان چالیس سال کی عمر میں ہوا۔

ہوئے محو عالم سے آثار ظلمت — کہ طالع ہوا ماہِ برجِ سعادت

نہ چھٹکی مگر چاندنی ایک مدت — کہ تھا ابر میں ماہتاب رسالت

یہ چالیسواں سال لطف خدا سے

کیا چاند نے کھیت غارِ حرا سے

حالی نے مسدس کے ان بندوں کے بعد ایک بہت جاندار نعت حوالۂ قرطاس کی ہے، جس میں وصفی انداز بیان اپنا کر نبی آخر الزماں کی شخصیت کے ان عناصر کی نشاندہی کی گئی، جو آپ کے محسن انسانیت ہونے کے بین شواہد ہیں۔ نمونہ کے طور پر چند بند ملاحظہ ہوں:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا   مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا   وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ

خطا کار سے درگزر کرنے والا   بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا   قبائل کا شیر و شکر کرنے والا

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مس خام کو جس نے کندن بنایا   کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا   پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا

رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا

حضور اکرم صلعم صادق و امین کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کے دشمن تک آپ کی صداقت اور امانت کے قائل تھے۔ شاعر نے تاریخ کے ایک واقعہ کا سہارا لے کر منبعِ اسلام کے ان اوصاف کو شاعرانہ انداز میں واضح کیا ہے۔

وہ فخرِ عرب زیبِ محراب و منبر   تمام اہل مکہ کو ہمراہ لے کر
گیا ایک دن حسب فرمانِ داور   سوئے دشت اور چڑھ کے کوہ صفا پر

یہ فرمایا سب سے کہ "اے آل غالب
سمجھتے ہو تم مجھ کو صادق کہ کاذب"

کہا سب نے قول آج تک کوئی تیرا   کبھی ہم نے جھوٹا سنا اور نہ دیکھا"
کہا "گر سمجھتے ہو تم مجھ کو ایسا   تو باور کرو گے اگر میں کہوں گا

کہ فوج گراں پشت کوہ صفا پر

پڑی ہے کہ لوٹے تمھیں گھات پاکر

کہا "تیری ہر بات کا یاں یقیں ہے — کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امیں ہے"

کہا "گر مری بات یہ دلنشیں ہے — تو سن لو خلاف اس میں اصلا نہیں ہے"

کہ سب قافلہ یاں سے ہے جانے والا

ڈرو اس سے جو وقت ہے آنے والا

حالی نے نبی صلعم کی زبانی وحدانیت کی تعلیم دے کر نعت میں توحید کو مدغم کردیا ہے۔ انھوں نے اس ضمن میں یہ کائناتی صداقت نظم کی ہے کہ کسی کو اس کی حد سے آگے بڑھا دینا اس کی تعریف نہیں تنقیص ہے۔ صرف دو بند ملاحظہ ہوں:

"کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق — زباں اور دل کی شہادت کے لائق

اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق — اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ

جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

نصاریٰ کے مانند دھوکا نہ کھانا — کسی کو خدا کا نہ بیٹا بنانا

مری حد سے رتبہ نہ میرا بڑھانا — بڑھا کر بہت تم نہ مجھکو گھٹانا

سب انساں ہیں واں جس طرح سرِافگندہ

اسی طرح ہوں میں بھی اک اس کا بندہ

نبی کرم صلعم نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت بے مثل انسانوں کی ایک جماعت چھوڑی۔ شاعر کے لفظوں میں:

جماعت کو سب مل چکی حق کی نعمت — ادا کر چکی فرض ایثار سالنے

رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت — نبی نے کیا خلق سے قصد رحلت

تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی

کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی

مسدس کے اسی افادتی پہلو کو مدّنظر رکھتے ہوئے سرسید احمد خاں نے اس نظم کے لئے کہا تھا "خدا جب حشر میں مجھ سے پوچھے گا کہ دنیا سے کیا لایا تو میرا جواب یہی ہوگا کہ حالی سے مسدس لکھوا لایا ہوں"۔ مسدس کو جو قبول عام اور شہرت دوام حاصل ہوئی" وہ اردو کے بہت کم شہپاروں کے نصیب میں آئی ہے۔ ضمیمہ مسدس کے ابیات میں وہ بند جو حالی نے بطور مناجات لکھے ہیں۔ نعتیہ دنیا میں ہمیشہ درخشاں و تاباں رہیں گے۔ شاعر نے ان بندوں میں منبع نعت کا واسطہ دے کر امت محمدیہ کے لئے انھیں اوصاف حسنہ اور خصائل حمیدہ کی دعا مانگی ہے۔ جن سے نبی صلعم نے خود اپنے عہد کے مسلمانوں کو متصف کیا تھا اور تا قیامت آپ اپنی امت کو اسی راستہ پر گامزن دیکھنا چاہتے تھے۔ وسیلہ کے ذکر میں نبی صلعم کے مقدس نام کے آجانے پر شاعر نے نعت کے اچھے اشعار کہہ دیئے ہیں۔ نمونہ کے اشعار ملاحظہ ہوں :-

الٰہی بحق رسول تہامی ہر اک فرد انساں کا تھا جو کہ حامی

جسے دور و نزدیک تھے سب گرامی برابر تھے مکی و زنگی و شامی

شریروں کو ساتھ اپنے جس نے نباہا

بروں کا ہمیشہ بھلا جس نے چاہا

طفیل اس کا اور اس کی عترت کا یارب پکڑ ہاتھ جلد اس کی امت کا یارب

اک ابر اس پہ بھیج اپنی رحمت کا یارب غبار اس سے جو دھو دے ذلت کا یارب

کہ ملت کو ہے ننگ ہستی سے اس کے

ہو البتہ اسلام پستی سے اس کے[1]

---

[1] مسدس حالی - از حالی - صفحہ ۳۶ رام نرائن لال پبلیشر اینڈ بک سیلرس ۱۹۴۹ء

مسدس کی زبان اور طرزِ تحریر پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سید سلیمان ندوی نے درست لکھا ہے کہ:

"معلوم ہوتا ہے کہ کوئی صاف شفاف نہر کسی ہموار ترائی میں آہستگی سے بہتی چلی جا رہی ہے نہ کہیں رکاوٹ ہے۔ نہ لفظ میں گرانی ہے۔ نہ قافیہ کی تنگی ہے، زبان میں گھلاوٹ، بیان میں حلاوت، لفظوں میں فصاحت اور ترکیبوں میں لطافت ہے۔ ہماری زبان میں سہل ممتنع کی یہ بہترین مثال ہے۔"[1]

شکوۂ ہند مصنفہ حالی ۱۸۸۸ء میں مشمول مناجات نعت کی دنیا میں غیر معمولی شہرت کی مالک ہے۔ شاعر نے اس مناجات میں امت کا حال زار نبی صلعم کے سامنے پیش کر کے آپ سے دعا کی التجا کی ہے۔ چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں۔

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

جس دین کے مدعو تھے کبھی قیصر و کسریٰ
خود آج وہ مہمان سرائے فقرا ہے

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہے

جس دین نے تھے غیروں کے دل آکے
اس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے

امت میں تری نیک بھی ہیں بد بھی ہیں لیکن
دل دادہ ترا ایک سے ایک ان میں سوا ہے

کل دیکھئے پیش آئے غلاموں کو ترے کیا
اب تک تو ترے نام پہ اک ایک فدا ہے

ہاں حالی گستاخ نہ بڑھ حد ادب سے
باتوں سے ٹپکتا تری اب صاف گلا ہے

---

[1] مقدمہ مسدس حالی۔ از مولانا الطاف حسین حالی۔ صفحہ ۴۴ صدی ایڈیشن ۱۹۳۵ء۔ ناشر حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی

اردو نعت کو حالی کی سب سے بڑی دین یہ ہے کہ انھوں نے نعتیہ ادب کو مقصدیت سے متعارف کرا کے اسے اخلاقی مضامین سے معمور کر دیا۔ جس کی کامیاب پیروی اخلاف کی شاعری میں ملتی ہے۔

سیّد علی حیدر نظمؔ

سید علی حیدر نظمؔ طباطبائی حالیؔ سے سولہ[1] سال بعد اور شبلیؔ سے چار[2] سال پیشتر پیدا ہوئے۔ وہ حالی اسکول کے زبردست حامی تھے۔ انھوں نے مقصدی پہلو کو مدّ نظر رکھ کر نیچری عنوانات پر بکثرت نظمیں لکھی ہیں۔ ان کی طبیعت میں بلا کی آمد اور روانی تھی۔ انھوں نے نعت کے میدان میں قصیدہ کو مافی الضمیر کے اظہار کا ذریعہ بنایا ہے۔ انھوں نے "صوت تغزل" میں کم نعتیں شامل کی ہیں۔ "مجموعۂ نظم" میں حسب ذیل سات نعتیہ قصائد[3] شامل ہیں۔

۱۔ ذکر بعثت و فتح مکّہ۔

۲۔ قصیدہ معراج۔

۳۔ ہجرت و غزوۂ بدر۔

ف[1] ۔ نظمؔ کی تاریخ پیدائش بقول عبد القادر سروری ۱۶ صفر سنہ ۱۲۷۰ھ ہے۔ جس کی مطابقت تقویم مرتبہ ابوالنصر محمد خالدی کی رو سے ۱۸ نومبر ۱۸۵۳ء ہوتی ہے۔ (جدید اردو شاعری: عبد القادر سروری صفحہ ۱۷۵) راقم۔

ف[2] حالیؔ کا سنہ ولادت ۱۸۳۷ء اور شبلی کا ۱۸۵۷ء ہے۔

ف[3] یہ ساتوں قصائد (۸۹۱) اشعار کے ساتھ مربوط ہیں۔ ان کو ہفت خوان قصائد کہے جاتے ہیں۔ آزاد

۴ - عہد جاہلیت کا کفر اور پیغمبر مجاہد -

۵ - قصیدہ احزاب -

۶ - قصیدہ خیبر -

۷ - قصیدہ حنین -

نظم کی نعتوں میں افادیت و مقصدیت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ انھوں نے رسول اللہ صلعم کی سیرت مقدسہ کے مختلف پہلوؤں کو اس طور پر واضح کیا ہے کہ ان کو پڑھ کر قاری کے دل میں اپنے کو سنوارنے کے جذبات موجزن ہونے لگتے ہیں۔ انھوں نے طول طویل مضامین کو نعت میں سمویا ہے۔ بیانیہ شاعری کے لئے سب سے آسان صنف مثنوی ہے۔ لیکن نظم نے یہ مضامین قصیدہ میں نظم کئے ہیں اور کمال یہ ہے کہ ان کے نعتیہ قصائد میں کہیں بھی کوئی نقص نظر نہیں آتا۔ ہیئتی اعتبار سے ان کے یہ نعتیہ قصیدے مکمل ہیں۔ تشبیب، گریز اور مدح میں سے ہر ترکیبی جزو فنی نقطۂ نگاہ سے اور درست ہے۔ مضامین تشبیب میں عہد جاہلیت کی قیود سے انحراف ہے۔ ان کی تشبیبیں صوفیانہ اور فلسفیانہ ہوتی ہیں۔ جن میں فن حیات کا برملا بیان ہوتا ہے۔ تشبیب و مدح میں گہرا معنوی ربط ہے۔ کلام میں گہرائی، گیرائی علمیت اور فنکارانہ خداقت کے نمونے کثرت سے ملتے ہیں۔ ان کے قصائد میں ذکر بعثت و فتح مکہ اور قصیدہ احزاب نمایاں حیثیت کے مالک ہیں۔ ان قصیدوں میں علامہ بوصیری اور علامہ زمخشری کے اثرات کافی گہرے نظر آتے ہیں۔ نعتیہ قصائد میں استدلال کی گرفت مضبوط ہے۔ ایجاز و اختصار، خلوص و اثر آفرینی، دلاویزی و دلنشینی، طرز بیان کی ندرت، تشبیہات و استعارات کی بداعت، صنائع و بدائع کی برجستگی و بے ساختگی اور فکر کی شگفتگی ان کے نعتیہ کلام کے جوہر ہیں۔

نمونہ کے طور پر قصیدہ ذکر بعثت و فتح مکہ کے منتخب اشعار ہدیہ ناظرین ہیں انتخاب میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ تشبیب، گریز اور مدح میں سے ہر ایک میں نظم کا رنگ قاری کے سامنے آجائے۔

کہاں سے کھینچ کر دار فنتگی مجھکو کہاں لائی
میں ہوں راز نہفتہ اور جہاں بازار رسوائی

کوئی سمجھا کہ یہ جھنکار کیسی صدا آئی
دل نازک تھا شیشہ اور پتھر تھی شکیبائی[1]

بڑے نازو نعم سے بزم عالم میں قدم رکھا
اجل نے منتیں مانیں، فضا نے گود پھیلائی

شباب آتے ہی سر پر حسرتوں نے آسماں توڑا
زمیں قدموں کے نیچے سے دل مضطر نے سرکائی

کبھی پہلے حیا آئی نہ اپنے تن کے جلنے پر
بھلا ہو عہد پیری کا کہ گردن اب تو نہوڑائی

حقیقت سے خرافات جہاں کی رند واقف ہیں
کہ اٹھ جائیں گے اس محفل سے لیکر ایک انگڑائی

یہ حسرت تھی نثار مقدم خیر البشر کرتا
حیات جاوداں افسوس ہے مجھ کو نہ ہاتھ آئی

ظہور اس کا جو آخر میں ہوا اس سے یہ ظاہر ہے
کہ ذات اس کی ہے ایجاد جہاں کی علت غائی

یہ اس سید کے ختم المرسلین ہونے سے ثابت ہے
کہ یہ قربت رسولان سلف نے بھی نہیں پائی

کسی کا عرش پر نعلین کو پہنے ہوئے جانا
کسی کی جلوہ گاہ طور میں وہ برہنہ پائی

---

۱ - مجموعہ نظم طباطبائی صفحہ ۱۔

سنی تھی اک صدا موسیٰ نے وادی مقدس میں
یہ گذرے جس طرف سے ان کو آواز درود آئی

بنا سجدہ گہ کروبیاں نقش قدم تیرا
زمیں کعبے کے نیچے جب ید قدرت نے پھیلائی

اس آئینہ میں تیرے نور کے پرتو سے نور آیا
نہ تھی مہر جبیں میں کچھ درخشانی درخشائی

وہ نسبت ارتفاع قدر سے تیرے ہے گردوں کو
کہ اک پلّہ میں ہو کوہ گراں اور ایک میں رائی[۱]

یہ کس رستہ سے تو اے رہنما ہوتا ہوا آیا
ہزاروں ہی برس عالم کو تو نے راہ دکھلائی

نہ ہوتے معجزے بھی گر تو کیا شک تھا رسالت میں
شریعت تیری ہی فطری نبوت تیری آبائی

ترا اعجاز قرآں مبیں ہے سامنے جس کے
فصیحان عرب سے آج تک ہے سلب گویائی

جو پایا ناشناس اہل جہاں کو شاہ بطحا نے
تو بس آئینہ زانو سے پیدا کی شناسائی

رہے غار حرا میں سر بزانو ایک مدت تک
پسند طبع تھی عزلت شریک حال تنہائی

قدم چالیسویں منزل میں اس یوسف نے جب رکھا
تو پہنچا کاروان وحی آواز جرس آئی

حجر و کہ عرش کا روح القدس نے کھول کر دیکھا
تو نکلا مدتوں کا ربط برسوں کی شناسائی

---

۱ مجموعہ نظم طباطبائی صفحات / ۴، ۵، ۶

ہوئیں جاری زبان کی آیتیں وہ نور کی جس پر
فدا ہو لحن داؤدی و انفاس مسیحائی

امین صادق و ناصح کہا کرتے تھے جو پہلے
وہ سب کہنے لگے اب شاعر و مجنون و سودائی

ہوئے جور و جفا پر متفق سب فتنہ گر آخر
چڑھا کر آستیں لات و عزّیٰ کی قسم کھائی

کمر باندھی شریروں نے اٹھایا قتل پر بیڑا
کئے پیماں لکھی تحریر اور کعبہ میں لٹکائی

یہ باعث تھا کہ جب غار حرا سے نور حق نکلا
رہی شعب ابی طالب میں برسوں رونق افزائی [1]

نظم کا وہ نعتیہ قصیدہ جس کا عنوان "ذکر جاہلیت و جہاد آنحضرت" ہے۔ [2]
اس لئے قابل ذکر ہے کیونکہ اس میں مقامی رنگ بہت گہرا ہے اور ہندوستانی عناصر کثرت سے جمع کئے گئے ہیں۔ اس میں "کنول" "ہرمل" "کشن" "گوکل" "اندر" "کنھیا" "ارجن" "گنگا جل" کا لطیف اور دلاویز استعمال ہے۔

---

[1] ۔ مجموعۂ نظم طبا طبائی صفحات ۶-۷-۸-۹

[2] ۔ ڈاکٹر اشرف رفیع نے قصیدہ زیر بحث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اگر طبا طبائی کے "ہفت خواں" کو رزمیہ کہا جا سکے تو یہ قصیدہ اس رزمیہ کا نقطۂ عروج Climax کہلا سکتا ہے۔ کیوں کہ اس قصیدہ میں پھر ایک بار واقعہ نگاری سے قطع نظر کر کے طبا طبائی موضوع کے تصویری پہلو کی طرف رجوع کرتے ہیں۔"

نظم طبا طبائی: حیات اور کارناموں کا تنقیدی مطالعہ صفحہ ۲۶۴
نیشنل فائن پرنٹنگ پریس چار کمان دسمبر ۱۹۷۳ء

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قصیدہ کا محرک محسن کا وہ مشہور قصیدہ ہے، جس کا مطلع

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل! برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

ہے۔ نظم نے اس قصیدہ کا قافیہ بھی وہی رکھا ہے اور بیشتر جگہ مفہوم میں بھی محسن سے استفادہ کیا گیا ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

ابر کو لغزش مستانہ ہر ایک گام پہ ہے — رعد کہتا ہے اندھیرا ہے ذرا دیکھ کے چل
نامیہ نے جو دھواں آتش گل پر دیکھا — چشم گردوں کے لئے پار لیا ہے کاجل [1]

اسمٰعیل میرٹھی:

حالی کے عہد کی نعتیہ شاعری میں اسمٰعیل میرٹھی کا نام فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی شاعری میں حالی کی قومی اصلاح کا جذبہ، فکری وحدت اور بیانیہ انداز کو رائج کرنے کا رجحان ملتا ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

خلیل حق کی تھی جو اشارت — اور ابن مریم کی جو بشارت
ظہور احمد تھی عبارت — سمجھ گئے صاحب بصارت
کہ اب گری کفر کی عمارت — گھٹے گی فارس کی اب حرارت
مٹے گی روما کی اب شرارت — لٹے گی اب مصر کی امارت
خزانہ ہرقل کا ہو گا غارت — بڑھے گا تقوی بھی اور طہارت
ہے باغ اسلام کو نضارت — نیا ہے سلطان، نئی وزارت
صلوٰۃ اس پر سلام اس پر — اور اس کی سب آل صفا پر
اور اس کے اصحاب وفا پر — اور اس کے احباب اتقیا پر

اسی دور میں ایک شاعر فتحپور ہسوہ میں گزرے ہیں۔ جن کا نام مولوی عبدالرحیم

---

[1] مجموعہ نظم طباطبائی صفحہ ۳۰

اور تخلص رحیم تھا۔ آپ کے والد کا نام شیخ مخدوم بخش ابن شیخ شاہ محمد اور استاد کا نام مولوی محمد برہان الدین ہانسوی تھا۔ آپ قصبہ جیت علیسی پور پرگنہ و ضلع فتحپور ڈاکخانہ حسین گنج کے رہنے والے تھے۔ آپ نے اردو، فارسی، عربی اور بھاشا میں اچھی نعتیں کہی ہیں۔ آپ کی یہ نعتیں آپ کی تصنیف مولود شریف ★ مطبع چشمہ ہند فتحپور سے ماہ شعبان ۱۳۲۷ھ مطابق سنہ ۱۹۰۹ء میں طبع ہوئی تھی۔

راقم السطور کے زیر نظر اس کتاب کا وہ نسخہ ہے جو کتب خانہ مدرسہ اسلامیہ فتحپور کی ملکیت ہے اس نسخہ کے ٹائٹل کے صفحہ کے اوپری حاشیہ پر دائیں سے بائیں مصنف کے ہاتھ کی لکھی مندرجہ ذیل عبارت مرقوم ہے۔

"بخدمت مولوی رضی الدین

صفحہ ۵۳ میں مولوی برہان الدین صاحب ولد راقم کا

حال لکھا ہے کل کتاب ملاحظہ کر کے جہاں کوئی بات نظر میں

آوے یاد فرمائیں۔ عبد الرحیم" کذا ★

اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے یہ نسخہ مولوی رضی الدین کی خدمت میں، جو کہ مصنف کے استاد محمد برہان الدین کے پسر ارجمند تھے، بغرض ملاحظہ عبارت مرقومہ بالا لکھ کر اور اس پر اپنے دستخط ثبت کر کے پیش کیا تھا۔ اس کتاب میں چونسٹھ صفحات ہیں۔ جس کے بعد تتمہ کے چار صفحات منسلک ہیں۔ یہ

★ مصنف نے خود قطعہ تاریخ کہا ہے بعنوان "قطعہ تاریخ مصنف بزبان بھاکھا کبت" میں ہر مصرع سے سنہ عیسوی و ہجری و فصلی و بکرمی پیدا ہے۔

پریم راس رحیم پیت نگری جی نینن سے پو شکل آئے کہی ۔۔۔ اسنت نرگن سب گم ہن منہ جس ہیہ سنی سمجھائے کہی

سمت سنہ ۱۹۶۲ بکرمی ۔۔۔ سنہ ۱۹۰۵ء

موجیت ہیں برکھہ رحیم داس کا سادہ ابن ہم جا کہی ۔۔۔ گوردین پیت راکھہ دیو ہمری بہ جینی داب یہ اٹے کہی

(مولود شریف صفحہ ۶۳) سنہ ۱۳۲۲ ہجری ۔۔۔ سنہ ۱۳۱۲ فصلی

کتاب حمد خدا، نعت رسول، و تصوف و رمز عرفان و تلقین مرشد و طریقہ ذکر و اشغال پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں نعتوں کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ شاعر کو مداح نبیؐ ہونے پر فخر ہے۔ مولوی عبدالرحیم کی مولود شریف میں مختلف زبانوں کی نعتیں شامل ہیں مصنف نے ان نعتوں کے عنوانات متعین کئے ہیں۔ اس نے عنوان کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا ہے کہ وہ کس زبان میں ہے۔ اور کس صنف شاعری سے متعلق ہے۔ نعتوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ سندلیس مدینہ بزبان بھاشا یعنی پیغام تمنائے مولف جانب رسول اکبر۔
۲۔ قصیدہ اردو در تصوف وحدانیت و نعت نبوی صلعم۔
۳۔ قصیدہ در ترتیب محفل میلاد شریف سرور عالم بزبان اردو۔
۴۔ قصیدہ در نعت بزبان اردو۔
۵۔ مخمس بھاکا بہ غزل مولانا خسرو در نعت احمدی صلی اللہ علیہ السلام۔
۶۔ قصیدہ اُردو بسلام سرور۔
۷۔ نظم فارسی در نعت رسولؐ مقبول از نسخہ رحیما مصنف مولف کتاب ہذا۔
۸۔ دار درد تمنایے جانب حضور رسولؐ دو جہاں بزبان بھاکا۔
۹۔ مثلث بزبان بھاشا در پیدائش نور کرامت ظہور سرور عالم۔
۱۰۔ قصیدہ در میلاد شریف جناب رسولؐ مقبول صلعم اُردو۔
۱۱۔ مبارکباد پیدائش سروری بزبان اُردو۔
۱۲۔ سلام فارسی بہ میلاد رسولؐ مقبول۔
۱۳۔ مسدس بھاکھا وڈنڈوت میت نرنجن۔
۱۴۔ مخمس بزبان بھاکھا بر غزل قدسی رحمتہ اللہ علیہ قدس سرہ۔
۱۵۔ بھجن معجزات۔
۱۶۔ قصیدہ در نعت باین صفت کہ در ہر شعر مضمون بچہار زبان نوشتہ یعنی بھاکھا اُردو و فارسی و عربی۔

۱۷۔ قصیدہ اردو در شان حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۸۔ سرگک بیان ہر ہنتیو ادرس ترنجن مانہ یعنی معراج رسولؐ دو عالم۔

۱۹۔ دادرہ فارسی باشتیاق طواف کعبہ۔

۲۰۔ برنگ برن محمدی بھجن بھاکھا۔

۲۱۔ پوربی بزبان ہندی درشان نبوی۔

۲۲۔ ٹھمری درنعت بزبان بھاکھا۔

نعت گوئی کے میدان میں مولوی عبدالرحیم کی شخصیت بہت قدآور ہے۔ ان میں اجتہادی قوت بہت زبردست تھی۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ ان کے کارنامے ابھی تک پردۂ خفا میں ہیں۔ ان کی نعتیں مختلف بولیوں مختلف ہیئتوں اور مختلف اصناف سخن میں ہیں۔ انھوں نے بھاشا، اردو فارسی اور عربی زبانوں میں اچھی نعتیں لکھی ہیں۔ انھوں نے دادرہ، ٹھمری اور بھجن میں کافی جاندار نغمیں کہی ہیں۔ ان کی یہ نعتیں بھاشا زبان میں ہیں۔ انھوں نے نعتیہ قصائد اور نعتیہ نظموں کے علاوہ نعتیہ مخمس، نعتیہ مسدس اور نعتیہ مثلث بھی لکھے ہیں۔ ان کی نعتیہ کاوشات میں سلام بھی ملتے ہیں۔ انھوں نے نعت نبوی میں وصفی پیرایۂ اظہار بھی اپنایا ہے ایک، اور نعتوں میں سوز وں کا بھی اظہار کیا ہے۔ ان کے نعتیہ سرمائے میں دو تضمین بھی ملتی ہیں جن میں بادخسرو کی غزل پر ہے اور دوسری قدسی کی مشہور غزل

دل وجان باقدایت چہ عجب خوش لقبی

پر ہے۔ ان کی جدت طراز روش نے طواف کعبہ کے اشتیاق میں فارسی میں دادرہ کہا ہے۔ ان کی عدرت پسند طبیعت نے ایک طول طویل مفصل قصیدہ معراج پر لکھا ہے جس میں "پیغام باری" اور "مبارک باد" کے ضمنی عنوانات اردو میں اور بقیہ سبھی اشعار بھاشا میں ہیں۔ رحیم کی افتاد طبع میں جدّت و بداعت بھری ہوئی تھی۔ انھوں نے ایک نعتیہ کاوش میں یہ التزام کیا ہے کہ شعری کاوش کے ہر شعر میں نعت کے مضمون کو چار زبانوں یعنی بھاشا، اردو، فارسی اور عربی میں ادا کیا ہے۔

ان کو رسولؐ اقدس صلعم سے مخلصانہ عقیدت اور والہانہ شیفتگی تھی۔ انھوں نے ”حالات خاندانی مولوی عبدالرحیم صاحب مصنف رسالہ ہذا“ کے تحت مرقوم اشعار میں اپنی اس شیفتگی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے۔

منم مدح خوان رسولؐ کریم — لقب نقشبند یہ عبدالرحیم
زفضل خدائے و رسولؐ اللہ — بعشق نبی کرد دل را دنیم [1]

رحیم کو زیارت نبوی کا بے حد اشتیاق تھا۔ اس کا پختہ عقیدہ ہے کہ نعت نبی [2] سے فضل خداوندی حاصل ہوتا ہے اور حزن والم سے نجات ملتی ہے۔

فضل حق ہوگا لکھو نعت محمدؐ کو رحیم
آج کل گر تجھے سب سے حزیں دیکھتے ہیں [2]

رحیم کو زبان و بیان پر زبردست قدرت اور مذہب و تاریخ پر مکمل عبور حاصل ہے۔ وہ صنائع بدائع اور تلمیحات کا استعمال بہت لطافت و ندرت کے ساتھ کرتا ہے ایجاز و اختصار پر اس کو معجز قدرت حاصل ہے۔ شیفتگی، عقیدت اور خلوص ہر جگہ موجزن نظر آتا ہے۔

یونس کا من سے کشٹ ہریو بل اسماعیل کا بدل دیو
یوسف کی کوپ منہ باندھ دھریو تمہ کھیو نوح کی ناوریا

اے پون بھور [3]

خدایا رحیم حزیں کو شہد — کب اپنے بلائیں گے وہ آستاں کو [4]

---

[1] ۔ مولود شریف: عبدالرحیم مطبوعہ چشمۂ ہند فتحپور صفحہ ۵۴ بار اوّل ماہ شعبان سنہ ۱۳۲۷ھ

[2] ۔ مولود شریف ص ۔ ۲۹

[3] ۔ مولود شریف ص ۔ ۲۷

[4] ۔ مولود شریف ص ۔ ۳۰

رحیم سرزمیں کو بلا تو محمدؐ کہ مدت سے عاصی جدا ہو رہا ہے[1]

خدایا تیری دربار میں دعاء رحیم — مدینہ مجھ کو دکھا سید زماں کے لیے[2]

اپنی جگ مگ جوت سے تین ہیر نکال — بیم و شط کی اپنی دس رتن کینہ کرتار

نبیؐ عرش محلے لوح و کرسی اکد گرہو کر[3]

السلام اے سرور سلطان دیں — السلام اے قبلۂ چرخ و زمیں

السلام اے مالک ملک شہود — السلام اے دائی شہر وجود

السلام اے مصدر انوار رب — السلام اے مظہر اسرار رب[4]

مبارک یہ فرزند ہو سب جہاں کو — سزاوار ہو مادر مہرباں کو

سزاوار حوا کو اور سائرہ کو — و خصار میلاد خلیل زناں کو

مبارک ہو خیر البشر بو البشر کو — ملائک و غلماں و حور جناں کو

بشرح زبوری ثنا جس کی دیکھی — مبارک ہو داؤد شیریں زباں کو

محمدؐ کے شائق تھے توریت پڑھکر — ہو فرخندہ موسائے عذب لساں کو

(کذا عذب اللسان)

خبر تھی جو انجیل میں ان کے دم کی — ہو فرخ یہ عیسائے روح رواں کو

جو خواب دیدار سے مطلب ہے — مبارک پسر زادہ ہو دادا جاں کو[5]

۱۔ مولود شریف ص ۳۱

۲۔ مولود شریف ص ۳۲

۳۔ مولود شریف ص ۳۶

۴۔ مولود شریف ص ۳۷

۵۔ مولود شریف ص ۳۷

تم ہو ہر کے رام دلارے — اور الکھ کے پیتم پیارے
تمہرے سنسار ہے سہارے — کس نہ یہ کشتھ ہو ہمارے
یا نبی سلام علیک — یا شفیع سلام علیک
یا خفی سلام علیک — صلوٰۃ اللہ علیک [1]

ہر سے اداؤد نے پایو ہے الاپ اور زبور — موسیٰ توریت دئی دو کس ہیو اوتم طور
دھرے عیسیٰ بیّ انجیل کہیں من سے بسور — ذات پاک تو کردر ملک عرب کردہ ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بزبان عربی [2]

سو گہر بنے ہر نگراج کے بالم صل اللہ علیہ وسلم
اسم محمد سرور عالم صل اللہ علیہ وسلم
جھلک سروپ نرنجن بانی خلق میں کون ہوا تم ثانی
خاتم اوج رسالت صل اللہ علیہ وسلم
موہت ہو تمہرے بیگر انا دیکھ معاصی اہل زمانہ
کرد ظہور رسول مکرم صل اللہ علیہ وسلم

مژدۂ وصل میں لایا ہوں سنانے کے لئے — حق نے بھیجا ہے محمدؐ ترے لانے کے لئے
عرش پر دھوم ہے مقدم کی تمہاری پیہم — آپ سے راز ہیں کچھ خاص بتانے کے لئے [3]
راز اسرار بتانے کے نہیں قابل ہیں — کیوں بلائے گئے ہیں اور کیا ہے جتانے کیلئے
عرش پر غل ہے کہ محبوب خدا آتے ہیں — قدسیاں ہیں نگراں آپ کے آنے کے لئے

۱۔ مولود شریف صفحہ ۳۹
۲۔ مولود شریف " ۴۲
۳۔ مولود شریف " ۴۹

مجھ کو تائید سخن ہے جو در احمد سے — آتے مضموں ہیں مضامین جتانے کیلئے

ترک کرتا ہوں جو مضمون کہ ہیں اب پیش نظر — لوگ سمجھیں گے کہا اس نے بڑھانے کیلئے[۱]

اس دور کے ایک دوسرے باکمال شاعر حافظ محمد تجمل حسین خلف منشی خیرات علی ابن ہادی زماں حضرت شاہ قلندر بخش عرف کلن میاں انصاری ہیں۔ آپ کا تخلص تجلّی ہے۔ آپ ایرانواں ضلع فتحپور ہسوہ کے رہنے والے تھے۔ آپ صاحب دیوان شاعر ہیں۔ دیوان کا نام "گلدستہ تجلّی" ہے۔ جو ۱۸۹۱ء میں مطبع عزیزی کانپور سے زیور طبع سے آراستہ ہوا تھا۔ اس میں مصنف کے سوز دروں کی مظہر کئی نعتیں شامل ہیں۔ کلام میں جلا کا تغزل اور داخلیت ہے۔ سبھی نعتیں غزل کی ساخت میں ہیں۔ کلن کی زبان صاف سادہ اور عام فہم ہے۔ نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

در احمد پہ ساماں روح کی ہو جبہ سائی کا — ملے موقع جو کوئی قید ہستی سے رہائی کا

ملوں آنکھوں سے نعلین مبارک سر پہ رکھوں میں — گدائی خستہ ہاتھوں ہاتھ پالے تاج شاہی کا

کھلے گل داغہائے آتش عشق محمدؐ سے — کیا ہے آہ سوزاں نے اثر پیدا ہوائی کا

مدینہ کی زمیں تک سر کے بل جانے نہیں دیتا — گلا کس سے کروں اس آسماں کی کج ادائی کا (کذا)

تجلّی کو طواف روضۂ اقدس جو حاصل ہوئے
بدل ممنوں ہو پھر اپنے طالع کی رسائی کا[۲]

دل جو محو گیسوئے خیر الورا ہو جائے گا — سلسلہ بخشش کا پیش کبریا ہو جائے گا

گر نہ دو گے وصل کا مژدہ مریض ہجر کو — بڑھتے بڑھتے درد دل پھر لادوا ہو جائے گا

راہ بھولوں گر مدینہ کی تو بن کر شکل خضر — رہنما عشق حبیب کبریا ہو جائے گا

سر کو ٹکرا کر در اقدس سے مر جاؤنگا جب — اس دل وحشی کا حاصل مدعا ہو جائے گا

---

۱ - مولود شریف ص ۴۹

۲ - گلدستہ تجلّی ۱۸۹۱ء ص ۳ : محمد تجمل حسین، مطبع عزیزی کانپور ۱۸۹۱ء

بارِ عصیاں سے بروزِ حشر سر جب ہوگا خم
اپنا حامی صاحبِ تاج دنیٰ ہو جائیگا

صدقہ آلِ پاک کا مجھکو بچا لینا شہا
جب گنہ پیشِ خدا روزِ جزا ہو جائیگا

خواب ہی میں طالعِ بیدار یاور ہوں اگر
باعثِ تسکیں جمالِ مصطفےٰ ہو جائے گا

باعثِ شہرت ہے مدحِ سیدِ ابرار کی
غلغلہ صلِ علیٰ کا جا بجا ہو جائے گا

اے تجلی مجھ گدائے خستہ پر بھی دیکھنا
ایک دن لطفِ شہِ ہر دوسرا ہو جائیگا[1]

لہ ۔ گلدستہ تجلی : صفحہ ۳ و ۴

مولانا احمد رضا خاں صاحب

مولانا احمد رضا خاں کی ولادت ۱۸۵۶ء مطابق ۱۲۷۲ھ میں اور وفات ۱۹۲۱ء مطابق ۱۳۴۰ھ میں ہوئی۔ مولانا ایک جیّد عالم، غیر معمولی ذہین اور صاحب شریعت و طریقت تھے مولانا کے ہم عصر مخالفین بھی ان کے قوت حافظہ مدلّل پیرایۂ اظہار اور زبردست قوت اجتہاد کے قائل تھے۔

مولانا کا سارا کلام مذہبی موضوعات پر مبنی ہے۔ نعتیہ کلام "حدائق بخشش" کے تین حصوں میں محصور ہے۔ رضا برقی پریس دہلی نے تینوں حصوں کو ایک ہی جلد میں منظم کر کے حدائق بخشش کامل کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس وقت یہی نسخہ راقم السطور کے زیر نظر ہے۔ انھوں نے صرف نعت، سلام اور منقبت پر خامہ فرسائی کی ہے۔ جو کچھ بھی کہا گیا ہے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے کہا گیا ہے۔ اسی لئے مولانا کے کلام میں بہت دلسوزی، دردمندی اور اثر ہے۔ صاف سادا عام فہم الفاظ، ستھری نکھری زبان اور شگفتہ برجستہ پیرایۂ بیان علامہ موصوف کے نعتیہ کلام کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ مولانا کو محاورات اور روزمرہ کے استعمال پر زبردست قوت حاصل تھی۔ ان کے کلام میں تلمیحات و محاورات کا استعمال کثرت و موزونیت کے ساتھ ہوا ہے۔ علامہ موصوف کے بیشتر قصائد تبحّر علمی کی وجہ سے قدرے دقیق اور غیر الفہم ہو گئے ہیں

مثال کے طور پر اٹھاون ۵۸ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ میں مستعمل محاورات میں سے اہم محاورے ملاحظہ ہوں۔

باڑ بٹنا، تڑکا ہونا، تڑکا لینا، کلمہ پڑھنا، صدقہ لینا، کلمہ پڑھنا زانگا سونا چڑھنا، سہرا ماتھے پر رہنا، بخت جاگنا، ستارہ چمکنا، دن دونا ہونا، بول بالا ہونا، سہرا بجنا، کلیجا ٹھنڈا ہونا، مجلکا لکھ دینا، لو لگانا، ذرا سا منھ نکل آنا، چھینٹا بینا، آنکھیں مانگنا، ماتھے ٹیکا ہونا، آئینہ اوندھا کرنا، گری کا مجلکا لانا، دل کنول کھلنا، اپنی قدموں پھرنا، اشاروں پر چلنا، بے حکم پر مارنا، دو ورقہ لکھنا، چار چاند لگانا، شاعر نے اولاً غزل لکھنے کے قصد سے نعتیہ اشعار لکھنے شروع کئے لیکن ذوق عشق اور جوش عقیدت نے مضامین نعت کو طول دے کر غزل کو قصیدہ بنا دیا۔ شاعر نعتیہ قصیدے کے مقطع میں کہتا ہے۔ [۱]

اے رضا یہ احمد نوری کا فیض نور ہے ہو گئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

شاعر نے اس نعت میں بانی اسلام کا سراپا شاعرانہ انداز میں استعارات کا سہارا لے کر نظم کیا ہے۔ مذہبی سمندر کے ماہر شناور ہونے کی وجہ سے قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ کا استعمال بہت برجستہ اور فطری ہے دقیق سے دقیق مسائل عام فہم انداز میں سمجھائے گئے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ——

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
ان کے قصر قدر سے خلد ایک کمرہ نور کا سدرہ پائیں باغ میں ننھا سا پودا نور کا
آئی بدعت چھائی ظلمت رنگ بدلا نور کا ماہ سنت مہر طلعت لے لے بدلا نور کا
پشت پر ڈھلکا سر انور سے شملہ نور کا دیکھیں موسیٰ طور سے اترا صحیفہ نور کا

---

[۱] حدائق بخشش: مولانا احمد رضا خاں صاحب حصہ دوم صفحہ ۱۲۲

آبِ زر بنتا ہے عارض پر پسینہ نور کا — مصحفِ اعجاز پر چڑھتا ہے سونا نور کا
تابِ مہرِ حشر سے چونکے نہ کشتہ نور کا — بوندیاں رحمت کی دینے آئیں چھینٹا نور کا
ہیبتِ عارض سے تھراتا ہے شعلہ نور کا — کفشِ پا پر گر کے بن جاتا ہے گپھا نور کا
میل سے کس درجہ ستھرا ہے وہ پتلا نور کا — ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا
تیرے آگے خاک پر جھکتا ہے ماتھا نور کا — نور نے پایا ترے سجدے سے سیما نور کا
تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا — سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا
کیا بنا نامِ خدا اسریٰ کا دولہا نور کا — سر میں سہرا نور کا بر میں شہنا نور کا
یاں بھی داغِ سجدہ طیبہ ہے تمغا نور کا — اے قمر کیا تیرے ہی ماتھے ہے ٹیکا نور کا
قبرِ انور کہیے یا قصرِ معلّٰی نور کا — چرخِ اطلس یا کوئی سادہ سا قبہ نور کا
وضعِ واضع میں تری صورت ہے معنی نور کا — یوں مجازاً چاہیں جس کو کہہ دیں کلمہ نور کا
سرمگیں آنکھیں حریمِ حق کے وہ مشکیں غزال — ہے فضائے لامکاں تک جن کا رمنا نور کا
تابِ سم سے چوندھیا کر چاند انہیں قدموں پھرا — ہنس کے بجلی نے کہا دیکھا چھلاوہ نور کا
چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں — کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا
صاف شکلِ پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں — خطِ توام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا
ک گیسو ہ دہن ی ابرو آنکھیں ع ص — کھیعص ان کا ہے چہرہ نور کا [۱]

مختلف علوم و فنون کی مصطلحات مولانا کی نعتیہ کاوشات کو عام قاری کی دسترس سے باہر بنا دیتی ہیں۔ اور متوسط درجہ کا قاری اس قسم کی نعتوں کو سمجھنے میں تشریح کا محتاج ہو جاتا ہے۔ تفہیم و تفہم کے لئے استعارات کے پیرائے میں یہ علم ہئیت و علم نجوم کی مصطلحات ملاحظہ ہوں :

خالقِ افلاک نے طرفہ کھلائے چمن — اک گل سوسن میں ہیں لاکھوں گلِ یاسمن
فلک — نجوم

---

[۱] - حدائقِ بخشش حصہ دوم : احمد رضا خانصاحب ۔ صفحات/ ۱۱۸ - ۱۱۹ - ۱۲۰ - ۱۲۱ - ۱۲۲ —

موتیے بیلے کے پھول زیب گریباں تمام — جوہی چنبیلی کے گل زینت جیب یمن

(شمال) — (جنوب)

دامن البرز کی کلیوں میں پھولے ہیں پھول — کوڑے کی چوٹی میں ہے حاصل چیدہ چمن

(بروج) — (منطقۃ البروج)

طرفہ کھلے چار باغ ایک نمونے کے تین — تینوں میں چار اخیج چاروں کی تازہ پھبن

تختہ نسرین میں ہے گیندے کا صرف ایک پھول — ایک گل نیلوفر چار گل نارون

(فلک) (عطارد) — (زحل) (مریخ، قلب الاسد، قلب العقرب)

عین الثور

نارون ناروش ناظم بالاحصار — سوراقلیم ترک افسر لشکر شکن

(خفچاقیان)

یہ صنم تند خو آگ نہو تو کہوں — پانی کے اک کیڑے سے کرلیا بانکپن

(سرطان)

قصیدے کی تمہید بدیع' لطیف اور دلکش ہے۔ مومن نے بھی علم نجوم و علم ہیئت کی اصطلاحیں نظم کی ہیں لیکن ان کے وہ قصائد جو علم نجوم و ہیئت کے مصطلحات سے معمور ہیں' دلکشی دلاویزی میں احمد رضا خاں صاحب کے اس قصیدے سے کم تر ہیں۔ مولانا کا یہ نعتیہ قصیدہ اردو کی نعتیہ شاعری میں اس لئے بھی اہم ہے۔ کیونکہ اردو کی پوری شاعری میں اس قدر دلآویز' اسقدر پر تمکنت و پر وقار اور اسقدر شگفتہ استعارات سے معمور قصیدہ مشکل سے ملے گا۔ اس حقیقت کا احساس خود مولانا کو بھی تھا۔ جس کا اظہار انھوں نے اس قصیدے میں اس طرح کیا ہے۔

خشک کبھی زرع شرع شعر تو شاداب ہیں — سرو سہی سمجھ دیں تھالے بنے ہیں لگن

تمہید کے بعد تخلیص' مدح اور دعائیہ ہر ایک حصّہ اسی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ مشکل الفاظ اور دقیق خیالات کے باوجود پورا قصیدہ اس لئے دلآویز اور جاذب سامعہ ہے کیونکہ مولانا نے حسن زبان اور مترنم بحر کا التزام کیا ہے۔ پورے قصیدے میں

بڑی گھلاوٹ ہے۔ شاعر نے مدینہ طیبہ، اسلام، مکہ معظمہ، کعبہ جیسی چیزوں کو استعارات کے پردے میں نظم کیا ہے۔ نمونہ کے طور پر قصیدہ کے اجزائے ترکیبی میں سے ہر جزو سے چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں :

مدحت غائے ہوئی شوق کی آتش فروزہ
گل کی حضوری میں ہو بلبل جان نغمہ زن

جان دو عالم نثار وہ ہے مرا تاجدار
جس کو کہیں جان و دین جان من ایمان من

مدح حسنیان نہ کر وصف امیراں نہ کر
خلق انھیں کی حسین، خلق انھیں کا حسن

تلوے ترے سیپ کو دیں اگر بوند سینت
بڑھ کے لآلی کی آب خلد کی سینچے چمن

عطر کی موجیں اٹھیں نور کے دھارے چلیں
ڈھونڈھتی باغ عدن عدن سے آئے پہن

پانی ہو سارا گلاب بلبلے، بلبل نہیں
گائیں ملہاروں میں نعت نور کی برسے بھرن

تیرے قلمرو کا چک، دورِ سماک و سمک
حکم رواں کی سڑک وسع زمین و زمن

تیرا الف قامت آج چاہے اگر بانے قلب
نون کا اٹے حساب قاف کا بدلے چلن

عین کی رنگت بنے سرمہ عین عشا
عین کی چینت ہو صادقوں کو ترے کرن

خواب گر شام میں جائے سنہالی برات
جھپکا جبیں کا ابھی اٹھے بہانی دلہن

ثور سے عذرا میں جب شمس نے تحویل کی

دلو سے نکلے نجوم چاند کا چھوٹا گہن

شوہر عذرا ہوا ابن عروس عرب

لیلیٰ و سلمیٰ ہوئیں شمع قدم کی لگن

عرش پہ تیرا خطاب سید گردوں قباب

فرش میں نام جناب احمد بطحا وطن

خاتم پیغمبراں قاسم نار و جناں

ناظم کون و مکاں حاکم بر ما و من

کچھ ترے پروانے کو نام کی پروا نہیں

لاکھ جلیں ساتوں شمع یارہ کنول نولگن

میرے خط کف سے ہو پرزے کمند بلا

کاٹی بند سے دھار سے پہنچے کہ نچلی ڈگن

مولانا کا سارا کلام دفور جذبات سے سرشار ہے۔ اسی لئے وہ جذبات نگاری اور عقیدتمندی میں منفرد مقام رکھتا ہے۔ کلام کی متناسب روانی سبک سیر ہے، جو معنوی انبساط کے علاوہ ذہنی انبساط بھی عطا کرتی ہے۔ اکثر نعتیں غنائیت سے معمور ہیں جن کی لے سامعہ کے لئے بلا کی جاذبیت رکھتی ہے۔ ان کی وہ نعت جس کا پہلا شعر ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ مثال میں پیش کی جا سکتی ہے۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں

یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

شاعر نے اس نعت میں یہ بنیادی عقیدہ نظم کیا ہے کہ دنیا میں کوئی شئی بانئے اسلام کے محاسن کے بیان میں مشبہ بہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں

وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

تراقد تو نادر دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے

نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرد چماں نہیں

نہیں جس کے رنگ کا دوسرا نہ تو ہو کوئی نہ کبھی ہوا

کہو اس کو گل کہے ہے کیا کوئی کہ گلوں کا ڈھیر کہاں نہیں

شاعر نعت گوئی میں اپنے جذبہ کی صداقت و اخلاص کا اعلان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

کروں مدح اہل دول رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں [اہ]

مولانا کی نعتیہ شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک سو انہتر ۱۶۹ اشعار پر مشتمل نعتیہ سلام جس کا مطلع درج ذیل ہے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ [۵۲]

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

شاعر نے اس سلام میں جملہ اہلبیت نبی، خلفائے اربعہ، جانثاران بدر و احد، عشرہ مبشرہ، ائمہ اربعہ، غوث اعظم، جملہ اہل سنت اپنے خانوادے اور استاد کو لاکھوں سلام کے زمرہ میں شامل کیا ہے۔ مولانا نے سلام کے آخر میں محسنؔ کاکوروی کے مشہور قصیدے "سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل" کے اختتام کا تتبع کرتے ہوئے کہا ہے۔

کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور

بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضاؔ

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

سلام میں نبی اکرم صلعم کا وصفی اظہار بھی ہے۔ اس سلسلے میں آپ کے سراپا، آپ کے عادات و اطوار، شمائل و خصائل، مقدس سوانح حیات اور آپ کے معجزات کا

اہ ۔ حدائق بخشش حصہ اول : احمد رضا خانصاحب صفحہ ۴۷ و ۴۸

۵۲ : حدائق بخشش حصہ دوم : احمد رضا خانصاحب صفحہ ۱۴۴

سہارا لیا گیا ہے۔ اشعار کی عددی کثرت کے علاوہ متنوع کیفیات کی بنا پر بھی مولانا کا معروض بحث سلام اردو کے نعتیہ سلاموں میں وقیع کا اہم ہے۔ چند چیدہ اشعار ہدیہ ناظرین ہیں۔

شب اسریٰ کے دولہا پہ دائم درود — نوشۂ بزم جنّت پہ لاکھوں سلام
صاحب رجعت شمس و شق القمر — نائب دست قدرت پہ لاکھوں سلام
جن کے زیر لوا آدم و من سوا — اس سزائے سیادت پہ لاکھوں سلام
انتہائے دوئی ابتدائے یکی — جمع تفریق و کثرت پہ لاکھوں سلام
سبب ہر سبب منتہائے طلب — علت جملہ علت پہ لاکھوں سلام
قد بے سایہ کے سایۂ مرحمت — ظل ممدود رافت پہ لاکھوں سلام
معنی قد رأی مقصد ما طغیٰ — نرگس باغ قدرت پہ لاکھوں سلام
پتلی پتلی گل قدس کی پتیاں — ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام
اسکی پیاری فصاحت پہ بیحد درود — اس کی دلکش بلاغت پہ لاکھوں سلام
جن کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں — اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام
اٹھتے بوٹوں کی نشو و نما پر درود — کھلتے غنچہ کی نکہت پہ لاکھوں سلام
وہ دسوں جن کو جنّت کا مژدہ ملا — اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام
ایک میرا ہی رحمت پہ دعویٰ نہیں — شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام [1]

احمد رضا خاں صاحب کی وہ نعت بھی اپنے رنگ میں منفرد ہے، جس کے ہر شعر میں مولانا نے عربی فارسی اور بھاشا کے فقرے اس طرح جمع کئے ہیں کہ ہر فقرہ اپنی جگہ مکمل ہے اور بھاشا و فارسی کے فقرے عربی کے نعتیہ فقرے کی توضیحات ہیں۔ اور مزہ یہ ہے کہ ہر شعر میں ایک مکمل مضمون

---

[1] - حدائق بخشش حصہ دوم: احمد رضا خاں صاحب
صفحات/ ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۱، ۱۵۳

نظم کیا گیا ہے۔ مولانا نے ایک ہی نعت میں عربی و فارسی اور بھاشا تینوں زبانوں میں اپنی مہارت تامّہ کے بین ثبوت دیئے ہیں۔ نعت کا مطلع یہ ہے۔

لَمْ یَاْتِ نَظِیْرُكَ فِیْ نَظَرٍ مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کا تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

پوری نعت کے پہلے مصرعوں میں پرشکوہ الفاظ کا طمطراق اور دوسرے مصرعوں میں گیت کی گھلاوٹ اور سوز دروں کا گداز ہے۔ نعت کا آخری شعر اس بات کا مظہر ہے۔ کہ مولانا نے یہ اشعار اپنے دوستوں کی فرمائش پر حوالۂ قرطاس کئے ہیں۔

بس خامۂ خام نوائے رضاؔ نہ یہ طرز میری نہ یہ رنگ مرا
ارشاد احبّا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

اس نعت کے چند اشعار نمونہ کے طور پر درج کئے جاتے ہیں:

اَلْبَحْرُ عَلَا وَالْمَوْجُ طَغٰی من بے کس و طوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیّا پار لگا جانا
اَنَا فِیْ عَطَشٍ وَّسَخَاکَ اَتَمّ اے گیسوئے پاک اے ابر کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا
یَا قَافِلَتِیْ زِیْدِیْ اَجَلَكْ رحمے بر حسرت تشنہ لبک
مورا جیرا لرجے درک درک طیبہ سے ابھی نہ سنا جانا
اَلرُّوْحُ فِدَاكَ فَزِدْ حَرَقًا یک شعلہ دگر برزن عشقا
مورا تن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا [۳۵]

مولانا کی وہ نعتیہ غزل جو انھوں نے حج کے بعد مکہ سے مدینے کے مبارک سفر کے عزم پر ماہ محرم میں لکھی تھی لائق ذکر ہے۔ مولانا کی اس نعت میں وصفی انداز بیان کے بجائے داخلیت کی کارفرمائی ہے۔ انھوں نے دل کش اور لطیف انداز میں

---

۳۵ - حدائق بخشش حصہ اول ۔ احمد رضا خاں صاحب صفحات ۱۵ - ۱۶

مدینہ منورہ کو کعبہ کا کعبہ کہا ہے۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو ‏ ‏ ‏ کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

مولانا نے اس نعت میں مذکور مقامات کے متعلق مضامین نظم کئے ہیں۔ رضا کی ان نعتوں سے، جن کے الفاظ صاف سادا، رواں دواں ہیں۔ عالم قاری بھی لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ مثال میں ان کی وہ نعت پیش کی جا سکتی ہے۔ جس کا پہلا شعر درج ذیل ہے۔

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبیؐ ‏ ‏ ‏ سب سے بالا و والا ہمارا نبیؐ

تغزل داخلیت، سوز و گداز اور تڑپ کے سلسلے میں مولانا کی وہ نعتیہ غزل لائق ذکر ہے جس کا مطلع ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

قافلہ نے سوئے طیبہ کمر آرائی کی ‏ ‏ ‏ مشکل آسان الٰہی مری تنہائی کی[1]

---

[1] ۔ حدائق بخشش حصہ اول: احمد رضا خاں صاحب ص، ۶۹

سلیمؔ پانی پتی

اردو زبان وادب کی ترقی کے لئے ٹھوس تعمیری کام کرنے والوں میں پروفیسر سلیمؔ ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ آپ کا نام وحید الدین ہے۔ پہلے آپ کا تخلّص مفتون تھا۔ بعد میں آپ نے اپنا تخلص سلیم رکھ لیا۔ آپ پانی پت کے مشہور سادات خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ آپ نے عربی وفارسی کی تعلیم کے ساتھ انگریزی تعلیم بھی حاصل کی۔ آپ کی شخصیت کی تعمیر میں حالیؔ کا خاص ہاتھ ہے۔ آپ کی ولادت ۱۸۶۰ء میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام حاجی فرید الدین تھا۔ جو اپنے زمانے کے سربرآوردہ لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ شاہ بو علی قلندر کے مزار کی تولیت آپ ہی کے سپرد تھی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم پانی پت میں ہوئی۔ آپ عربی علوم کی تکمیل کے لئے لاہور گئے۔ جہاں آپ نے مولوی عبداللہ ٹونکی سے معقولات ومنقولات کے درس اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے عربی کا درس لیا۔ آپ عرصہ تک سرسید کے ادبی معین کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ سرسید کی وفات کے بعد آپ نے اولاً "معارف" اخبار نکالا اور اس کے بند ہو جانے کے بعد "علی گڑھ گزٹ" "مسلم گزٹ" اور "زمیندار" کی ادارت بحسن خوبی انجام دیتے رہے۔ آپ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے قیام پر جامعہ کے دارالترجمہ سے منسلک ہو گئے اور وہیں سے جامعہ میں مددگار پروفیسر کی خدمت پر منتقل کر دیئے گئے۔ آپ اسی جامعہ میں آٹھ سال تک صدر شعبہ کی حیثیت سے کام کر کے ۱۹۲۸ء میں انتقال فرما گئے۔

پروفیسر سلیم ایک مذہبی آدمی تھے۔ مسلمانوں کی تباہی بربادی اور ان کی پستی کا درد موصوف کے دل میں جاگزیں تھا۔ لیکن آپ تعصب سے کوسوں دور تھے۔ طبیعت میں جوش کا وفور تھا۔ چنانچہ مسجد کانپور کے ہنگامہ پر انھوں نے کئی پرجوش سیاسی مضامین نکالے، جسکی وجہ سے اخبار "زمیندار" کی ضمانت ضبط ہو گئی۔ اور اس طرح انھیں صحافت کی زندگی سے کنارہ کشی اختیار کرنی پڑی۔

آپ کو بانیٔ اسلام سے زبردست عقیدت و محبت تھی۔ آپ کا یہ محکم عقیدہ تھا کہ دامن مصطفٰی کو مضبوطی سے پکڑے بغیر مسلمانوں کو ترقی نہیں مل سکتی۔ آپ کی نعتیہ شاعری میں وصفی انداز بیان کی بہتات ہے۔ وہ موضوع و اسالیب میں رسوم و قیود کی پابندی کم سے کم کرتے تھے۔ انھیں زبان کی وسعت کا خیال زیادہ تھا۔ ان کی شاعری اقبال کے طرز تفکر سے متاثر ہے۔ ان کی زبان عام طور پر صاف سادہ اور عام فہم ہے۔ ان کا اپنا نظریہ تھا کہ اردو کی ترقی کے لئے لازم ہے۔ کہ وہ عربی اور ایرانی اثرات سے باہر نکلے اور اپنے کو دہلی اور لکھنؤ کی مقامی حدبندیوں سے آزاد کرلے۔ جوش سلیم کی شاعری کا امتیازی وصف ہے۔ سلیم کہیں نظیر اکبرآبادی کی طرح فطرت کے پرستار ہیں۔ اور کہیں حالی اور اکبر کی طرح معلم اخلاق۔ ان کے خیالات اور شاعری میں صلابت، اثر آفرینی اور دلآویزی کی شدت ہے۔

سلیم نے اپنی نعتیہ شاعری میں بھی جدت طراز اور ندرت پسند طبیعت کے ثبوت دیئے ہیں۔ انھوں نے ایک نعت میں بانیٔ اسلام کی ولادت پر اپنے رنگین خیالات نظم کئے ہیں۔ نعت کی بحر بہت مترنم اور مختصر سی ہے۔ انھوں نے اپنی اس نعت میں وصفی پیرایۂ اظہار میں پیغمبر اسلام کے اوصاف ایک مرقع کی شکل میں پیش کئے ہیں۔ مرکب توصیفی کے ذریعہ کلام کی رونق اور اس کی تروتازگی کو بڑھایا گیا ہے۔ حروف و اصوات کے زیر و بم نے مصرعوں کی غنائیت میں خاصی مدد کی ہے۔ ولادت باسعادت کے موقع پر کائنات کے عناصر کو شاداں اور خوش و خرم دکھایا گیا ہے اور پیغمبر اسلام کے اوصاف کی تبیین کائنات کے ذی روح و غیر ذی روح دونوں اصناف کے ذریعہ کی گئی ہے۔ تلمیحات کے استعمال نے

ایجاز و اختصار پیدا کرنے کے علاوہ ایضاحِ مطالب میں بھی سعادت کی ہے۔ عربی و فارسی الفاظ کے ازدحام نے ایجازیت میں غیر معمولی اضافے کئے ہیں۔ نمونہ کے طور پر ان کی ایک نعت درج ذیل ہے۔

اے ہمدم شیریں سخن　ہے نورِ حق پر تو فگن　ہر نخل گل کی ہے پھبن　طورِ جمالِ ذوالمنن
بن ٹھن عروسانِ چمن　شیریں ادا نسریں بدن　رنگیں قبا گل پیرہن　ہاں کس طرح سے خندہ زن
چھینا رِدا سے ہو کے خم　چپ ہو رہا ہے یہ ستم　کھولا نہ خوں میں دل کا غم　بدلا نہ یا درد و الم
پر ہے ٹپکتی دم بہ دم　اس کے لبوں سے یک قلم　نعتِ رسولِ محترم　مدحِ شہنشاہِ زمن
ہے نورِ وحدت جلوہ گر　روشن کرو اپنی نظر　اہلِ زمیں کو دو خبر　ہوں شادماں تا ہر بشر
پھر وجد میں شام و سحر　جن و بشر شاخ و شجر　حور و ملک شمس و قمر　ہوں اس طرح سے نغمہ زن
نور قدم پیدا ہوا　شاہِ امم پیدا ہوا　عرشی قدم پیدا ہوا　والا حشم پیدا ہوا
فرخ شیم پیدا ہوا　بحرِ کرم پیدا ہوا　کوہ امم پیدا ہوا　پیدا ہوا قدسی سخن
پاک نسب پیدا ہوا　مقبولِ رب پیدا ہوا　مہرِ عرب پیدا ہوا　ہاشم نسب پیدا ہوا
فخرِ عرب پیدا ہوا　کنزِ طرب پیدا ہوا　غفراں طلب پیدا ہوا　پیدا ہوا شیریں دہن
وہ مالکِ خلدِ بریں　وہ شمعِ بزمِ مرسلیں　وہ باغبانِ باغِ دیں　وہ مہبطِ روح الامیں
وہ رحمۃ للعلمین　وہ مظہرِ نورِ مبیں　وہ حامیٔ دینِ متیں　وہ ماحیٔ اہلِ وثن
وہ زینتِ پیغمبری　وہ زیبِ شانِ دلبری　وہ تاجِ فرقِ سروری　ہے گرمِ جلوہ گستری
حیراں ہے مہرِ خاوری　یوسف ہے اس کا مشتری　جن و بشر حور و پری　ہاں اس کے در پر نعرہ زن
ہفتوں سپہ ہے سرگرمِ ثنا　ہے اس کے در کا اک گدا　لاتا ہے لب پر یہ دعا　ہاں شافعِ روزِ جزا
مطلوب و محبوبِ خدا　وہ بخشوا اس کی خطا　گو ہے سزاوارِ سزا　ہے خوف سے شورش فگن

دورِ جدید

دورِ جدید کا عام رجحان سلاست، سادگی، اثر آفرینی، معقولیت اور اصلاحِ معاشرت کی طرف ہے۔ اس رجحان کی داغ بیل، جیسا کہ حالی کے دور میں عرض کیا جا چکا ہے، حالی نے رکھی تھی۔ یہ دور اسی رجحان کو عام کرتا رہا۔ لیکن ساتھ ساتھ پرانی روش کی آوازیں بھی دہرائی جا رہی تھیں۔ اس دور میں ایک گروہ وہ تھا جو متقدمین شعرائے نعت کے نقشِ قدم پر چل رہا تھا۔ اس نے نعت میں اسی لب و لہجہ اور اسی رنگ ڈھنگ کو اپنا رکھا تھا۔ جو حالی سے پیشتر رائج الوقت سکہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ لفظیات، وصفی اندازِ بیان، داخلی ذریعۂ اظہار اور رسمی پیرایۂ بیان کو گلے سے لگائے ہوئے تھے۔ اس دور کی نعتوں میں انبساطِ خود کے جذبہ کی کارفرمائی تھی۔ حسرت، اقبال سہیل اور جگر وغیرہم بہت اسی قسم کی نعتیں لکھ رہے تھے۔ اس کے برخلاف شعرائے ایک طائفہ وہ تھا، جو حالی کے دکھائے ہوئے راستہ پر آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نے نعت کا یہ طبقہ افادیت اور مقصدیت کو خاص اہمیت دے رہا تھا۔ اس نے نعت کے ذریعہ امتِ مسلمہ کی چارہ جوئی کرنے کی کوشش کی اور نعت گوئی کو سیاسی، سماجی، اقتصادی اور معاشرتی اصلاح کا ذریعہ بنایا۔ اس دور کے عام رجحان کے مطابق نعت حیاتِ انسانی کے مختلف مراحل کے لئے مشعلِ راہ بن کر سامنے آئی۔ اور اس میں دورِ حاضر کے امراض کا مداوا تلاش کیا گیا۔ اب نعت میلاد کی محفلوں اور خانقاہوں

سے نکل کر کھلی فضا میں سانس لینے لگی۔ اور عقیدت و جذبات کی جگہ معقولیت نے لے لی۔ یہ دور مسلسل نظموں، مثنویوں اور غزلوں کا دور ہے۔ عزیز لکھنوی کے یہاں نعتیہ قصائد بھی ملتے ہیں۔ اس دور میں پاس ادب کا پورا لحاظ رکھا گیا۔ اور فرسودہ مضامین یک لخت ترک کر دئے گئے۔ وصفی انداز بیان کے مقابلہ میں داخلی پیرایۂ اظہار کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ اوصاف نبی کے اظہار میں تصوف کی زبان ترک کر دی گئی۔ اور بانیٔ اسلام کو عبدیت کے اعلیٰ مظہر کی شکل میں دکھلایا گیا۔ شخصیت سے زیادہ پیام کی اہمیت واضح کی گئی۔ دور جدید کے شعراء نے صاف، سادہ زبان، تغزل و غنایت خوش آہنگ تراکیب اور رواں دواں شگفتہ بحروں کو منتخب کر کے اپنی نعتوں کو شعریت سے مخمور کیا۔

علامہ اقبال اس دور کے خالق کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری رسمی نہیں ہے۔ بلکہ وہ دین مصطفوی کے کلیدی زاویوں کی مظہر ہے۔ ان کے یہاں امت مسلمہ کے اساسی پہلوؤں کی تشریح بانی اسلام کی سیرت و اخلاق سے کی گئی ہے۔ اقبال یقیناً "ایک بلند پایہ نعت گو شاعر ہیں۔ ان کی تمام شاعرانہ کاوشوں میں روح نعت کی کارفرمائی ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری کو اسلامی تخیل اور اسلامی تصورشیات کا صحیح ترجمان بنایا ہے۔

علامہ اقبال

ایک کشمیری برہمن خانوادہ جس کی گوت سپرو تھی، سری نگر میں مقیم تھا۔ اس خانوادے کے ایک ممتاز فرد نے سترھویں صدی عیسوی میں ایک سید بزرگ کے ہاتھوں مشرف با اسلام ہو کر "صالح" نام پایا۔ سن اٹھارہ سو ستاون کے ہنگامے کے فرو ہونے کے بعد اولاد صالح ہجرت کرکے سیالکوٹ آپہونچی۔ یہیں علامہ اقبال ۲۹ر دسمبر سنہ ۱۸۷۳ء مطابق ۲۸ر ذیقعدہ سنہ ۱۲۹۰ ہجری میں دوشنبہ کے دن متولد ہوئے۔ آپ کے والد کا نام شیخ نور محمد اور والدہ کا نام امام بی بی تھا۔ آپ کے پہلے استاد میر حسن شاہ ہیں جن کے ارشاد پر علامہ کے والد نے انھیں اسکاچ مشن ہائی اسکول سیالکوٹ میں داخل کرادیا۔ آپ نے غالباً سنہ ۱۸۸۸ء میں پرائمری سنہ ۱۸۹۰ء میں مڈل اور سنہ ۱۸۹۲ء میں انٹرنس پاس کیا۔ اور تینوں امتحانوں میں وظیفہ بھی حاصل کیا۔ اقبال کی پہلی شادی انٹرنس پاس ہونے سے پیشتر ہی ایک گجراتی خاندان میں، دوسری لاہور میں موچی دروازے کے ایک کشمیری خاندان کی صاحبزادی سے ہوئی۔ اور تیسری لدھیانے کے ایک مشہور دولت مند خاندان میں ہوئی۔ آپ نے سنہ ۱۸۹۷ء میں بی۔ اے امتیاز کے ساتھ پاس کیا اور عربی و انگریزی میں اوّل آنے کی وجہ سے دو طلائی تمغے حاصل کئے۔ فلسفہ سے طبعی رجحان اور پروفیسر آرنلڈ کی شاگردی سے متاثر ہو کر آپ نے فلسفہ کے ایم۔ اے میں داخلہ لیا۔ اور سنہ ۱۸۹۹ء میں ایم اے کا امتحان فرسٹ ڈویژن اور فرسٹ پوزیشن میں

پاس کیا۔ ایم، اے پاس کرنے کے بعد اورینٹل کالج لاہور میں فلسفہ کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔ آپ اس عہدے پر ۱۹۰۵ء تک فائز رہے۔ ۱۹۰۵ء میں یورپ روانہ ہو گئے۔ اور جرمنی کی میونک یونیورسٹی سے "ایران میں فلسفۂ الٰہیات کا ارتقاء" کے عنوان پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ آپ یورپ سے بیرسٹری کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ۱۹۰۸ء میں ہندوستان واپس آ گئے اور گورنمنٹ کالج میں پڑھانے لگے۔ تنخواہ پانچ سو روپیہ تھی۔ اور وکالت کی بھی اجازت حاصل تھی۔ ڈھائی سال کے بعد ملازمت سے مستعفی ہو گئے۔ اور بیرسٹری کی طرف زیادہ توجہ دینے لگے۔ آپ نے ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ شاعری کا شوق و دلچسپی تھا، اسکولی زندگی میں اپنا کلام حضرت داغ کو بغرض اصلاح بھیجنے لگے۔ ۲۲ سال کی عمر میں لاہور کے ایک مشاعرے میں اپنی مشہور غزل پڑھی جب اس شعر پر پہنچے۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے	قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

تو مرزا ارشد جو ان دنوں چوٹی کے شاعر سمجھے جاتے تھے تڑپ گئے اور کہنے لگے میاں صاحبزادے سبحان اللہ! اس عمر میں یہ شعر! طالب علمی کے زمانہ میں آپ کی شاعری کی دھوم مچ گئی تھی۔ ۱۸۹۹ء کے انجمن حمایت اسلام[1] کے جلسے میں "نالۂ یتیم" کے عنوان سے ایک درد انگیز نظم پڑھی جس سے آپ عوام میں مقبول ہونے لگے۔ آپ کی شاعری میں اصلاحی اور مصلحانہ رنگ غالب ہے۔ حالی نے جس قسم کی شاعری کا آغاز کیا تھا۔ اقبال نے اسے بام عروج پر پہنچا دیا۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالہ کے علاوہ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

اسرار خودی (۱۹۱۵ء)، رموز بیخودی (۱۹۱۸ء)، پیام مشرق (۱۹۲۳ء)، بانگ درا (۱۹۲۴ء)، زبور عجم (۱۹۲۷ء)، خطبات مدراس (۱۹۳۰ء) جاوید نامہ (۱۹۳۲)،

---

[1] لاہور کی انجمن حمایت اسلام

بال جبریل ۱۹۳۵ء، پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق (۱۹۳۶ء)، ضرب کلیم (۱۹۳۶ء)
مسافر (۱۹۳۶ء) اور ارمغان حجاز (۱۹۳۸ء)۔

علامہ اقبال کی نعتیہ شاعری میں حالیؔ کی نعتیہ شاعری کے تمام عناصر درخشاں و تاباں نظر آتے ہیں۔ آپ کو رسول اللہ صلعم سے والہانہ شیفتگی تھی۔ اور آپ رسول اللہ صلعم کے متعلقات و منسلکات سے عاشقانہ قلبی لگاؤ رکھتے تھے۔ مولانا عبدالسلام نے درست لکھا ہے کہ:

"ڈاکٹر صاحب کے دل میں رسول اللہ صلعم کی محبت محبت الٰہی پر غالب آگئی تھی۔ ان کی آخری آرزو فریضہ حج کی ادائیگی تھی۔ لیکن اس آرزو کی محرک دیار حبیب کی زیارت تھی۔"[1]

علامہ کی دونوں تمنائیں پوری نہ ہو سکیں۔ لیکن آپ نے عالم اشتیاق و عالم خیال میں سفر حج اور دیار حبیب کی تمام منزلیں طے کر لی تھیں۔ آپ نے عالم خیال میں مکہ سے مدینہ کی طرف روانگی کے وقت واضح طور پر کہہ دیا تھا۔

تو باش اینجا و با خاصاں بیامیز   کہ من دارم ہوائے منزل دوست

آپ کی تمام شاعری کا محور تعلیمات نبی ہیں۔ اور اسی طرح آپ کے تمام سرمایہ میں روح نعت مضمر ہے۔ جس شاعری کا آغاز حب وطن اور حبّ قوم سے ہوا۔ اس کا اختتام حب الٰہی اور عشق رسولؐ پر ہوا۔ آپ کا نعتیہ کلام جوش و خروش، وارفتگی، خلوص، والہانہ پن، اور سوز و گداز کا ایسا دلاویز مرقع ہے، جس کی نظیر اردو اور فارسی شاعری میں کم ملتی ہے۔ اقبال کی نعتیہ شاعری کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی نعت گوئی جوش بیان اور لطف تخیل کا حسین امتزاج

---

[1]۔ اقبال کامل: مولانا عبدالسلام ندوی صفحہ ۴۹۳
مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۴۸ء م ۱۳۶۸ھ

ہے۔ اردو کے نعت گو شعراء کی عام روش یہ ہے کہ انھوں نے اپنے کو عاشق اور رسول صلعم کو معشوق متصور کر کے آپ کے حسن و جمال اور خد و خال کی مبالغہ آمیز تعریف کی ہے۔ یہ بات پوری طور پر صحیح ہے کہ نبی اکرم صلعم میں مردانہ حسن و جمال کی تمام خصوصیات موجود تھیں۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی بعض مواقع پر آپ کے ظاہری حسن و جمال کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں آپ کے جسمانی محاسن کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا، ہر جگہ آپ کے اخلاقی و روحانی فضائل کا نتیجہ خیز انداز میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ آپ کی صحیح نعت یہی ہے کہ آپ کے اسوۂ حسنہ اور آپ کے مکارم و شمائل کا اس طور پر تذکرہ کیا جائے۔ کہ قاری و سامع میں آپ کے نقش قدم پر چلنے کا جذبہ بیدار ہو۔

علامہ اقبال نے اپنی نعتیہ کاوشات میں نعتیہ شاعری کے اسی پہلو کو اپنایا ہے۔ آپ کی نعتیہ شاعری زیادہ تر فارسی زبان میں ہے۔ جس پر تفصیلی بحث راقم الحروف اپنی کتاب "نعتیہ شاعری کا ارتقاء" مطبوعہ ۱۹۸۰ء کے تیسرے باب میں کر چکا ہے۔ علامہ نے اردو میں براہ راست نعتیہ اشعار نسبتاً کم لکھے ہیں۔ لیکن جو بھی ہیں وہ جوش بیان کا اعلیٰ نمونہ ہیں "جواب شکوہ" کے اخیر میں مندرجہ نعتیہ اشعار مثال میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔ شاعر نے "جواب شکوہ" میں نعتیہ اشعار کی ابتدا خدا کے حکم سے کی ہے۔ انھوں نے یہ اشعار فرض عین سمجھ کر لکھے ہیں۔ ان کے نزدیک نعت گوئی نہ تفریح کا ذریعہ ہے نہ شور آحسنت سے خوش ہونے کا وسیلہ۔ بلکہ وہ ایک ایسی کارآمد صنف سخن ہے جس سے مسلمانوں کے مصائب و آلام دور ہو سکتے ہیں۔ اور وہ محمد صلعم سے وفا کر کے کائنات بلکہ لوح و قلم کے مالک بن سکتے ہیں۔ محمد صلعم سے بے وفائی کا انجام ذلت و خواری کے سوا کچھ نہیں خدا نے خود نعت نبیؐ کو عام کرنے کا حکماً مطالبہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

مثل بو قید ہے غنچہ میں، پریشاں ہو جا   رخت بر دوش ہوائے چمنستاں ہو جا

ہے تنک مایہ تو ذرہ سے بیاباں ہو جا   نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفاں ہو جا

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے[1]

علامہ موصوف نے اس کے چار بندوں میں اپنے منفرد انداز میں سرورِ کائنات کی نعت بیان کی ہے۔ نمونہ کے طور پر چند بند ملاحظہ ہوں۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسّم بھی نہ ہو

نہ یہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے

نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

دشت میں دامن کہسار میں میدان میں ہے
بحر میں موج کی آغوش میں طوفان میں ہے

چین کے شہر میں مراقش کے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے

رفعت شان رفعنا لک ذکرک دیکھے

مردم چشم زمیں یعنی وہ کالی دنیا
وہ تمہارے شہدا پالنے والی دنیا

گرمی مہر کی پروردہ، ہلالی دنیا
عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا

تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح

غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری
مرے درویش خلافت ہے جہانگیر تری

ماسوی اللہ کے لئے آگ ہے تکبیر تری
تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں[2]

---

[1] - کلیات اقبال: علامہ اقبال، مطبوعہ شیروانی آفسٹ پرنٹرز دہلی دوم اشاعت ۱۹۷۶ء صفحات۔ ۲۰۶ - ۲۰۷ - صدی اڈیشن۔

[2] - کلیات اقبال صفحات ۲۰۷، ۲۰۸

اقبال کی شاعری میں نعتیہ عناصر بکثرت منتشر نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اپنی تعلیمات و پیغامات کا مرکز رسول اکرم صلعم کی ذات گرامی کو بنایا ہے۔ ان کی غیر رسمی نعتوں کے بعض اشعار اکثر رسمیہ نعتوں پر بھاری ہیں۔ تاریخ اسلامی پر ان کی نظر اتنی گہری ہے کہ وہ مبسوط سے مبسوط واقعہ کو دو مصرعوں کی ننھی سی بساط میں دکھلا کر شعر میں استعابیت، اور دلاویزی پیدا کرتے اور اس کے حسن کو دوبالا کرتے نظر آتے ہیں۔ "سرگذشت آدم" کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔ ؎۱

کبھی میں غار حرا میں چھپا رہا برسوں　　دیا جہاں کو کبھی جام آفریں میں نے

شاعر عاشقین رسولؐ کے تذکرے میں اس قدر مست و سرشار ہو جاتا ہے کہ وہ ان کے ایک ایک واقعہ اور ان کی ایک ایک کیفیت سے لذت اندوزی کرتا دیکھا جاتا ہے۔ "نظم بلال" کے چند اشعار ہدیہ ناظرین ہیں:

مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا　　ترے لئے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا

ردائے دید سراپا نیاز تھی تیری　　کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

اذان ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی　　نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی

خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اسکا
خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اسکا ؎۲

"صدیق" نظم میں حضرت ابوبکر کی نبی اکرم صلعم سے شیفتگی اور آپ کا وفور عشق ایک تاریخی واقعہ کا سہارا لے کر دکھلایا گیا ہے۔ اس نظم کا کلیدی شعر ہے:

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس ؎۳

؎۱ ۔ کلیات اقبال　ص، ۸۲

؎۲ ۔ کلیات اقبال اردو　ص، ۸۱

؎۳ ۔ کلیات اقبال　ص، ۲۲۵

بانگ درا میں شامل نظم "ایک حاجی مدینہ کے راستے میں" عشق کے جذبہ سے سرشار ہے۔ سفرِ حج کا راہی کس قدر خلوص اور دل کی گہرائیوں سے کہتا ہے۔

خوف کہتا ہے کہ "یثرب کی طرف تنہا نہ چل"	شوق کہتا ہے کہ "تو مسلم ہے بیباکانہ چل"
بے زیارت سوئے بیت اللہ پھر جاؤں گا کیا	عاشقوں کو روزِ محشر منہ نہ دکھلاؤں گا کیا [1]

اقبال کے نزدیک معراج کی رات صرف ایک واقعہ کی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ وہ ایک پیغامبر کے منصب پر فائز ہے۔ جو علو ہمتی کا درس دیتی ہے۔ "بانگ درا" میں شامل "شبِ معراج" نظم کا درس ملاحظہ ہو۔

اخترِ شام کی آتی ہے فلک سے آواز	سجدہ کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات
رہِ یک گام ہے ہمت کے لئے عرشِ بریں	کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات [2]

"ضرب کلیم" میں معراج کے عنوان سے جو نظم لکھی گئی ہے، اس میں پیغام معراج کی ترجمانی اس طرح کی گئی ہے۔

دے ولولۂ شوق جسے لذتِ پرواز	کر سکتا ہے وہ ذرہ مہ و مہر کو تاراج!
مشکل نہیں یارانِ چمن! معرکۂ باز	پُر سوز اگر ہو نفسِ سینۂ دراج
ناوک ہے مسلماں! ہدف اس کا ہے ثریا	ہے سرِّ سراپردۂ جاں نکتۂ معراج
تو معنیِ والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا	ہے تیرا مدّ و جزر ابھی چاند کا محتاج [3]

اقبال نے اسی فلسفۂ معراج کو غزل کے صرف ایک شعر میں کس قدر موجز اور دلآویز انداز میں نظم کیا ہے۔

عشق کی ایک جست نے کر دیا قصہ تمام	اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

۱۔ کلیاتِ اقبال ص ۱۶۱

۲۔ کلیاتِ اقبال ص ۲۴۹

۳۔ ضربِ کلیم، کلیاتِ اقبال ص ۱۷

انھوں نے ایک غزل میں باد صبا کو پیغام رساں بنا کر نعتیہ مضامین جدید و بدیع انداز میں نظم کئے ہیں۔ مضمون کی جدت خیالات کی بداعت اور پیغام کی تر و تازگی ملاحظہ ہو۔

اے باد صبا! کملی والے سے جا کہیو پیغام مرا
قبضے سے امت بیچاری کے دیں بھی گیا دنیا بھی گئی

عزت ہے محبت کی قائم اے قیس حجاب محمل سے
محمل جو گیا عزت بھی گئی غیرت بھی گئی لیلا بھی گئی

کی ترک تگ و دو قطرے نے تو آبروئے گوہر بھی گئی
آوارگی فطرت بھی گئی اور کشمکش دریا بھی گئی

نکلی تو لب اقبال سے ہے کیا جانئے کس کی ہے یہ صدا
پیغام سکوں پہنچا بھی گئی، دل محفل کا تڑپا بھی گئی

اقبال کا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ عشق نبی اور راہ نبی پر گامزن ہو کر دنیا و عقبیٰ کی بھلائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ دامن نبی کو چھوڑ کر مسلمان کہیں عزت حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ مضمون اقبال کی نعتیہ شاعری میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ امت مسلمہ کی زبوں حالی سے غمگین اور اس کی فلاح و بہبود کا متمنی ہے۔ شاعر نے مینغ نعت کے شیرازۂ ملت کو منتشر دیکھ کر "ضرب کلیم" میں شامل ایک مختصر نظم "روح محمدؐ" میں روح سے مخاطبت کرتے ہوئے کہا ہے۔[1]

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے!

وہ لذت آشوب نہیں بحر عرب میں
پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے!

ہر چند ہے بے قافلہ و راحلہ و زاد
اس کوہ و بیاباں سے حدی خواں کدھر جائے!

اس راز کو اب فاش کر اے روح محمدؐ
آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے!

---

1 - کلیات اقبال صدی ایڈیشن ص ۴۸

اقبال کی شاعری میں "فلسفۂ خودی" کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ان کے اس فلسفہ خودی کے عناصر ترکیبی میں عشق رسولؐ کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ خودی جب ارتقائی منازل سے گزر کر رسول کریم صلعم کی محبت سے سرشار ہو جاتی ہے۔ تو کائنات کی تمام قوتیں اس کے قبضۂ قدرت کے زیرنگیں نظر آتی ہیں۔ شاعر نے اسوۂ محمدی اور خلق عظیم کو آئین فطرت سے تعبیر کیا ہے۔ خودی کے ذریعہ فلسفۂ حیات کی تفسیر دین فطرت اور محمدی کی شاعرانہ تعبیر ہے۔

حیات اقبال صفحہ ۲۴ و ۲۷

اختر شیرانی

آپ کا نام اختر خاں اور تخلص اختر ہے۔ آپ حافظ محمود خاں شیرانی کے پسر ارجمند ہیں۔ آپ کی ولادت ریاست ٹونک میں ہوئی۔ مگر آپ نے ہوش لاہور میں سنبھالا آپ کو بچپن ہی سے شعر و شاعری کا شوق تھا۔ ابتدا میں صابر علی خاں شاکر سے اصلاح لی اور بعد میں فطری ذوق کے سہارے شعر و شاعری میں مہارت تامہ حاصل کی۔ آپ رومانی شاعر ہیں اور ایک خوش دل سچے عاشق کے مانند معشوق سے دیوانہ وار گفتگو کرنے میں آپ کو ملکہ حاصل ہے۔ بقول ڈاکٹر اعجاز حسین :

> "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی حسین دوشیزہ کا تصور ان کے دل میں گدگدیاں پیدا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اگر "گجرات پر بھی نظم کہتے ہیں تو وہاں بھی ان کے جذبات کی رنگ آمیزی سے سرزمین گجرات ایک دلھن بن جاتی ہے"[۱]

اختر کے کلام کے مجموعے "شعرستان" "صبح بہار" "نغمہ طیور" "آوارہ "اختر ستان" "شہر رو" "لالہ طور" اور "شہناز" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں

---

[۱] ۔ مختصر تاریخ ادب اردو : ڈاکٹر اعجاز حسین صفحہ ۲۸۰

آپ کا انتقال جوانی کی حالت میں ۱۹۴۸ء میں ہوا۔

اختر شیرانی کی نعتیہ کاوشات میں ایک معتدل و متوازن اور کیف آور گداز ہے۔ ان کی نعتیہ نظمیں مترنم اور شیریں ہیں۔ لیکن ان میں گہرائی اور بے چین کر دینے والے تموج کا فقدان ہے۔ انھوں نے ایک نعتیہ نظم میں بانیٔ اسلام کے سبب تخلیقِ کائنات ہونے کے مضمون کو متنوع انداز میں نظم کیا ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

مسند نشینِ عالمِ امکاں تمھیں تو ہو — اس انجمن کے شمعِ فروزاں تمھیں تو ہو
دنیائے ہست و بود کی زینت تمھیں سے ہے — اس باغ کی بہار کے ساماں تمھیں تو ہو
روشن ہے جس کی ضو سے شبستانِ زندگی — وہ ماہِ نیم ماہِ درخشاں تمھیں تو ہو
دنیا کی آرزوئیں فنا آشنا ہیں سب — جو روحِ زندگی ہے وہ ارماں تمھیں تو ہو
تم کیا ملے کہ دولتِ ایماں ملی ہمیں — ایمان کی تو یہ ہے کہ ایماں تمھیں تو ہو
صبحِ ازل سے شامِ ابد تک ہے جس کا نور — وہ جلوہ زارِ حسنِ درخشاں تمھیں تو ہو
زُہرائے چرخ و دورِ زمیں جس کے ہیں غلام — وہ نازِ دہر و نازشِ دوراں تمھیں تو ہو
دنیا و آخرت کا سہارا تمھاری ذات — دونوں جہاں کے والی و سلطاں تمھیں تو ہو
شادابیٔ صنوبر و نسرین تمھیں سے ہے — بوئے گل و بہارِ گلستاں تمھیں تو ہو
اختر کو بے نوائیٔ دنیا کی فکر کیا — سامان طرازِ بے سر و ساماں تمھیں تو ہو

اختر نے ایک نعت "مسیحائے حجاز" کے عنوان سے لکھی ہے۔ جس کا تغزل بہت دلاویز ہے۔ قصۂ لیلائے حجاز کے چھڑ جانے پر اس کے دل کے پردوں میں تمنائے حجاز مچلنے لگتی ہے۔ وہ نسیمِ سحر کو پیغام رساں بنا کر اپنے وارداتِ قلبی کا اظہار شاعرانہ انداز میں کرتا ہے۔ وہ اپنا تجربہ بیان کرتا ہے کہ جب سے اس نے مینائے حجاز کی مے چکھ لی ہے۔ اس کے لئے مئے فرنگ میں کوئی سرور باقی نہیں رہا۔ وہ دلِ دیوانہ سے التجا کرتا ہے کہ وہ ماضی کی تمکنت و وقار کی دعا مانگے۔ جب کہ امتِ مسلمہ صحرائے حجاز میں سجدہ ریزی کرتی تھی۔ وہ روحِ بلال

سے مخاطبت کر کے کہتا ہے۔ کہ تو کس خواب گراں میں محو ہے۔ اٹھ اور اپنی اذاں کی گونج سے دنیائے حجاز کو گرما دے۔ شاعر مقطع میں کہتا ہے کہ یثرب کے ذرہ ذرہ سے صدا آتی ہے۔ کہ "اختر خاک نشیں ناصیہ فرسائے حجاز" ہے

نعت ملاحظہ کے لئے رقم ذیل ہے۔

کس نے پھر چھیڑ دیا قصۂ لیلائے حجاز
دل کے پردوں میں مچلتی ہے تمنائے حجاز

پھر کے دامن میں غریبوں کی دعائیں لے جا
اے نسیم سحرائے بادیہ پیمائے حجاز

بزم ہستی میں ہے ہنگامۂ محشر برپا
اب تو ہو خواب سے بیدار مسیحائے حجاز

مئے افرنگ میں باقی نہ رہا کوئی سرور
ہم نے جس دن سے چکھی ہے مئے مینائے حجاز

دل دیوانہ دعا مانگ وہ دن پھر آئے
وہی ہم ہوں وہی سجدے وہی صحرائے حجاز

کون سے خواب میں ہے محو تو اے روح بلال
گونج اٹھے پھر تری تکبیر سے دنیائے حجاز

خاک یثرب کے ہر اک ذرہ سے آتی ہے صدا
اختر خاک نشیں ناصیہ فرسائے حجاز

مولانا ظفر علی خاں

آپ کی ولادت ۱۸۷۰ء میں ضلع سیالکوٹ پنجاب کے ایک گاؤں کوٹ میں ہوئی ابتدائی تعلیم پٹیالہ میں حاصل کرنے کے بعد علی گڈھ آئے اور وہیں سے ۱۸۹۲ء میں ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ کشمیر میں ڈاک اور تار کے محکمہ میں نوکر ہو گئے۔ لیکن جلد ہی یہ نوکری چھوڑ کر علی گڈھ آ گئے۔ اور پھر تعلیمی زندگی کا آغاز کر دیا۔ موصوف نے محنت و ذہانت کے سہارے بی۔ اے کا امتحان درجہ اول میں پاس کیا۔ آپ نے کچھ دنوں تک محسن الملک کے پرائیویٹ سکریٹری کی حیثیت سے کام کیا۔ حیدر آباد جا کر فوج میں ملازم ہو گئے۔ مولانا حیدر آباد میں دار الترجمہ سے منسلک ہو گئے اور ترقی کرتے کرتے اسسٹنٹ ہوم سکریٹری کے عہدہ تک پہونچ گئے۔ حیدر آباد سے بمبئی آ گئے۔ اور وہاں کمرشیل ایجنسی قائم کی مولانا نے ایک اخبار دکن ریویو نکالا اور حیدر آباد میں عزیز مرزا کے ہوم سکریٹری ہو جانے پر حیدر آباد چلے گئے اور لیجسلیٹو اسمبلی کے رجسٹرار ہو گئے۔ مولانا اپنی گوناگوں صلاحیتوں کی بنا پر سیاسی میدان میں آ گئے۔ اور آپ نے زبردست خطیب کامیاب ادیب، دردمند شاعر اور کامران صحافی ہونے کی وجہ سے بہت جلد اس میدان میں ایک نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ مولانا کو تحریک خلافت میں پانچ سال کی سزا ہوئی اور حریت پسندی، صداقت، جرأتمندی

اور سامراجی قوتوں سے مقابلہ کرنے کی پاداش میں متعدد بار جیل جانا پڑا۔ آپ کی زندانی زندگی کی مدت کل ملا کر تقریباً "بارہ ۱۲" سال ہوتی ہے۔ رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں۔

"مولانا ظفر علی خاں ادبی اور اخبار نویسی کی دنیا میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ زبردست مضمون نگار اور محسن زبان ہیں۔ ان کی اکثر تصانیف انجمن ترقی اردو کے ذریعہ چھپ چکی ہیں۔ سیاسی مضامین لکھنے کا ایک خاص انداز ہوتا ہے"۔[1]

مولانا کی تصنیفی اور تالیفی زندگی کا آغاز لارڈ کرزن کی تالیف خیابان فارس کے اردو۔ ترجمہ سے ہوا۔ حضرت داغ نے اس ترجمہ کی تقریظ میں مولانا کی ادبی صلاحیتوں کا کھل کر اعتراف کیا ہے۔ ڈریپر کی مشہور کتاب "معرکۂ مذہب و سائنس" کا اردو ترجمہ، غلبہ روم (منظوم ڈرامہ) جنگ روس و جاپان، الفاروق کا انگریزی ترجمہ مولانا کی خاص تصانیف ہیں۔ آپ کا کلام "بہارستان" "چمنستان" اور "نگارستان" کے نام سے طبع ہو کر شہرت عام حاصل کر چکا ہے۔ لاہور میں آپ کی ۸۳ ویں برسی بڑی شان سے منائی گئی۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی نے سالگرہ کی روداد "درس عبرت" کے عنوان سے لاہور کے ایک روزنامہ سے نقل کر کے شائع کی تھی۔ اس روداد میں شامل تبصرہ سے مولانا ظفر علی خاں کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔ ایک مختصر اقتباس نقل ذیل ہے۔

"مہمانوں کی آمد کے تھوڑی دیر بعد مولانا اختر علی خاں اور دو ایک صاحب بابائے صحافت کو سہارا دیکر لائے

---

[1] - تاریخ ادب اردو - مصنفہ رام بابو سکسینہ مترجمہ مرزا محمد عسکری مطبع نول کشور لکھنؤ۔ بار دوم ص ـــ ۹۳

ظفر الملت شدت بیماری سے بالکل ہڈی کا ڈھانچہ بن کر رہ گئے ہیں۔ ان میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ چل کر آسکیں لیکن مشتاقان دید کے اضطراب کے پیش نظر وہ جلسہ گاہ میں تشریف لے آئے۔ سب سے آگے بڑھ کر مولانا سالک نے مصافحہ کیا اور خیریت پوچھی ظفر الملک کی آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہو گئی۔ لیکن لب صرف پھڑپھڑا کر رہ گئے۔ ایک صاحب نے بتایا کہ قبلہ مولانا کی قوت گویائی بالکل ختم ہو گئی ہے۔ تو حاضرین کے چہرے اداس ہو گئے۔ اور پلکیں گرم آنسوؤں سے بھیگ گئیں ــــــ ابھی تک جن کا یہ دبدبہ یہ طنطنہ تھا کہ شہر لاہور اور صوبہ پنجاب کیا معنی ہندوستان بھر کے کسی حصہ میں کوئی بھی بڑی تحریک شروع ہو اور ممکن نہ تھا کہ اس کے نقیب یا اس کے حریف کی حیثیت سے ظفر علی خاں صف اول میں نہ ہوں!

ــــــ یہ قوت گویائی کس کی سلب ہو گئی ہے اور "ہاں" "نہ" کہنے تک سے آج کون معذور ہو گیا ہے۔ وہ جس کی قوت تقریر کا یہ عالم تھا کہ گھنٹوں بے تکان بولتا چلا جاتا تھا ہزارہا کے مجمع میں کونے کونے تک اپنی آواز پہنچا دیتا تھا۔ اور مخالفت کرنے والوں کے شور وغل کرنے پر بھی اس کی آواز مجمع پر غالب رہتی تھی۔ اس منظر کی گواہی دینے والے لوگ بھی ابھی ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں[۱]"۔

۱۔ صدق جدید لکھنؤ ۔ یکم جمعہ ۱۰ رجمادی الثانی ۱۳۷۴ھ مطابق ۴ فروری ۱۹۵۵ء ص ۱-۲

طویل علالت کے بعد آپ کا انتقال ۱۹۵۶ء میں ہوا۔

مولانا ظفر علی خاں کو بانیٔ اسلام سے مخلص عقیدت تھی۔ جس کا برملا اظہار ان کی ان نعتیہ کاوشات میں ملتا ہے۔ جن کے عنوانات درج ذیل ہیں۔

"فریاد بحضور"۔ "سرورِ کونین" "صلوا علیہ و آلہ" "رحمتہ للعالمین" "شب معراج" "التجا بحضور سرور کائنات" "نذر مختصر" "عرضداشت امت" "اسلامیان ہند کی فریاد" "نذر عقیدت" "جشن عید میلاد النبی" "صاحب قاب قوسین او ادنیٰ" "عرش سے فرش تک" "مقام محمود" "تاجدار عرب و عجم" "فخر رسل" "عشق رسولؐ" "نور حقیقت" "صاحب معراج" "نوید مسیح"۔ "چشمہ آب بقا" "اللہ والے" "انک انت الاعلیٰ" "من کان للہ کان اللہ لہ" "شان مصطفوی" "عالم و عامل" "شان احمد مجتبیٰ" اور اطاعت و استطاعت"

مولانا ظفر علی کی نعتیہ شاعری بالخصوص اور اردو شاعری بالعموم افادی اہمیت کی حامل ہے۔ مولانا نے ہندوستان کی جنگ آزادی کی تحریک کو آگے بڑھانے میں دامے درمے قدمے سخنے کام کیا۔ انگیریزوں کی غلامی نے ہندوستانیوں میں ماضی کی عظمت کا احساس پیدا کیا۔ لیکن حال سے نالاں اور مستقبل سے مایوس بھی کر دیا۔ مولانا نے حال سے برسرِ پیکار اور مستقبل سے پر امید کرنے کے لئے ہندوستانیوں کو بالعموم اور ہندوستان کے مسلمانوں کو بالخصوص مذہبیات کی طرف متوجہ کیا۔ ان کا دل حالی کی طرح ملت کی زبوں حالی سے متاثر تھا۔ ان کی شاعری اسلامی عظمت خلوص اور صداقت اور جذبات کے والہانہ پن سے معمور ہے۔ انھیں امور کے باعث ان کا دل بانیٔ اسلام کی محبت سے سرشار تھا۔ انھوں نے پیغمبر اسلام کی شان میں بہت سی نعتیں کہی ہیں۔ جن میں اوصاف و شمائل کا بیان بھی ہے۔ اور داخلیت کی کارفرمائی بھی۔ مولانا نے وصفی پیرایۂ بیان میں قرآن و حدیث سے استمداد کیا ہے۔ انھوں نے اپنی بہت سی نعتوں کے عنوانات قرآنی آیات سے مستعار کئے ہیں۔ مثال میں صاحب قاب قوسین او ادنیٰ"۔

"انک انت الاعلیٰ" "رحمۃ للعالمین" "صلوا علیہ وآلہ" "ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی" کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے کہیں کہیں پر احادیث میں مذکورہ واقعات کو شعری جامہ پہنایا ہے۔

مولانا ظفر علی خاں حالیؔ کے اصلاحی و مصلحانہ رنگ سے متاثر تھے۔ حالیؔ ہی طرح ان کی نعتوں میں مقصدیت کے عناصر ملتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حالیؔ نے امت مسلمہ کے حال زار پر آنسو بہائے ہیں۔ نالہ و شیون کے مابین قوم کو اسکی گذشتہ عظمت کا احساس دلایا ہے۔ اور ماضی و حال کا موازنہ کر کے قوم کی اصلاح کی ہے جبکہ مولانا ظفر نے آہ و نالہ کر کے پُرجوش و دلاویز انداز بیان کے ذریعہ قوم کی اصلاح کی ہے۔ انھوں نے قوم کو غیرت دلا کر انھیں سرفروشی کی تمنا سے سرشار کیا ہے۔ دونوں کا مقصد اصلاح قوم تھا۔ اس لئے دونوں نے جو زبان استعمال کی ہے۔ وہ صاف سادہ اور رواں دواں ہے۔ تاکہ ان کی نعتیہ کاوشات عام و خاص ہر ایک کی دسترس میں آجائیں۔ مولانا کا نعتیہ سرمایہ ایک طرف ادب میں اپنا مقام رکھتا ہے اور دوسری طرف اس کی عملی و عوامی اہمیت بھی ہے۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین نے درست لکھا ہے کہ

"مولانا ظفر علی خاں کی نعت گوئی کا اصلاحی اور مقصدی رنگ فقط حب رسولؐ کی سرمستی کا اظہار نہیں ہے یوں کلام میں جذب کیف اور شوق کی شدت کا یہ عالم ہے کہ گل محمدی کا یہ فدائی اس گلستاں کے کانٹوں سے پیمان محبت باندھ کر انتہائی جذبہ سرفروشی سے سرشار معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مقصدی نظر رکھنے کی بنا پر شاعر کا یہ جذبہ بے مقصد نہیں ہے۔ وہ جمال محمدی کا فریفتہ بن کر اسوۂ محمدی کی تجلیوں کے لئے بے تاب رہتا ہے۔ وہ صفات محمدی میں زندگی کی تعمیر کے سامان کا متلاشی ہے۔ اس کے نزدیک محمدؐ کا نام ہر عقیدہ

کشائی کے لئے اسم اعظم کا حکم رکھتا ہے۔"[1]

وہ اپنی دعاؤں میں بانیٔ اسلام سے کوئی ایسی شئی نہیں مانگتا، جس کا انسلاک صرف اس کی ذات سے ہو۔ بلکہ وہ امت کے لئے سطوت کبریٰ کا تاج اور اس کے لادوا مرض کا علاج چاہتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

جاگ او یثرب کے میٹھی نیند کے ماتے کہ آج
لٹ رہا ہے آنکھوں آنکھوں میں تیری امت کا راج

ہم ہیں ننگے سر اٹھا اے شانِ عرب آنِ عجم
اور پہنا دے ہمیں پھر سطوت کبریٰ کا تاج

اب دوا سے کام کچھ چلتا نہیں بیمار کا
اب تو ہے تیری دعا ہی تیری امت کا علاج

شاعر حب رسولؐ اور نعت رسولؐ کی طرف مبذول اپنی فکر رسا کو مایۂ نازش اور اپنی طبع سلیم کو وجہ تفاخر متصور کرتا ہے اور مدح رسولؐ میں منہمک زبان کو زبان کلیم کے لئے باعث رشک سمجھتا ہے اس کے نزدیک الفت رسولؐ سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں۔ بارگاہ ایزدی میں اسکی یہ التجا ہے کہ اس کی پلکیں حریم مصطفےٰ کے لئے جاروب بنا دی جائیں وہ عشق نبی کا متوالا رہا ہے۔ شاعر اپنی کاوشات کو بانیٔ اسلام سے منسلک ہونے کی وجہ سے ملائک کے لئے وجد آفریں سمجھتا ہے۔ وہ ساری کائنات کو اپنا مدح خواں متصور کرتا ہے۔ اور مداح رسولؐ ہونے کے باعث اپنے ترانوں کی گونج عرش پر محسوس کرتا ہے۔ وہ عشق رسولؐ کی شراب سے اس قدر سرشار ہے کہ اس کو یہ منظور ہے کہ اس کا یہ رشتہ خدا کی خدائی سے منقطع ہو جائے لیکن وہ دامن مصطفےٰ کو ہاتھ سے چھوڑنے کو کسی قیمت پر

---

[1] - اردو میں نعتیہ شاعری: ڈاکٹر سید رفیع الدین - ص ۸۰۴
اردو اکیڈمی سندھ کراچی - اکتوبر ۱۹۷۶ء -

تیار نہیں ہے۔ منتخب نعتوں سے چند منتخب اشعار ملاحظہ ہوں۔

میرے ہزار دل ہوں تصدق حضور پر — میری ہزار جان ہو قربان مصطفیٰ
رشتہ مرا خدا کی خدائی سے ٹوٹ جائے — چھوٹے مگر نہ ہاتھ سے دامان مصطفیٰ
لائے نہ کیوں یہ نغمہ ملائک کو وجد میں — گاتا ہے جس کو بلبل بستان مصطفیٰ

تیار دوں گا کر خاک ہند یوں اکبر بنتی ہے — مری پلکوں کو جاروب حریم مصطفیٰ کر دے

کہنے کو ہوں میں آج نعت رسول کریم — میری زباں کیوں نہ ہو رشک زبانِ کلیم
مایہ نازش ہے مجھے مری فکر رسا — وجہ تفاخر مجھے ہے مری طبع سلیم

مجھے دین و دنیا کی دولت ملی ہے — کہ ہے میرے ہاتھوں میں دامانِ احمد
مری مدح کرتی ہے ساری خدائی — ہوا ہوں میں جب سے ثناخوانِ احمد
ترانے مرے عرش پر گونجتے ہیں — میں ہوں عندلیب گلستانِ احمد

مجھ کو رسول اللہ کی الفت بلطف خدا اس سے مل ہی گئی
اے دل ناداں اس سے زیادہ تجھ کو ہو کس دولت کا حصول

اکثر شعرائے نعت، نعت گوئی کے نازک مراحل میں جادۂ اعتدال سے بھٹک گئے ہیں۔ اور عقیدت کے وفور میں ان کی رسائی سید المرسلین کے مقام تک نہیں ہو سکی۔ وہ رسالت و احدیت کی حدود کو ایک دوسرے سے الگ دکھانے میں ناکام رہے ہیں۔ عام طور پر یہ خامیاں اس انداز بیان میں بکثرت ملتی ہیں۔ جہاں نعتیہ شاعری کے لئے اشاروں کنایوں متصوفانہ اصطلاحوں کو سہارا بنایا جاتا ہے۔ لیکن مولانا ظفر علی کے ہاتھوں سے دامن اعتدال کہیں بھی اور کبھی بھی

نہیں چھوڑتا کیونکہ انہوں نے ان تمام پیرایہ ہائے اظہار سے احتراز کیا ہے، جن میں خیالات کے غیر متوازن ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ ان کا اعتقاد ہے کہ صرف دو حقائق پر دنیا کا دارومدار ہے۔ اور وہ دو حقیقتیں "بقائے محمدؐ اور دوام محمدؐ" ہیں مقام محمدؐ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بلند اس قدر ہے مقام محمدؐ | نہ پہونچے وہاں جبرئیل امیں بھی
لیا میں نے جس وقت نام محمدؐ | مرا منہ لیا چوم روح الامیں نے

مولانا نے جو شعری سرمایہ بارگاہ نبوی میں پیش کیا ہے، وہ دل کی گہرائیوں سے پیش کیا گیا ہے۔ اس لئے اس میں خون جگر کی آمیزش ہے۔ مولانا کا نعتیہ کلام بہت اثر آفریں اور دلاویز ہے۔ مولانا نے نبی اکرم صلعم کی نعت میں آپ کے اوصاف حسنہ اس طرح شمار کئے ہیں کہ اس سے آپ کی حیات اقدس کے مختلف گوشے روشن ہو جاتے ہیں۔ چند اشعار ذیل میں رقم کئے جاتے ہیں۔

وہ اٹھا خاک بطحا سے سعادت کا امیں ہو کر | علم بردار حق بن کر سپہ سالار دیں ہو کر
خدا نے اس کو اپنے حسن کے سانچے میں ڈھالا ہے | چھپا ہے اس کا پرتو نور صبح اولیں ہو کر
خدا پر تھا یقیں پہلے ہی لیکن اسکا احساس ہے | کہ آنکھوں میں یقیں پھرنے لگا عین الیقیں ہو کر [1]

چند چیدہ نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں، جہاں ساری کائنات کے لئے بانی اسلام کے رحمت ہونے کا مضمون نظم کیا گیا ہے۔

عرب کے واسطے رحمت، عجم کے واسطے رحمت
وہ آیا لیکن آیا ہو کر
ہیں عرب و عجم ترے، دونوں پہ ہیں کرم ترے
تجھ سے حرم کی آبرو، تیرے قدم میں سومنات
مشرق ہے تجھ سے عرب ہے تجھ سے فیضیاب
دونوں جہاں کی رحمتیں ہو گئیں تیری ہمرکاب

---

[1] ۔ بہارستان صفحہ ۳۳

جو ترے در کی خاک تھے ہو گئے آسماں جناب

لطف ترا ہے بے شمار فیض ترا ہے بے حساب

مولانا کے نعتیہ کلام میں تغزل کا فقدان ہے لیکن ان کی اکثر نعتوں میں داخلی کیفیات اور جذبات کی لطافت نے مل جل کر تغزل کے محاسن پیدا کر دیئے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کی نعت "نذر عقیدت" ملاحظہ ہو جس میں یہ مضمون نظم کیا گیا ہے۔ کہ کائنات اور اس کی ساری برنائی و رعنائی آپ ہی کے دم قدم پر قائم ہے۔

اے کہ آرائش بہاری داستاں کی تجھ سے ہے

اے کہ افزائش ہماری عز و شاں کی تجھ سے ہے

ملت بیضا کی رونق تیرے دم سے برقرار

تمکنت اس باتحمل کارواں کی تجھ سے ہے

تیرے آب و رنگ سے رنگیں ہے ایراں کا چمن

جلوہ ریزی گلشن ہندوستاں کی تجھ سے ہے

سایہ پرور تیری رحمت کا حرم بھی دیر بھی

سود اور بہبود بہماں و فلاں کی تجھ سے ہے (کذا)

امت مرحوم کے درد و جگر کے چارہ ساز

ساری تاثیر اس کی فریاد و فغاں کی تجھ سے ہے

ساری دنیا بن گئی ہنگامہ زار کشت و خوں

کچھ اگر امید ہے امن و اماں کی تجھ سے ہے [1]

ایک دوسری نعتیہ نظم "صاحب قاب قوسین او ادنیٰ" اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ شاعر نے واقعۂ معراج کو بدیع و نادار انداز میں بیان کیا ہے۔

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تم ہی تو ہو ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تم ہی تو ہو

---

[1] - بہارستان صفحہ ۳۴

چھوٹا جو سینۂ شب تار الست سے — اس نور اولیں کا اُجالا تم ہی تو ہو
جلتے ہیں جبرئیل کے پر جس مقام پر — اس کی حقیقتوں کے شناسا تم ہی تو ہو
پیتے ہی جس کے زندگی جاوداں ملی — اس جانفزا زلال کے مینا تم ہی تو ہو
اٹھ اٹھ کے لے رہا ہے جو پہلو میں چٹکیاں — وہ درد دل میں کر گئے پیدا تم ہی تو ہو[1]

مولانا ظفر علی خاں نے اپنی ایک بہت زیادہ مشہور اور بہت زیادہ پڑھی جانے والی نعت میں مختصر و جچہ پیرائیہ بیان کا سہارا لے کر پیغمبر اسلام کے امتیازی اوصاف کو شاعرانہ رنگ میں بیان کیا ہے۔ نعت ملاحظہ ہو۔

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز چمکنے والی تھی دنیا کے سب درباروں میں
گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیّاروں میں
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ رسوں سے حل نہ ہوا
وہ راز کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں
وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دوکان فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملیگا عاقل کو یہ قرآن کے سپاروں میں
ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ
ہم مرتبہ ہیں یاران نبیؐ کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

---

[1] ۔ بہارستان صفحہ ۴۶

جگر مرادآبادی

نام علی سکندر۔ والد کا نام مولوی نظر علی تھا۔ آپ ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد دہلی کے باشندے تھے۔ بادشاہ ان سے ناراض ہو گئے اس لئے انھیں دلّی کو خیرآباد کہنا پڑا۔ دلّی چھوڑ کر مراد آباد آ گئے اور پھر یہیں مستقل طور پہ سکونت اختیار کر لی۔ جگر کی ابتدائی تعلیم و تربیت زیادہ نہ تھی۔ عربی سے قطعی طور پر ناواقف تھے۔ اور فارسی کی لیاقت یوسف زلیخا اور سکندر نامہ تک تھی۔ ان کا انتقال ۹ ستمبر ۱۹۶۰ء کو ہوا۔

جگر کی طبیعت حسن پرستی واقع ہوئی تھی۔ انھوں نے ایک مدّت تک حُسنِ مجازی کے کوچوں کے چکر لگائے۔ اور جوش و مستی میں بھرپور ترانے الاپے ہیں۔ بعد میں یہی مجاز حقیقت کا زینہ بنا۔ شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ ۱۳-۱۴ سال کی عمر سے شعر و شاعری شروع کر دی تھی۔ اوّلاً اپنے والد سے اصلاح لیتے تھے۔ ان کے بعد داغ کو اور داغ کے بعد منشی امیر اللہ تسلیم کو اپنا کلام دکھانے لگے۔

عمر کے آخری حصّہ میں تائب ہو کر صوفی صافی ہو گئے۔ انھوں نے بانیِ اسلام کی مدح سرائی میں بھی سرمایۂ شعری صرف کیا ہے لیکن ان کی شعری کاوشات میں بہت کم ہیں۔ ان کی شاعری میں کیف و رفتگی، سرشاری، جوش و خروش اور بیخودی ہر جگہ موجزن ہے۔ جگر کی نعتیہ کاوش صاف، سادہ اور رواں نہیں ہے۔ وہ ثقیل الفاظ

سے ہمیشہ احتراز کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں مستعمل فارسی تراکیب عام طور پر مناسب اور دل نشین ہوتی ہیں۔ جس سے کلام کی روانی اور لطف میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان کو راہ نعت کی دشوار گذاری کا پورا پورا احساس تھا۔ ان کو بخوبی معلوم تھا کہ اس راہ میں مودّب رہنا اور ہوشیاری کے ساتھ لب کشائی کرنا لازمی ہے۔ ایک مقام پر انھوں نے اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ

اے جانِ بلب آمدہ ہوشیار، خبردار! وہ سامنے ہیں حضرت سلطان مدینہ

ان کا اعتقاد ہے کہ ذات گرامی صلعم صبح ازل، آئینہ حسن ازل ہے اور غریب الغربا ہونے پر بھی شاہوں سے زیادہ باسطوت ہے۔ جس کو بانی اسلام کی نسبت حاصل ہو جائے اس کو کسی اور کی احتیاج باقی نہیں رہتی۔ جگر نے ایک سچے عاشق کی طرح جو کچھ محسوس کیا اور جو کچھ ان کے دل پر بیتی اس کو بے تکلفی کے ساتھ زبان سے ادا کر دیا۔ غزل کی ساخت میں پیش کی گئی نعتوں میں سادگی، نغمگی روانی اور تغزل ہے نمونہ ملاحظہ ہو۔

اک رند ہے اور مدحتِ سلطانِ مدینہ
ہاں کوئی نظر رحمت سلطانِ مدینہ

تو صبح ازل، آئینہ حسن ازل بھی
اے صلِّ علیٰ صورت سلطان مدینہ

اے خاکِ مدینہ تری گلیوں کے تصدّق
تو خلد ہے تو جنت سلطان مدینہ

ظاہر میں غریب الغربا پھر بھی یہ عالم
شاہوں سے سوا سطوت سلطان مدینہ

اس طرح کہ ہر سانس ہو مصروف عبادت
دیکھوں میں درِ دولتِ سلطان مدینہ

کونین کا غم، یادِ خدا، وردِ شفاعت
دولت ہے یہی دولتِ سلطان مدینہ

اس امت عاصی سے نہ منھ پھیر خدایا!
نازک ہے بہت غیرتِ سلطان مدینہ

کچھ اور نہیں کام جگر مجھ کو کسی سے
کافی ہے بس اک نسبت سلطان مدینہ

عزیزؔ لکھنوی

عزیزؔ لکھنوی کا نام مرزا محمد ہادی اور تخلّص عزیزؔ تھا۔ آپ ۵ ربیع الاول ۱۳۰۰؁ھ مُطابق ۱۸۸۲؁ء کو لکھنؤ میں متولّد ہوئے۔ آپ کے والد مرزا محمد علی اپنے دور کے ممتاز فضلائے کاملین میں سے ایک تھے۔ آپ نے صرف و نحو، فقہ و اصول فقہ، معقولات اور فارسی درسیات کی تکمیل اس عہد کے ممتاز علماء سے کی، جن میں شمس العلماء مولوی عبدالحمید فرنگی محلی، مولانا محمد نعیم، سید اولاد حسین بلگرامی، آغا سید محمد، مولانا سید ابوالحسن، مولوی محمد حسین، مولوی سید لطف حسین، اور مولوی شیخ فدا حسین کے نام قابل ذکر ہیں۔ ادب اور علوم دینیہ دونوں ہی سے آپ کو شغف تھا۔ شاعری کا شوق ابتدا ہی سے تھا۔ شاعری میں آپ نئے رجحانات سے متاثر نہ تھے۔ بلکہ قدیم رنگ کے دلدادہ تھے۔ آپ میرؔ و غالبؔ کے مدّاح اور ان کے پیرو تھے۔ عبدالقادر سروری لکھتے ہیں کہ

"میرؔ کی سادگی کو عزیزؔ نے غزل میں پھر زندہ کرنا چاہا۔ لیکن انکی غزل کی بنیاد غالبؔ کے نئے تغزل پر رکھی گئی ہے"[1]

---

[1] جدید اردو شاعری عبدالقادر سروری صفحہ ۳۲۰

وہ فارسی شعرا میں عرفی و نظیری سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔ انھوں نے قصیدہ نگاری میں سودا اور ذوق کو اپنے لئے مشعل راہ بنایا۔ ان کے قصیدوں میں وہی شوکت و طمطراق ہے۔ جو سودا اور ذوق کے حصہ میں آئی تھی۔ لیکن ان کی زبان ان دونوں بزرگوں سے زیادہ صاف اور رواں دواں ہے۔ ان کا انتقال ۱۹۳۵ء سنہ میں ہوا۔

عزیز کی غزلوں کا مجموعہ "گل کدہ" اور ان کے قصائد و سلام اور قطعات و رباعیات کا مجموعہ "صحیفہ ولا" کے نام سے مشہور ہے۔ عزیز کو مذہب سے خاص شغف تھا۔ ان کے تمام قصائد مذہبی ہیں۔ جو رسول اکرم صلعم اور آپ کے اہل بیت عظام کی منقبت میں لکھے گئے ہیں۔ ان کے تمام قصاید خلوص و عقیدت سے معمور ہیں۔ عزیز کے نعتیہ قصائد کے عنوانات رقم ذیل ہیں۔

(۱) قصید بہاریہ نوروز مکالمہ حسن و عشق تخلص بہ نعت سرور کائنات بہ پیرایہ "تغزل موسومہ" حسن و عشق "۔

(۲) قصیدہ در جشن موسم اردی و برخے از حالات ولادت انسان مکمل۔۔ عین العالم حقیقۃ الحقائق مرأت الصفا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ موسومہ۔۔ "بہار ربیع"

(۳) قصیدہ معراجیہ در نعت۔

(۴) نوید بعثت۔

(۵) سر جوش حرا در حالات بعثت حضرت سرور کائنات۔

(۶) نور ہدایت در زینت افزائے شر کاخ افلاک مخاطب بہ خطاب لولاک خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۷) شمع رسالت آراستگی عروس مضامین بمدحت رحمتہ للعالمین المخاطب بطٰہٰ و یٰسین۔

(۸) مرأت الصفا در نعت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۹) شارع الاسلام۔

"صحیفۂ ولا" میں نعتیہ قصائد کے علاوہ چند نعتیہ نظمیں بھی شامل ہیں۔ جن کے عنوانات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ پیغمبر اسلام۔

۲۔ قطعہ نعتیہ۔

۳۔ فلسفی امی اور

۴۔ محمد مصطفےٰ صلعم

منقبتی قصائد بھی روح نعت سے معمور ہیں۔ اور بعض منقبتوں میں اچھے نعتیہ اشعار مل جاتے ہیں۔ اردو شاعری میں عزیز کی شہرت دوام ان کے قصائد کی رہین منت ہے۔

قصیدہ میں سب سے پہلی چیز تشبیب ہے۔ جس میں شاعر کو زور طبع دکھانے کے مواقع دستیاب ہوتے ہیں۔ ملک القصائد سوداؔ اور ان کے متبعین قصیدہ نگاروں نے بہت اچھی تشبیبیں کہی ہیں۔ عزیز کے نعتیہ قصائد میں تین طرح کی تشبیبیں ملتی ہیں۔ ۱۔ بہاریہ تشبیب ۔۲۔ غزلیہ تشبیب اور (۳) مکالماتی تشبیب عزیز کو بہاریہ اور غزلیہ تشبیب لکھنے میں کافی مہارت حاصل ہے۔ "قصیدہ حسن وعشق" کی تشبیب میں عزیز کے دونوں رنگ دیکھنے کو ملتے ہیں۔ شاعر نے اس تشبیب میں نور وتر کا نقشہ کھینچ کر بہاریہ تشبیب کا رنگ دکھلایا ہے۔ اور حسن وعشق کے مابین مکالمہ دکھلا کر اس نعتیہ قصیدہ میں مکالماتی تشبیب میں اپنی سبکدستی کے ثبوت بہم پہونچائے ہیں۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر نے درست لکھا ہے کہ۔

> "عزیز نے تشبیب میں بہاریہ اور رندانہ اشعار بھی لکھے ہیں۔ انھوں نے ان کا استعمال بھی عموماً عاشقانہ رنگ کو تیز کرنے کے لئے کیا ہے۔ اکثر ان کے قصیدوں کی تشبیبوں میں یہ تینوں عناصر گڈمڈ نظر آتے ہیں[۱]"

۱۔ اردو میں قصیدہ نگاری: ڈاکٹر ابو محمد سحر صفحہ ۲۶۱

نمونہ کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

بہار آتی ہے انکو ہو گیا نازہ خود آرائی ۔۔۔ لہو کچھ بڑھ گیا جب فصد دیوانوں نے کھلوائی

حمل کے نقطۂ اوّل پہ آیا خسروِ خاور ۔۔۔ ربیع معتدل لے کر نوید نو بہار آئی

ہوئی باطل دئی و بہمن کی وہ تقویم پارینہ ۔۔۔ خزاں کے نام سے آتی ہے تو ارے کو ابکائی

چلی وہ بادہ نوروزی وہ تازہ کونپلیں پھوٹیں ۔۔۔ گلوں کو دیکھ کر صحن چمن نے گرد پھیلائی

نشیلی انکھڑیاں ساقی کی زاہد سے بھی کہہ اٹھیں
یہ پہلا روز فروردیں کا ہے پی جام صہبائی (کذا)
چھڑا ہے ساز پھر آوازۂ چاک گریباں کا
"مددائے روح مجنوں" کہہ کے پھر نکلے ہیں سودائی
گھنے بال اس طرف سنبل نے کھولے بہر آرائش
گلابی مدبھری آنکھ اس طرف نرگس نے دکھلائی
نگار سبزہ نے پھر زمیں پر کروٹیں بدلیں
ادھر آغوش میں گلشن کے ئی بیلوں نے انگڑائی
جوانان چمن زندہ ہوئے اعجاز موسم سے
غبار دشت نے اٹھ کر خزاں کی لاش کفنائی [1]

پوری تشبیب میں یہی رنگ جاری و ساری ہے صنعت مراعاۃ النظیر کی بہنائی ہر جگہ نمایاں ہے۔ عزیز کے دوسرے نعتیہ قصیدہ موسومہ بہ "بہار ربیع" کی تشبیب بھی بہاریہ ہے۔ بقیہ سبھی نعتیہ قصیدوں کی تشبیبیں غزلیہ ہیں۔ نمونہ کے طور پر "نوید بعثت" کی غزلیہ تشبیب ملاحظہ ہو۔

---

[1] صحیفۂ ولا، صفحات ۱-۲

کسی دن رونے والے بھی کوئی تم کو دعا دیں گے | یہ کیا انداز ہے پہلو میں بیٹھیں گے رلا دیں گے
فلک کے مدعی ہیں نہ ان کو عرش سے مطلب | یہ وہ نالے ہیں جو سب دل کے پردوں کو ہلا دیں گے
یہاں آئے تو خود آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے | جنھیں دعویٰ یہ تھا ہم رونے والوں کو ہنسا دیں گے

قصیدہ "نورِ ہدایت" کی تشبیب کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ جس میں تغزل کا وفور، مضمون آفرینی اور مختلف النوع تسلسل قابلِ غور ہے:

نہیں کٹتی شبِ فرقت لبوں پر گھٹ کے جاں آئی
کہاں تک اے دلِ رنجور دعوائے شکیبائی
لکھی تھی تلخ کامی کیا ہمارے ہی مقدر میں
ہمیں اس زہر کے قاتل تھے کیا اے چرخِ مینائی
بلا سے کوئی مر جائے بلا سے کوئی رسوا ہو
اگر ہے امتحاں منظور تو کیا خوفِ رسوائی
بلا کا جذب ہے کافر ادا اس حسنِ دلکش میں
تری جانب سے پھرتی ہی نہیں چشمِ تماشائی

عزیز نے قصیدہ "مہر جوشِ حرا" کی تشبیب میں خطابیہ انداز اپنایا ہے۔ لیکن یہاں بھی رنگِ تشبیب مکمل طور پر غزلیہ ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

حسن اے حسنِ دلآویز ملاحت والے | ہوش میں آئیں گے ہر گز نہ ترے متوالے
جل کے کھلائیں ابھی جلوۂ گلزارِ خلیل | دیکھ لیں تجھ کو اگر سوزِ محبت والے
دیکھ لیں تیری جہاں تابِ تجلی کو اگر | نقشِ دیوار نہیں عالمِ حیرت والے
سبزہ رنگی یہ تری سادہ نگاری یہ تری | زہر کھائے ہوئے بیٹھے ہیں صباحت والے
صندلی رنگ، ہریا ہو کہیں مہتابی حسن | اب نظر میں نہیں جچتے ہیں یہ طلعت والے
ساختہ حسن کجا، حسنِ خداداد کجا | جانچ لیتے ہیں اسے چشمِ بصیرت والے

ف ۱ : صحیفۂ ولا۔ عزیز لکھنوی۔ صفحہ ۲۵۔ شائع کردہ صدیقی بکڈپو لکھنؤ

عزیز لکھنوی کی تشبیبوں کے عمیق مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ موصوف کو قصیدہ کے وقار اس کی متانت و سنجیدگی اور جوش و تمکنت کو برقرار رکھنے میں خاصی کامیابی حاصل ہوئی ہے اور وہ مختلف علوم و فنون کی مصطلحات تلمیحات، تشبیہات و استعارات کے استعمال اور لزوم مالایلزم میں غیر معمولی قدرت رکھتے ہیں۔ قصیدہ موسومہ بہ "بہار ربیع" کی تشبیب کے چند اشعار ذیل میں رقم کئے جاتے ہیں:

زوال بہمن و دے جوش موسم اردی — کمال نامیہ و سربلندی اشجار
بساط خاک پہ لیتا ہے کروٹیں سبزہ — کہ مست خواب جوانی ابھی ہے فصل بہار
عروج بادہ پرستی کا ہے یہی ہنگام — کہ برج سعد میں ہیں سب ثوابت و سیار
ذنب ہے قوس میں، مریخ اپنے برج میں ہے — قمر ہے اوّل میزان میں آج آئینہ دار

عزیز کی غزلیہ تشبیبوں میں کافی گہرائی اور معنویت ہے۔ حسن و عشق کا ان کے نزدیک کافی اعلیٰ اور رفیع ہے۔ ان کے خیال میں حسن و عشق میں معنوی اتحاد و ربط ہے۔ انھوں نے قصیدہ نعت موسومہ بہ "شمع رسالت" میں اپنے اس خیال کو اس طرح کھل کر واضح کیا ہے:

ہے حسن و عشق میں ایک اتحاد معنوی باہم — برآمد دونوں یہ گوہر ہوئے ہیں ایک دریا سے

عزیز نے قصیدہ کے اجزائے ترکیبی میں سے تشبیب پر جتنا زور صرف کیا ہے۔ اتنا زور قصیدے کے کسی دیگر جز پر نہیں کیا۔ لیکن پھر بھی ان کے قصیدوں میں گریز یا مدح کے اجزا کمزور نہیں ہیں۔ گریز تشبیب۔ مدح کو مربوط کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ دونوں مضامین کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ اور یہ اختلاف نعتیہ قصائد کی صورت میں اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے شاعر کو گریز میں اپنی تمام فنکارانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانا پڑتا ہے۔ جدت طراز طبیعت اور اظہار بیان کی بداعت کی وجہ سے تشبیب و مدح کے مضامین میں جو ہم آہنگی عزیز کے قصیدوں میں ہے۔ وہ معاصر شعراء کے یہاں مفقود ہے۔

قصیدہ "حسن و عشق" کی تشبیب میں عزیزؔ کے تینوں تشبیبی رنگ باہم مدغم ہیں۔ شاعر نے اس قصیدے میں تشبیب و گریز کو مدح کے ذریعہ ہم آہنگ کرنے میں ایک طویل مکالمے کا سہارا لیا ہے۔ گریز کی برجستگی ایک انبساطی کیفیت پیدا کرتی ہے۔

لبوں پر مسکراہٹ آ گئی شرما کے فرمایا — نقاب اب میں الٹتا ہوں بتقریب شناسائی
ذرا ہشیار رہنا ضبط کا ہنگام آیا ہے — مرقع جذبۂ دل کا ہوں دیکھ اے میرے سودائی
عزیزؔ اللہ جانے کیا ہوا ہم نے تو یہ دیکھا — اٹھا کر عشق کو خلوت میں لائے کچھ تماشائی
ہوا جب لخلخہ تجویز چند ارباب شوریٰ میں — یمانی اک کسا اس مست رعنائی نے سمجھی
ہوا جب کچھ افاقہ آہ کھینچی دل سے اک ایسی — در و دیوار پر صورت محمدؐ کی نظر آئی[1]

قصیدہ "شمع رسالت" کی تشبیب غزلیہ ہے۔ شاعر نے مدحیہ مضامین کو تشبیب سے ہم آہنگ کرنے کی غرض سے جمال شاہد وحدت کی ہوا باندھی ہے۔ اور حسن و عشق میں مستور معنوی اتحاد کا ذکر کر کے رسالت کو اپنی معراج پر دکھایا ہے۔

بہار آنے پر جب کوئی کلی کھلتی ہے لالے کی — شکستِ قلبِ مجنوں کی صدا آتی ہے صحرا سے
جمال شاہد وحدت نے باندھی ہے ہوا ایسی — اڑا جاتا ہے دل بن بن کے ہر اک ذرہ صحرا سے
ہے حسن و عشق میں اک اتحاد معنوی باہم — برآمد دونوں یہ گوہر ہوئے ہیں ایک دریا سے
بظاہر عشق ہے سرگشتۂ صحرائے بیتابی — بباطن رہتے ہیں لیکن جدا حسن خود آرا سے
ادھر ہے شوخیوں سے حسن کو شوق حنابندی — ادھر رنگینیاں ہیں عشق کی خون تمنا سے
قیامت کی کشش رہتی ہے حسن و عشق میں باہم — اک آفت کا تعلق عشق کو ہے حسن زیبا سے
شب معراج کس خلوت میں محبوب خدا پہنچے — یہ حدت عشق تھا جس نے ملایا حسن یکتا سے[2]

گریز کے بعد مدح اور حسن طلب کی باری آتی ہے۔ اور درحقیقت قصیدے

---

[1] ۔ [illegible] ولا ۔ ص ۔ ۵

[2] ۔ صحیفہ ولا ۔ ص ۔ ۲۹

کے یہی اجزا مدعائے شاعر ہوتے ہیں۔ جن کے لئے تشبیب کی تمہید بچھائی جاتی ہے تمہید سے اصل مقصد کی طرف گریز اس طور پر کیا جاتا ہے کہ تشبیب و مدح کے مضامین ہم آہنگ ہو جائیں۔ ایسے قصائد جہاں گریز، تشبیب اور مدح میں ایک پیوند معلوم ہو، ساقط المعیار سمجھے جاتے ہیں۔ عزیز لکھنوی کے نعتیہ قصائد فنی زاویہ نگاہ سے مکمل ہیں۔ شاعر کا ممدوح سید الانبیاء والمرسلین کی ذات گرامی ہے۔ جس کے علوم تبت کا یہ حال ہے کہ وہاں مبالغہ کا قطعاً گذر نہیں۔ ان کے قصائد مادی صلہ اور مال وزر کی طلب سے پاک ہیں۔ اس لئے خلوص وعقیدت سے معمور ہیں۔ عزیز کے یہاں مدح وطلب میں ایک خوشگوار اعتدال و توازن ہے۔ قصائد کے نعتیہ حصّہ میں حقیقت کا بیان ہے۔ شاعر نے ممدوح کے حسب حال انتخاب الفاظ میں بہ سے بہتر پر نگاہ رکھی ہے۔ مقدس تراکیب، پُرشکوہ الفاظ، تخیل کی بلندی، طرز ادا کی بداعت، اسلوب اظہار کی ندرت، معنی آفرینی، زبان کی سلاست اور صوتی آہنگ نے عزیز کی نعتوں کو دلاویز بنا دیا ہے۔

عزیز نے جن نعتیہ کاوشات میں غزلیہ رنگ اختیار کیا ہے، اور بانیٔ اسلام کی نعت حسن وعشق کی زبانی بیان کی ہے۔ وہاں مضمون آفرینی کے ذریعہ آپ صلعم کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ شاعر کا یہ رنگ قصیدہ "حسن وعشق" قصیدہ "معراجیہ" اور "شمع رسالت" میں نمایاں ہے۔ شاعر نے ۱۲۱ اشعار پر مشتمل قصیدہ "حسن وعشق" کے طویل مکالمے کے بعد تجلیٔ حسن محمدؐ سے عشق کو سرشار کر کے اسے بیخود بنا دیا ہے۔ اور اس طرح اس کو دیدار جمال محمدیؐ سے مشرف کر دیا ہے۔

ہوا جب کچھ افاقہ آہ کھینچی دل سے اک ایسی
در و دیوار پر صورت محمدؐ کی نظر آئی

شیدائے جمال محمدیؐ دربار نبوی میں شرف حاضری حاصل کر کے یوں اظہار مدعا کرتا ہے۔

کہا یہ عشق نے بڑھ کر کہ اے سر دفتر عالم
ازل سے منتظر تھا آج صورت تم نے دکھلائی

حجاب قدس میں اتنے دنوں سرگرم خلوت تھے
گوارا کس طرح تم کو ہوئی بندے کی تنہائی

دوئی کا نقش بھی میرے مٹایا یوں تصور میں
جھلک مہر نبوت کی مرے داغوں نے دکھلائی

یہ میری چشم تر اک آبشار طور سینا ہے
ہر اک موج اس کی دکھلاتی ہے شان بحر یکتائی

کیا جبریل نے آکر وضو اس آب خالص سے
کبھی رونے کی فرصت ہجر میں میں نے اگر پائی

پرستش میرے داغوں کی ہوئی اہل عرفاں میں
یہاں تک عشق میں کامل ہوا اے جان شیدائی[1]

شاعر نے اپنے نادر انداز بیان میں حضور صلعم کی نعت اس جواب کے ضمن میں بیان کی ہے۔ جو حسن کی جانب سے عشق کو دیا گیا ہے۔

بہت دن نوح و ابراہیم کی یوں پشت بانی کی
کہ ان اصلاب پاکیزہ میں کی ہے جلوہ آرائی

جب آیا صلب عبدالمطلب تک رفتہ رفتہ میں
ہوا قدرت کو تازہ پھر خیال بزم آرائی

جگہ دی صلب عبداللہ میں مجھکو مشیت نے
ادھر صلب ابو طالب میں حیدر نے جگہ پائی

بھرا ہے رنگ جلوؤں نے مرے نقش نبوت میں
مصور نے بنائی تھی فقط شکل ہیولائی

مداوا اے دل بیتاب کیونکر مجھ سے ممکن تھا
میں تجھ سے کس طرح ملتا بتا اے عشق سودائی

فدائے رسولؐ عزیز نے عشق کی زبانی بہت طولانی پیرایہ میں شیفتگی کا مضمون نظم کیا ہے۔ انھوں نے حضور صلعم کی محبوبیت کے مضمون کو بھی بہت موثر اور دلآویز طور پر حسن کی زبانی بیان کیا ہے اور عشق کو صاف طور پر بتلایا ہے کہ وہ محبوب یزدانی ہے۔ نعت کا یہ انداز نیا اور انوکھا ہے۔

وہ صورت گر کہ جس نے داد چاہی نقش اول کی
نمائش میں ازل کی میری صورت تجھ کو دکھلائی

وہ صورت گر کہ جس کو عشق تھا اپنی صنعت سے
مری پرچھائیں تک اس نے زمانے کو نہ دکھلائی

---

[1] صحیفہ ولا صفحات ۵، ۶

تبا انصاف سے محبوب میں اسکا ہوں یا تیرا　　محبت وہ کرے گا مجھ سے یا تو ہو گا شیدائی

یہ سن کر جوش پیدا ہو گیا نالہ فروشی کا　　خیاب عشق کے چہرے پہ اک افسردگی چھائی

حضور صلعم کی نعت اقدس اور ذات نبوی پر خدائے عزّ و جل کی شیفتگی کو سن کر عشق میں ذات خداوندی کے لئے جذبۂ رقابت پیدا ہو جاتا ہے، جس پر حسن و عشق کو ملامت کرتا ہے۔ مگر بعد کو حسن و عشق کو جنون کی حد میں رکھ کر قابل عفو سمجھتا ہے اور اسکو شرف قبولیت بخش دیتا ہے۔

معاذ اللہ خدا سے بھی ہے آمادہ رقابت پر　　میں کرتا تجھ پہ حد جاری اگر ہوتا نہ سودائی

کہا یہ عشق نے اب حد شرع اور کیا ہو گی　　بنا کر مجھ کو دیوانہ بنے ہو خود تماشائی[1]

عزیز نے نعت نبوی کے ضمن میں اپنے مسلک کی طرف بھی اشارے کئے ہیں۔ اور قصیدہ کے اختتامیہ والے حصہ میں اپنے عقائد کا برملا اظہار کیا ہے۔

کہا یہ عشق نے منزل مری کا ہے قلب بیدار میں　　وہیں کرتا ہوں سیر عالم توحید و یکتائی

عزیز کی یہ نعتیں رمزیہ (ALLEGORY) کے تحت آتی ہیں۔ رمزیہ میں غیر مرئی اشیاء کو مرئی فرض کر کے ان کو متشکل کر کے پیش کرتے ہیں۔ اور اس سلسلے کو استعارہ در استعارہ کی صورت میں اس طرح جاری رکھتے ہیں کہ ان کے کرداروں سے ایک کہانی بن جائے اور کوئی اخلاقی نتیجہ بھی نکلے۔[2]

قصیدہ "بہار ربیع" کا تعلق ولادت نبی سے ہے۔ شاعر نے اس قصیدہ کے مدحیہ اشعار میں نبی اکرم صلعم کی نعت بڑے موجز انداز میں پیش کی ہے۔ اس نے تلمیحات کے سہارے بانیٔ اسلام کے سبب تخلیق کائنات ہونے' ارنی گوئے ادج طور کو اپنی طاقت دیدار یہاں آکر آزمانے' وغیرہ مضامین نظم کئے ہیں اور

سلہ - صحیفۂ ولا　صفحہ ۸

سلہ - معیار دمیزان : ڈاکٹر مسیح الزماں ص ۲۰۷ رام نرائن لال بینی مادھو - اشاعت اول ۱۹۶۹ء

عبدالمطلب کے دیدار نبوی سے منسلک شوق کی شاعرانہ تشریح پیش کر کے قصیدہ کو دعائیہ اشعار پر ختم کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

نوید آدم و حوّا کو دے کوئی جا کر ۔۔۔ کہ وجہ خلقت دنیا کا اب ہوا اظہار
ذرا کوئی ارنی گوئی طور سے کہہ دے ۔۔۔ دکھائیں آج یہاں آ کے طاقت دیدار
وہ گل کھلایا ہے فطرت کے موقلم نے آج ۔۔۔ کہ گر گئے ہیں نگاہوں سے سارے نقش و نگار
ہوئی خروش کہ دیر آید درست آید ۔۔۔ وگرنہ جوش میں شق ہوئی کعبہ کی دیوار
گھٹا اٹھی ہے وہ بالائے خانہ کعبہ ۔۔۔ ادھر بھی ہاں مرے ساقی کے ہوں ابھی ہشیار
ٹپک رہی ہے اشاروں سے دار دئے مستی ۔۔۔ ہزار جام و صراحی تری نگاہ پہ نثار
خطوط ساغر جم ہوں تو دیکھ لے انساں ۔۔۔ یہ کون دیکھ سکے چشم سرمگیں کا خمار[1]
جہاں میں رونق اسلام تابہ حشر رہے ۔۔۔ بحق سید سادات و آلہ الاطہار

قصیدہ معراجیہ میں معراج نبی کا تذکرہ غزلیہ انداز میں کیا گیا ہے۔ قصیدہ میں مکالماتی انداز اپنایا گیا ہے۔ اور مسائل کی وضاحت سوال و جواب کی شکل میں کی گئی ہے۔ قصیدہ کے نعتیہ اشعار میں وصفی انداز اپنایا گیا ہے۔ تلمیحاتی طریقۂ اظہار نے کلام میں ایجازیت اور دلاویزی پیدا کر دی ہے۔ چند منتخب اشعار ملاحظہ ہوں۔

کس نے لیا تھا بوسہ پائے مبارک ۔۔۔ یہ تو مجھے بتلائیے اے قبلۂ حاجات
فرمایا وہ بھی عرش الٰہی کی جسارت ۔۔۔ مانع ہوئی مجھ کو روش حسن مراعات
میں نے کہا فرمائیے خلوت میں ہوا کیا ۔۔۔ فرمایا یہ ہیں راز نہ کر ایسے سوالات
سایہ بھی جدا جسم سے ہوتا نہیں دن رات ۔۔۔ از روز کشش حسن خداداد کی کیا بات
کیا ذکر ہے میرا دل بھی ہے میرے تو زباں بھی ۔۔۔ مشتاق رہے تیرے تکلم کے جمادات
سونے میں بھی وا چشم حقیقت نگری ہے ۔۔۔ یکساں ہیں ترے واسطے سب دن ہو کہ رات

---

۱ - صحیفہ ولا - صفحات ۱۳ ، ۱۴

ہوں راز جلی یا کہ خفی تجھ پہ ہویدا | تو دیکھ رہا ہے عقب و پشت کے حالات
تو شارح آیات کتاب تقدیس | خلوت کدۂ حسن کی ہمراز تری ذات
کس منہ سے کہوں کیفیت لذت تقریر | واللہ کہ میں وحی سمجھتا ہوں تری بات
زلفوں سے تری جبیں پہ جبیں کا ہے اشارہ | ہو معجزۂ شق قمر آئی ہے اب رات
کہتے ہیں اسی واسطے تجھ کو ابوالارواح | تھا نور ترا مظہر ارضین و سماوات[1]

عزیز کی شاعری بلند خیالات اور بدیع تشبیہات کا ایک طلسم ہے، جسے دیکھ کر انسان ششدر رہ جاتا ہے۔ مضمون آفرینی نازک خیالی اور عقیدت و ارادات ان کے نعتیہ کلام کی خصوصیات ہیں۔ صنائع و بدائع کی فراوانی ہے۔ لیکن ان کا استعمال اعلیٰ سلیقگی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ علمی اشارات بکثرت ہیں قرآنی و احادیثی تلمیحات کا وفور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاری کافی استعداد کے بغیر ان کی شاعری سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ مثال کے طور پر چند اشعار رقم ذیل ہیں۔

بہار گلشن الفقر فخری | طراز دامن الفخر فخری
نگین خاتم سلمان منا | خدیو عالم سلمان منا
خدیو کشور کن شاہ لولاک | کہ جس کے فرش پا انداز افلاک
ہر اک ذرّہ تھا جس پانی کا ترسا | عرب کی خشک ریتی پر وہ برسا
دکھایا زور تسخیر نظر کا | لگا کر سرمہ مازاغ البصر کا
کہاں اس خاک خوار آگیں کا منظر | کہاں داماں وحدت کا گل تر
شرف اس کے در دولت نے پایا | ملائک جبیں میں سائل کے آئے[2]

شاعر نے وصفی انداز بیان میں بھی تلمیحات، عربی و فارسی کے دقیق

---

[1] - صحیفہ ولا - عزیز لکھنوی صفحات ۱۸ - ۱۹

[2] - صحیفہ ولا - مقدمہ (الف)

الفاظ قرآنی فقرات، احادیثی اشارات اور علوم و فنون کی مصطلحات کے تلازموں سے مضامین نعت کو متوسط درجہ کے قاری کی رسائی سے بالاتر بنا دیا ہے، لیکن سبک رواں دواں الفاظ اور مترنم بحروں کی وجہ سے عزیزؔ کی نعتیں دقت مضامین کے باوجود عام قاری کی سبکے لئے بھی جاذب و دلکش بن گئی ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

سر خیل پیمبران محمدؐ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ وہ عقدہ کشائے آفرینش
وہ گوہر معدن رسالت ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ وہ حاکم کشور و کفایت
وہ پشت و پناہ آفرینش ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ وہ نور نگاہ آفرینش
زیبا ہے جسے خطاب لولاک ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ وہ صاحب منبر و افلاک
ای و مزمل و مدثر ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ داعی و مقدر و مذکر
ہر نقطۂ خط اولین ہے[۱] ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ظاہر میں تو ختم مرسلین ہے

عزیزؔ کی نعتیہ کاوشات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنے کلام میں مخصوص اور انوکھے طرز اظہار کے ذریعہ تاریخی واقعات کی طرف بلیغ اشارات کرکے بانی اسلام کے اوصاف حسنہ کو موجز اور دلاویز طور پر نظم کیا ہے۔ ان کی یہ خصوصیت کلام ان کے قصائد و منظومات میں بآسانی دیکھی جا سکتی ہے۔

عرب کے جاہل عرب کے سرکش کہ جنکا جوہر درندگی تھا
یہی ہے وہ "فلسفی امی" کہ جس نے اس قوم کو سنوارا
زمین شور عرب پہ آکر بنائے اخلاق اس نے ڈالی
وہی یتیموں کا آسرا تھا وہی ضعیفوں کا تھا سہارا[۲]

---

۱ - صحیفہ ولا : صفحہ ۔ ۳۳

۲ - صحیفہ ولا : صفحات ۔ ۳۲۸، ۳۲۹

حفیظ جالندھری

آپ ۱۹۰۰ء میں جالندھر میں پیدا ہوئے۔[۱] آپ کا لقب ابوالاثر ہے۔ آپ کا تعلق سورج بنسی راجپوت گھرانے سے تھا۔ جو آپ کی ولادت سے دو سو اور دو سو سال پیشتر مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا۔ شعر و شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ آپ نے گیارہ سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ ۱۹۲۵ء میں خیر پور کے فرماں روا نے ان کو تین سو روپیہ سے مشاہرہ پر درباری شاعر مقرر کیا۔ لیکن انھوں نے اپنی جبلی افتاد کی وجہ سے اس پیشہ کو پسند نہ کیا۔ اور وہاں سے واپس آ گئے۔ آپ نے ابتدائی زندگی پریشان حالی اور مالی دشواریوں میں بسر کی۔ آپ اخبار و رسائل میں کام کرتے تھے۔ اور کتاب لکھ کر سستے داموں فروخت کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی رسالہ مخزن کی ایڈیٹری کی ذمہ داریاں بھی قبول کر کے آپ نے اپنے لمحات کو مزید عدیم الفرصت بنا لیا۔ یہی وہ

۱۔ آپ کا انتقال ۲۱ر دسمبر ۱۹۸۲ء کی شام کو لاہور میں ہوا۔ ہماری زبان جلد نمبر ۴۲ شمارہ نمبر ۲۔ مورخہ ۸ر جنوری ۱۹۸۳ء۔ (قمری مطابقت ۴ر ربیع الاول ۱۴۰۳ھ بروز شنبہ) راقم

"آپ یکم جنوری ۱۹۰۰ء کو جالندھر (مشرقی پنجاب) کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے"

ہماری زبان ۸ر فروری ۱۹۸۳ء جلد نمبر ۴۲ شمارہ نمبر ۶

زمانہ تھا۔ جب کہ آپ نے شاہنامہ کا آغاز کیا۔ چنانچہ "مخزن" کے دفتر اور وہاں آنے والے ملاقاتیوں سے بھاگ کر آپ کو اپنے وطن مالوف جالندھر کے پرانے مکان میں گوشۂ تنہائی اختیار کرنا پڑا۔ وہاں سے کبھی لاہور آنا ہوا تو قدر دانوں سے خط و کتابت کے لئے وہ آپ اپنے منشی، اپنی کتاب کے پروف دیکھنے کے لئے وہ آپ اپنے مصحح اور مطبع والوں سے تقاضا کرنے کے لئے آپ اپنے سپاہی" ہوتے تھے۔[1]

حفیظ نے شاہنامہ اسلام کے علاوہ اپنی نظموں کے دیگر مجموعے "نغمہ زار" "سوز و ساز" وغیرہ شائع کئے۔ انھوں نے غزلیں بھی لکھی ہیں۔ جن میں سوز و گداز کی فراوانی ہے۔ اور یہاں وہ اپنے عام رنگ کے خلاف قنوطیت پسند نظر آتے ہیں۔ زبان نرم مترنم اور صاف ستھری ہے۔ حفیظ کے گیت بہت پُر اثر ہیں۔ "شاہنامہ اسلام" چار جلدوں پر مشتمل ہے پہلی جلد میں بانی اسلام کی ولادت سے پیشتر کی آیات اسلامی سے ہجرت تک کے حالات، دوسری جلد میں جنگ بدر سے جنگ احد کی تیاریوں تک کے واقعات، تیسری جلد میں جنگ اُحد کے واقعات معہ اس کے نتائج و اثرات اور چوتھی جلد میں شہدائے احد کے احوال و کوائف سے لے کر جنگ احزاب کے اختتام تک کے واقعات بالتفصیل درج ہیں۔ یہ چاروں جلدیں پہلی بار بالترتیب سنہ ۱۹۲۹ء، سنہ ۱۹۳۳ء، سنہ ۱۹۳۹ء اور سنہ ۱۹۴۷ء میں اشاعت پذیر ہوئیں۔ شاہنامہ کی پہلی تین جلدوں میں سر شیخ عبدالقادر کے مبسوط مقدمات شامل ہیں اور آخری جلد میں صرف مصنف کا دیباچہ ہے۔ اردو شاعری میں اور خاص طور پر اردو نعت میں حفیظ جالندھری کی ساری شہرت اسی شاہنامہ کی رہین منت ہے۔ اسی شاہنامہ کی وجہ سے ان کو قبولیت عام حاصل ہوئی۔ عبدالقادر صاحب لکھتے ہیں:

" ابو الاثر نے جس دن سے نظم کی بانسری بجائی ہے اس بانسری

۱۔ شاہنامۂ اسلام۔ جلد اوّل

تقریب از سر عبدالقادر صاحب صفحہ ۱۹

سے طرح طرح کے راگ نکلے ہیں۔ اور نظموں کے اس مطبوعہ مجموعے میں جس کا نام نغمہ زار ہے اور بعض غیر مطبوعہ نظموں میں جو اس کے بعد لکھی گئی ہیں۔ اس نے اپنی وسیع ہمدردی اور سچّی قدرتی شاعری کے میلان سے کہیں کرشن کے گن گائے ہیں اور کہیں پربت کے گیت سنائے ہیں، مگر اس نے تھوڑے عرصہ میں محسوس کر لیا کہ اثر کے لحاظ سے جو بات پیغمبر اسلام کی زندگی کے واقعات میں ہے وہ کسی دوسرے انسان کی زندگی میں نہیں پائی جاتی۔ اور اگر کلام میں سچّی اور پائیدار تاثیر ڈھونڈھنی ہے تو ایسے چشمۂ فیض سے سیراب ہونا چاہیئے جس کا پانی کلام کے حق میں آبحیات بن جائے اور اسے جاودانی زندگی بخش دے۔ پس اس میں شک نہیں کہ حفیظ نے جو مضمون اب چنا ہے وہ خود ذریعۂ الہام ہے۔ اور اس کی شاعری اپنی صفائی اور سادگی کے جوہروں کے ساتھ مذہب اور اخلاق کی علم بردار ہو گئی ہے[۱]

حفیظ کو رسولِ پاک کی ذات اقدس سے والہانہ محبت تھی جس کے تیز و تند اثرات سے شاہنامہ کی جلدوں میں محسوس کرنے کو ملتے ہیں۔ انھوں نے "سببِ تصنیف" کے ضمن میں تفصیل سے بتلایا ہے کہ فردوسی نے ایران کو زندہ کیا تھا۔ وہ توفیق ایزدی کا سہارا لے کر ایمان کو زندہ کرنا چاہتا ہے۔ "سببِ تصنیف" کے چند چیدہ اشعار درج ذیل ہیں۔

تمنا ہے کہ اس دنیا میں کوئی کام کر جاؤں — اگر کچھ ہو سکے تو خدمت اسلام کر جاؤں

---

۱ : تقریب شاہنامہ اسلام۔ جلد اول۔ از اثر قلم آنریبل خان بہادر شیخ سر عبد القادر ص ۔ ۲۱

مسلمانوں پہ ہے مردہ دلی چھائی ہوئی ہر سو — سکوتِ مرگ نے چادر ہے پھیلائی ہوئی ہر سو
گئی دنیا سے آقائے محمدؐ کے غلاموں کی — بھلا بیٹھے ہیں یاد اپنے سلف کے کارناموں کی
ارادہ ہے کہ پھر انکا لہو اک بار گرماؤں — دلِ سنگین سخن کو آتشیں تیروں سے برماؤں
کیا فردوسی مرحوم نے ایران کو زندہ — خدا توفیق دے تو میں کروں ایمان کو زندہ
عجم کا شاہنامہ بس وہ فردوسی کا حصّہ تھا — تخیّل ہی کا ہنگامہ تھا یعنی ایک قصّہ تھا
مگر اس کی زباں اس کا بیاں اعجاز ہے گویا — کہاں کی رستمی وہ خود ہی تیر انداز ہے گویا
مقابل کا کروں دعویٰ یہ طاقت ہے کہاں میری — تخیّل میرا ناقص نامکمل ہے زباں میری
زباں پہلوی کی ہم زبانی ہو نہیں سکتی — ابھی اردو میں پیدا وہ روانی ہو نہیں سکتی
مگر سینے میں دل رکھتا ہوں جس میں جوشِ غیرت ہے — سراسر راکھ ہے لیکن ابھی تک یہ حرارت ہے
کیا ہے روح کو زندہ مدینے کی ہواؤں نے — جگایا خواب سے احساس کی غیبی نداؤں نے[1]

شاعر نے شاہنامہ اسلام جلد دوم میں "سخنہائے گفتنی در پیرایۂ سرگذشت مصنف" کے عنوان کے تحت جو اشعار قلم بند کئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ خدا اور رسولؐ کی محبت بچپن ہی سے اس کی سرشت میں داخل ہو گئی تھی۔ یہ اشعار اس نقطۂ نظر سے بھی اہم ہیں۔ کہ شاعر نے ان میں مسجد و مکتب، اور قدیم و جدید تہذیب پر تقابلی نظر ڈالی ہے ان اشعار کے ضمن میں اس نے اپنے سوانح حیاتی عناصر کثرت سے منتشر کر دئیے ہیں اور لطف یہ ہے کہ یہاں اس کی حیات کے وہی عناصر ملتے ہیں جو شاہنامۂ اسلام کی تخلیق سے منسلک ہیں۔ چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں۔

ابھی لوری نہ تھی جنبش دامانِ مادر نے — کہ دل گرما دیا تھا نعرۂ اللہ اکبر نے
نہ الٹا تھا ابھی مضمون طفلی کا ورق میں نے — دیا تھا بائے بسم اللہ سے پہلا سبق میں نے
ابھی ملبوس گویائی نہ تھا پوری طرح پہنا — کہ سیکھا تھا زباں نے قل ھو اللہ احد کہنا
وظیفہ تھا کلام پاک ہی میرے جد و اب کا — دیا مجھ کو زبانِ مادری نے درس مذہب کا

---

[1] - شاہنامہ اسلام - جلد اول: حفیظ جالندھری صفحات ۳۷، ۳۸، ۳۹

میں اب مسجد میں لے جایا گیا قرآں پڑھنے کو — خدا و مصطفیٰ کی راہ میں پروان چڑھنے کو
مرا استاد حق آگاہ تھا مرد مسلماں تھا — پرستار خدائے پاک تھا پابند قرآں تھا
محبت نے سکھائی تھی تمیز خوب و زشت اسکو — نظر آتا تھا صحرائے عرب باغ بہشت اسکو
وہ کہتا تھا محمد کی محبت جان ایماں ہے — بنائے وحدت ملت ہے پشتیبان ایماں ہے
عمل تھا تابع فرمان قرآن شریف اس کا — رہا وقف ریاضت عمر بھر جسم نحیف اس کا
وہ ذوق نعت خوانی محفل میلاد کے نغمے — وہ معصومانہ طفلی فطرت آزاد کے نغمے
مجھے مسجد سے مکتب کی طرف تقدیر نے کھینچا — تنازع للبقا کی آہنی زنجیر نے کھینچا
مقرر تھے یہاں استاد مجھ کو یہ سکھانے پر — کہ اب اللہ نہیں اک اور حاکم ہے زمانے پر
وہ کہتے تھے ترا اسلام ہے تلوار کا مذہب — مسلمانوں سے نفرت ہے نہایت پیار کا مذہب
کہیں نام جہاد آئے تو رہ رہ کے ہنستے تھے — پرانے نمازیوں کو "راہزن" کہہ کہہ ہنستے تھے
مری روداد نادانی ہے افسانہ در افسانہ — کہیں اکتا نہ جائے دوستوں کی طبع فرزانہ
زباں قابو میں تھی اک داستاں یاد آگئی مجھکو — سنی تھی صحن مسجد میں یہاں یاد آگئی مجھ کو
وہی تاریخ جس کو صدق کا آئینہ کہتے ہیں — نئی تہذیب کے بندے جسے پارینہ کہتے ہیں
خدا کے نام سے خوابیدہ بختوں کے جگانے کو — ہوا میں لب کشا افسانۂ ماضی سنانے کو[1]

شاعر نے شاہنامۂ اسلام میں حضور صلعم کی حیات طیبہ کا تفصیلی نقشہ کھینچا ہے۔ جہاں تک کہ آپ کی حیات مقدسہ کو شعر و سخن کے جامہ میں پیش کرنے کا سوال ہے حفیظ کا یہ اقدام نیا نہیں ہے۔ اس قبیل کی کوششیں اس سے قبل بھی کی گئی تھیں۔ ان مساعی جلیلہ میں "اعجاز محمدی" اور "ہشت بہشت" کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جس امر نے حفیظ کے کارنامے کو تفوق عطا کیا۔ وہ انکا انداز بیان اور شاعرانہ پیرایۂ اظہار ہے۔ جو مندرجہ بالا کتابوں کے لائق مصنفین کے حصہ میں نہ آسکا تھا۔ حفیظ اپنے شاہنامہ میں اس تحریک سے متاثر ہیں جو "حالی

---

[1] شاہنامہ اسلام۔ جلد دوم۔ صفحات ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳

تحریک" کے نام سے منسوب کی جا سکتی ہے۔ حالی کے مسدس کی روح حفیظ کے شاہنامہ میں رواں دواں ہے۔ کلام جب دل کی گہرائیوں سے نکلتا ہے تو اثر سے معمور ہوتا ہے۔ کلام کا اثر جذبہ کی صداقت کا رہین منت ہے۔ حفیظ اپنے جذبات عشق میں صادق تھے۔ وہ معاملات دینی میں کافی متصلب تھے۔ اور مذہبی علوم میں کافی درک رکھتے تھے۔ بانئ اسلام کی مقدس زندگی اور اسلامی تاریخ کے جزئیات سے اچھی طرح آشنا تھے۔ اسی لئے وہ شاہنامۂ اسلام لکھنے کی ذمہ داری کو بحسن خوبی انجام دے سکے۔

شاہنامۂ اسلام کی ایک امتیازی خصوصیت اس کا ایجاز و اطناب ہے جس مضمون کو ادا کرنے کے لئے اور شاعروں کو شعروں کی وافر تعداد درکار ہوتی ہے حفیظ اسی مضمون کو چند اشعار کے ذریعہ ادا کر دیتے ہیں۔ وہ الفاظ کے زبردست رمز شناس ہیں۔ کہ کس لفظ میں کس قدر مفہوم ادا کرنے کی صلاحیت و لیاقت ہے۔ حضور صلعم کا سلسلہ نسب حضرت ابراہیم تک ان کے پسر ارجمند حضرت اسمٰعیل کے ذریعہ پہنچتا ہے۔ شاعر نے بانی اسلام کے تفصیلی ذکر سے قبل خلافت انسانی' افزائش نسل آدم' نور احمدی' اور حضرت خلیل اللہ کے اجمالی بیان کے بعد حضرت اسمٰعیل کا ذکر خیر ذرا تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ حضرت ابراہیم اپنے پسر ارجمند اسمٰعیل اور اپنی بہو یعنی زوجہ اسمٰعیل کو ہمراہ لے کر وادی غیر ذی زرع جا رہے ہیں۔ حفیظ نے اس مختصر سے قافلہ کا صحرائے عرب میں سفر صرف تین اشعار میں بیان کر دیا ہے۔ ان اشعار سے صحرائے عرب کی وحشت نمایاں ہو جاتی ہے۔ اور رہروان صحرا کا تقدس و عظمت بھی عیاں ہو جاتا ہے۔ دوسرا شاعر بیسیوں اشعار حوالۂ قرطاس کر کے بھی اس قدر واضح نقشہ نہ کھینچ پاتا۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔

خدا کا قافلہ جو مشتمل تھا تین جانوں پر	سفر نہ جس کا ہر نا تھا زمینوں آسمانوں پر
چلا جاتا تھا اس تپتے ہوئے صحرا کے سینے پر	جہاں دیتا ہے انساں موت کو ترجیح جینے پر
وہ صحرا جس کا سینہ آتشیں کرنوں کی بستی ہے	وہ مٹی جو سدا پانی کی صورت کو ترستی ہے[۱]

۱۔ شاہنامۂ اسلام۔ حفیظ جالندھری ص۔ ۹۱

شاہنامہ مثنوی کی ساخت میں ہے۔ اس کی بحر مترنم و طویل ہے۔ پوری مثنوی بحر ہزج مثمن سالم (مفاعیلن، مفاعیلن، مفاعیلن، مفاعیلن دوبارہ) میں ہے۔ مثنوی میں حمد کے بعد جو نعت شامل ہے۔ اس میں وصفی انداز بیان اپنایا گیا ہے۔ اس نعت میں بانیٔ اسلام کے اوصاف بہت جامع و مانع انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ پیرایۂ اظہار بہت موجز و معجز ہے۔ شاہنامۂ اسلام میں شامل نعت کے چند منتخب اشعار ملاحظہ ہوں۔

محمد مصطفےٰ محبوب داور سرور عالم — وہ جس کے دم سے مسجود ملائک بن گیا آدم

کیا ساجد کو شیدا جس نے مسجود حقیقی پر — جھکایا عبد کو درگاہِ معبود حقیقی پر

دلائے حق پرستوں کو حقوق زندگی جس نے — کیا باطل کو غرق موجۂ شرمندگی جس نے

غلاموں کو سریرِ سلطنت پر جس نے بٹھلایا — یتیموں کے سروں پر کر دیا اقبال کا سایا

وہ جس نے تخت اوندھے کر دیئے شاہان جابر کے — بڑھائے مرتبے دنیا میں ہر انسان صابر کے

دلایا جس نے حق مزدور کو عالی تباری کا — شکستہ کر دیا ٹھوکر سے بت سرمایہ داری کا

محمد مصطفےٰ مہر سپہر اوج عرفانی — ہے جس کے سبب تاریک فردوں کو درخشانی

وہ جس کا ذکر ہوتا ہے زمینوں آسمانوں میں — فرشتوں کی دعاؤں میں مؤذن کی اذانوں میں

وہ جس کے معجزے نے نظم ہستی کو سنوارا ہے — جو بے یاروں کا یارا ہے بے سہاروں کا سہارا ہے

وہ نورِ لم یزل جو باعث تخلیق عالم ہے — خدا کے بعد جس کا اسم اعظم اسم اعظم ہے [1]

شاعر نے آنحضرت صلعم کی دنیا میں آمد سے متعلق جو اشعار جوالۂ قرطاس کئے ہیں اس میں آپ کے سبب تخلیق کائنات ہونے کے مضمون کو پس منظر کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ شاعرانہ انداز بیان نے ان اشعار میں جان ڈال دی ہے۔ اشعار کی برنائی و رعنائی عاشقین رسول پر وجد کا عالم طاری کر دیتی ہے۔ چند ابیات ملاحظہ ہوں۔

---

[1] ۔ شاہنامۂ اسلام جلد اول۔ حفیظ جالندھری۔ صفحات ۳۶ ۔ ۳۷

خلیل اللہ نے جس کے لئے حق سے دعائیں کیں   ذبیح اللہ نے وقت ذبح جس کی التجائیں کیں
جو بن کر روشنی پھر دیدۂ یعقوب میں آیا   جسے یوسف نے اپنے حسن کے نیرنگ میں پایا
کلیم اللہ کا دل روشن ہوا جس ضوفشانی سے   وہ جس کی آرزو تھی خضر کی جواب لن ترانی سے
وہ جس کے نام سے داؤد نے نغمہ سرائی کی   وہ جس کی یاد میں شاہ سلیماں نے گدائی کی
دل یحییٰ میں ارماں رہ گئے جس کی زیارت کے   لب عیسیٰ پہ آئے وعظ جس کی شان رحمت کے
وہ دن آیا کہ پورے ہو گئے تورات کے وعدے   خدا نے آج ایفا کر دئیے ہر بات کے وعدے
یہ کس کی جستجو میں مہر عالم تاب پھرتا تھا   ازل کے روز سے بے تاب تھا بے خواب پھرتا تھا
یہ کس شوق میں بیتھرا گئیں آنکھیں ستاروں کی   زمیں کو تکتے تکتے آ گئیں آنکھیں ستاروں کی
یہ سب کچھ ہو رہا تھا ایک ہی امید کی خاطر   یہ ساری کاہشیں تھیں ایک صبح عید کی خاطر[1]

شاعر کا قلم پیغمبر اسلام سے متعلق اشعار شاہنامہ میں آجاتا ہے۔ اور وہ بہت شیفتگی و عقیدت کے ساتھ آنحضرت صلعم کی زندگی نعت بیان کرنے لگتا ہے۔

ضعیفوں بے کسوں آفت نصیبوں کو مبارک ہو   یتیموں کو غلاموں کو غریبوں کو مبارک ہو
خبر جا کر سنا دو شش جہت کے زیردستوں کو   زبردستی کی جرأت اب نہ ہوگی خود پرستوں کو
معین وقت آیا زور باطل گھٹ گیا آخر   اندھیرا مٹ گیا ظلمت کا بادل چھٹ گیا آخر
مبارک ہو کہ دور راحت و آرام آ پہنچا   نجات دائمی کی شکل میں اسلام آ پہنچا
مبارک ہو کہ ختم المرسلین تشریف لے آئے   جناب رحمۃ للعالمین تشریف لے آئے[2]

ولادت کے بعد یتیمی، آپ کا حلیمہ کی گود میں پلنا، دادا کے زیر سایہ تربیت پانا، جوان ہونا، سچائی اور امانت داری میں شہرت پانا۔ حضرت خدیجہ رضہ کے ساتھ شادی، وحی نازل ہونا اور اعلان رسالت کے بعد تاریخی واقعات اختصار کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ حفیظ کو منظر نگاری اور مرقع نگاری میں بھی ید طولیٰ

۱۔ شاہنامۂ اسلام: ص ۔ ۱۴۷

۲۔ شاہنامہ اسلام: حفیظ جالندھری صفحات ۱۴۰ - ۱۴۱

حاصل ہے۔ شاعر نے مدینہ طیبہ میں بانیٔ اسلام کے داخلے کی شان کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔ کہ سارا منظر آنکھوں کے سامنے دکھائی پڑتا ہے۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر واقعہ سامنے وقوع پذیر ہو رہا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہوا چاروں طرف اقصائے طیبہ میں پکار آئی ۔ بہار آئی ، بہار آئی ، بہار آئی
جوان و پیر و مرد و زن سراپا چشم بیٹھے تھے ۔ بہار آنے کو تھی گلشن سراپا چشم بیٹھے تھے
اب استقبال کو دوڑے بنی نجار سج دھج کر ۔ بڑھے انصار بن کر اور چلے ہتھیار سج سج کر
جنوبی سمت اٹھا ایک نورانی غبار آخر ۔ سواد شہر میں داخل ہوا ناقہ سوار آخر
فضا میں بس گئیں توحید کی آوازِ تکبیریں ۔ یہ تکبیریں تھیں یا [illegible]ے گلو پر تیز شمشیریں
صحابہ پیچھے پیچھے چل رہے تھے سر بکف ہو کر ۔ کھڑے تھے راہ میں انصار ہر سو صف بصف ہو کر
مسلماں بی بیاں گھر کی چھتوں پر جمع ہو کر ۔ نظر سے چومتی تھیں عصمت داماں پیغمبر [1]

حفیظ نے شاعرانہ صداقت کے ساتھ تاریخی واقعیت کا پورا لحاظ رکھا ہے۔ انھوں نے انھیں روایات کو شعری جامہ پہنایا ہے۔ جن کی صحت تاریخی اعتبار سے مسلّم ہے۔ انھوں نے جابجا ایسے نوٹ دیئے ہیں جن سے روایات منظومہ کے ماخذ کا پتہ چلتا ہے۔ روایت کو صداقت کے ساتھ نظم کرنے میں اپنی احتیاط کے بارے میں شاعر نے کچھ اشعار "عذر مصنّف" کے عنوان سے درج کئے ہیں۔ جن میں سے چند ابیات بطور نمونہ لکھے جاتے ہیں۔

مجھے ملحوظ ہے اس تذکرے میں راست گفتاری ۔ وگرنہ شاہبازِ فکر اڑنے سے نہیں عاری
جو موضوعِ سخن مجھ کو اجازت اک ذرا دیتا ۔ زمینوں کو اٹھا کر آسمانوں پر بٹھا دیتا
مجھے گر یاد ہیں قطرے کو طوفاں کر دکھانے کی ۔ کسی ذرّے کو وسعت میں بیاباں کر دکھانے کی [2]
میرے دامن میں ہے ابر خزانی بھی بہاری بھی ۔ کہ ہے آتش فشانی بھی نفس میں برفباری بھی

1۔ شاہنامہ اسلام جلد اول صفحات ۲۴۲ - ۲۴۳

2۔ شاہنامہ اسلام جلد دوم ص - ۲۱۳

تخیل پر نہیں بنیاد میرے شاہنامے کی　　صداقت کی طرف جاتی ہے راہِ راست خامہ کی
نہ کوئی داستاں ہے جس میں لطف داستاں بھر دوں　　نہ افسانہ ہے جس کو جس طرح چاہوں بیاں کر دوں
یہ قرآنی بیاں ہے ایک کالی کملی والے کا　　کہ جس کے نور سے ظلمت نے منہ دیکھا اجالے کا[۱]

لیکن حفیظ کا کمال یہ ہے کہ اس نے صداقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی رنگین بیانی سے بعض واقعات میں دلکشی پیدا کر دی ہے۔ ایسے مقامات وہ ہیں جہاں اس کے اشہبِ قلم کو یہ دکھانے کا موقع مل گیا ہے کہ اگر بے زبان بولتے تو وہ اس طرح بولتے۔ مثال کے طور پر وہ اشعار ملاحظہ فرمائیں جو انھوں نے "دعائے صحرا" کے عنوان سے کہے ہیں۔ معرکہ بدر کے لئے اسلامی لشکر کا ورود ایسے مقام پر ہوتا ہے جہاں پینے کو پانی نہ تھا۔ بانیٔ اسلام کا چھوٹا سا لشکر جو تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھا۔ ریگستان بے آب میں پانی کی تلاش میں ہے۔ اس وقت حسنِ اتفاق سے پانی برس جاتا ہے۔ حفیظ نے اس چھوٹی سی بات کو تخیل کے سہارے دلکش انداز میں اس طور پر نظم کیا ہے کہ یہ بات غیر اہم ہوتے ہوئے بہت جاندار ہو گئی ہے۔ اس نے شاعرانہ پیرایۂ اظہار اپنا کر صحرا کے دل میں یہ تمنا پیدا کی کہ جس طرح ہو سکے وہ اپنے مقتدر مہمانوں کو سیراب کر دے۔ اس نے بہت تضرّع کے ساتھ بارگاہِ ایزدی میں دعا مانگی کہ وہ آسمان سے پانی برسا دے۔ صحرا کی یہ دعا قبول ہو جاتی ہے اور پانی برسنے لگتا ہے۔ شاعر نے تخیل کا زور دکھایا لیکن واقعہ کی صورت مسخ نہیں کی۔ واقعہ اپنی جگہ رہا کہ مینہ برسا اور لشکرِ اسلام کی ضروریات پوری ہو گئیں۔ لیکن بدائعِ اسلوب اور جدّتِ اظہار نے بیانِ واقعہ کو جاذبِ سامعہ اور دلآویز بنا دیا۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

کہ اے صحرا کو آتشناک چہرہ بخشنے والے　　رخِ خورشید کو کرنوں کا سہرا بخشنے والے
ازل کے دن سے اب تک بھاڑ میں جھلستا رہا ہوں میں　　صدائے رعد و باراں دور سے سنتا رہا ہوں میں

۱۔ شاہنامہ اسلام۔ جلد دوم۔ صفحہ ۲۱۴

خبر کیا تھی یہاں تیرے نمازی آ کے ٹھہریں گے
شہید آرام فرمائیں گے غازی آ کے ٹھہریں گے

خبر ہوتی تو میں شبنم کے قطرے جمع کر رکھتا
چھپا کر ایک گوشے میں مصفا حوض بھر رکھتا

وہ پانی ان مقدس میہمانوں کو پلا دیتا
میں اپنی تشنگی دیدار حضرت سے بجھاتا

میرے سر پر سے گزرا نوح کے طوفان کا پانی
تأسف ہے کہ مجھ سے ہو گئی اس وقت نادا

اگر کرتا میں اس پانی کی تھوڑی سی نگہداری
تو بہہ جاتا میری آنکھوں سے چشمہ کی طرح جاری

تیرے محبوب کے پیارے قدم اس خاک پر آئے
الٰہی حکم دے سورج کو اب آتش نہ برسائے

اگر اب میرے دامن سے ہوائے گرم آئے گی
تو مجھ کو رحمۃ اللعالمین سے شرم آئے گی

جلیل الشان مہمانوں کا صدقہ مہربانی کر
عطا بہر وضو ان کے لئے تھوڑا سا پانی کر[۱]

ان تاریخی واقعات کو شاہنامہ کا موضوع بنانا، جن میں سر مو تحریف روا نہیں۔ ایک مشکل کام تھا۔ جس سے عہدہ برآ ہونا۔ ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی۔ پروفیسر محمد دین تاثیر نے درست لکھا ہے کہ:

"سلف کے کارناموں کو ولولہ انگیز طریقے سے سنانا یہ ہے شاعر کا مقصد! ---------- حفیظ نے اپنے مقصد کو اس طرح متعین کر کے اپنے راستے میں بہت سی مشکلیں پیدا کر لی ہیں۔ ہومر کے سامنے ایک افسانہ تھا۔ جس میں وہ عشق و محبت، حسد و نفاق، رقابت اور جنبہ داری کی کشاکش کے ساتھ ہر طرح کے عقلی و غیر عقلی واقعات بیان کئے جاتا تھا۔ فردوسی کے شاہنامہ کا زمانہ بھی ماقبل تاریخ ہے۔ ہمارے مرثیہ نگاروں نے تاریخ کو طلسم بنا رکھا ہے۔ جو چاہا ہے جس طرح چاہا ہے گھڑ ڈالا ہے۔ حفیظ ان سب کے بعد آتا ہے۔ اور سب سے زیادہ مشکل

۱۔ شاہنامۂ اسلام۔ جلد دوم صفحات ۴۷-۴۸

ہم پیش نظر رکھ لیتا ہے۔ اس کے سامنے کوئی ایسی مثال نہیں جو اس کی رہنمائی کر سکے۔ وہ اپنی منزل آپ تلاش کرتا ہے اور اپنا راستہ بھی خود ہی بناتا ہے۔ یقیناً اس کا راستہ پل صراط سے زیادہ کٹھن ہے۔ تخیل کو دبائے تو شاہنامہ منظوم تاریخ رہ جائے۔ واقعات کو بدلے تو تحریف کا مرتکب ٹھہرے یہی تکالیف اس کے حق میں رحمت بن جاتی ہے۔ یہی مشکلات اس کی کامیابی کو غیر فانی بنا دیتی ہے[1]۔

ڈاکٹر محمد عقیل نے "اردو مثنوی کا ارتقا" میں لکھا ہے۔

"وہ شاہنامہ لکھتے وقت ایک قدم تاریخ دیکھ کر اٹھاتے ہیں۔ تاکہ واقعات تمام صحیح نظم ہوں مگر اس صحت نے شاعرانہ جذبات کا گلا گھونٹ دیا۔ پھر بھی واقعات صحیح نظم نہ ہو سکے۔ اس لئے کہ تاریخ اسلام بڑی اختلاف آمیز ہے۔ فردوسی نے اپنے موضوع کے لئے ایسے دور کا انتخاب کیا تھا جس کی صحیح تاریخ نہ تھی۔ دوسرے اسے تاریخ کی پرواہ بھی نہ تھی"[2]

لیکن حفیظ کا اس قدر کمال ایک امر مسلم ہے۔ کہ اس نے تاریخ سے واقعات اخذ کرتے وقت تاریخ کے اختلافات پر پوری نظر رکھی ہے۔ اور جہاں تک ممکن تھا تحقیق کر کے راجح روایات کو اپنایا ہے۔ اس نے تاریخ اسلام کے بیان میں اکثر و بیشتر قرآن و احادیث سے استفادہ کیا ہے۔ اور فٹ نوٹ پر حوالہ جات بھی

---

[1] اردو مثنوی کا ارتقا: ڈاکٹر سید محمد عقیل ص ۲۵۷

[2] ۔ شاہنامہ اسلام۔ جلد دوم۔ معیار از ڈاکٹر محمد دین تاثیر۔ صفحات/ ۲۱-۲۲

دے دیئے ہیں۔ اس نے واقعات کی تصدیق میں تاریخی تفصیلات بیان کی ہیں۔ اور اسلاف کے کارناموں کو مصور الفاظ اور مناسب اصوات سے زندہ کر دکھایا ہے۔ اس نے تاریخ دن ماہ تعداد اور مقامات کے تعین سے تاریخی صداقت میں واقعیت کی فضا کو گہرا کرنے کا کام لیا ہے۔ اور مرقع نگاری کا وہ کمال دکھلایا ہے کہ قاری و سامع کی آنکھوں کے سامنے جیتی جاگتی چلتی پھرتی تصویریں گھومنے لگتی ہیں۔ یہی حفیظ کا کمال ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

مبارک جمعہ کا دن سترھویں تھی ماہ رمضان کی ‏ شہادت گاہ میں فوج آ ہی پہنچی اہل ایماں کی[۱]

یہ بستر اونٹ، دو گھوڑے سیراب ہو جاتے ‏ مجاہد بھی وضو کرتے نہاتے، غسل فرماتے[۲]

بنایا ایک عریشہ پھونس کا ارباب ہمت نے ‏ قیام اس میں کیا بحر وغا فخر رسالت نے

نبی نے امر فرمایا کہ دو اہل نظر جائیں ‏ کہاں اترتی ہوئی ہے فوج قریشی کی خبر لائیں

علی اور سعد نے بڑھ کر نظر ہر سمت دوڑائی ‏ قریشی کافروں کی چھاؤنی چھائی ہوئی پائی

پلٹ کر عرض کی فوج گراں معلوم ہوتی ہے ‏ زمیں گویا حریف آسماں معلوم ہوتی ہے

مقام عدوۃ القصویٰ کا ٹیلہ اک طرف رکھ کر ‏ ہے آسودہ خدا کے دشمنوں کا اک بڑا لشکر[۳]

حفیظ نے کہیں کہیں صوتی آہنگ سے معانی کی وضاحت اس طور پر کی ہے۔ کہ اگر ان اشعار کو اردو سے ناواقف اجنبی سن لے تو بھی صرف اصوات کے ذریعہ معانی کا بخوبی اندازہ لگا سکے گا۔

نہاں اس ابر میں ڈھولوں کی ڈھم ڈھم، دف کی دف دف تھی
مغلظ گالیوں کا شور تھا، کتوں کی عف عف تھی[۴]

۱۔ شاہنامہ اسلام جلد دوم ص ۴۵

۲۔ " " " صفحات ۵۰ - ۵۱

۳۔ " " " ص - ۵۰

شاعر نے جنگ بدر کی نقشہ کشی میں ایک مقام پر امڈتی، دوڑتی، اٹھتی، بڑھتی، پھیلتی اور چڑھتی کے ذریعہ معانی کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ ہیجانی الفاظ پے بہ پے آکر مدعا کے اظہار میں شاعر کے ممد و معاون ہوتے ہیں۔

امڈتی، دوڑتی، اٹھتی ہوئی، بڑھتی ہوئی آندھی
زمین پر پھیلتی افلاک پر چڑھتی ہوئی آندھی

شاہنامہ میں ہر واقعہ کا آغاز، وسط اور اختتام ہے اور ہر واقعہ میں جزئیات اس طرح سموئے گئے ہیں کہ یکسانیت کی اکتاہٹ نہیں آنے پاتی ہے۔ اس نے ہر جگہ تنوع پیدا کر کے اکتاہٹ کو پاس نہیں آنے دیا۔ اس نے تنوع کو انفرادی حیثیت سے برقرار رکھا ہے۔ اور جب مختلف کردار اور ان کے افعال و اعمال ازدحام کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ تب بھی کردار اور افعال و اعمال کی متعلقہ خصوصیات بعینہ باقی رہتی ہیں۔ حفیظ کی فطرت میں قدرت کی یہ ایک ایسی ودیعت ہے جو اسے فردوسی سے بھی برتر بنا دیتی ہے۔ فردوسی جب انفرادی جنگ دکھلاتا ہے تو اس کے مختلف انداز اور داؤ پیچ نیز ہر ایک کی جنگ کا منظر الگ ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ گھمسان کی جنگ دکھلاتا ہے تو ہر بڑے پہلوان کا انداز ایک ہو جاتا ہے۔ رستم، گیو اور بیژن ایک ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ نیزے کی کاٹ، تلوار کی ضرب اور گرز کی مار بھی یکساں ہو جاتی ہے[1] لیکن حفیظ کے یہاں انفرادی جنگ کا انداز جدا ہوتا ہے۔ اور اجتماعی جنگ کا انداز الگ۔ حضرت علی، حضرت حمزہ، حضرت طلحہ کا انداز ضرب الگ ہے۔ اور اجتماعی جنگ میں بھی پہچانا جا سکتا ہے۔ کہ یہ

---

[1] ۔ مضمون "المیہ و رزمیہ شاعری اور میر انیس"
محمد اسمٰعیل آزاد "سب رس" ماہنامہ حیدر آباد، دسمبر ۱۹۷۵ء

حضرت سعد کا تیر ہے یا ابن افلح کا نیزہ، حضرت علی کی جنگ ہے یا الجو دجانہ کی حرب۔ انفرادی جنگ کا منظر ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت علی اور ولید کا مقابلہ ہے۔

ادھر حمزہ کے ہاتھوں عتبہ فرش خاک پر لیٹا
علی سے تھا ادھر تیغ آزما مقتول کا بیٹا
پدر کے خون سے منہ ہو گیا غصہ میں لال اس کا
بھڑک اٹھا بدن پر مثل شعلہ بال بال اس کا
علم کی اور چمکس ہو کے تیغ آبدار اس نے
کئے بڑھ کر سنبھل کر پے بہ پے سات آٹھ وار اس نے
علی اس شان سے رد کرتے تھے اس کے واروں کو
کہ ہوتا تھا تعجب نوجوان پر پختہ کاروں کو
کبھی رد کر دیئے جھک کر کبھی خالی دیئے ہٹ کر
یہ آگے بڑھ کے منہ پر آ گئے وہ رہ گیا گھٹ کر
زرہ بکتر کو الجھن چار آئینوں کو سکتہ تھا
مگر عتبہ کا بیٹا وار کرنے سے نہ تھکتا تھا
یکایک وار خالی دے کے حیدر کو جلال آیا
کہ نازک وقت گزرا جارہا ہے یہ خیال آیا
کیا نعرہ ہمارا ابھی تو لے اک وار او کافر
سنبھل دیکھ آئی یہ اللہ کی تلوار او کافر
صدائے شیر حق سے چھائی ہیبت قلب دشمن پر
سپر اٹھنے نہیں پائی کہ آئی تیغ گردن پر
نہ پائی دیکھنے والی نگاہوں نے بھی آگاہی
کب اٹھی کب گری کیسے پھری تیغ ید اللٰہی

عجب بجلی تھی چمکی اور چمکتی ہی نظر آئی
زر خالص تھی کندن سی دمکتی ہی نظر آئی

حفیظ نے انفرادی جنگ میں کہیں کہیں پُر شگفتہ ظرافت پیدا کر دی ہے۔ جس سے قاری و سامع کے مشتعل جذبات کو قدرے سکون ملتا ہے۔ اور وہ نیا دم لے کر آگے بڑھتے ہیں۔ اس سلسلے کے صرف تین ابیات ہدیۂ ناظرین ہیں۔

نظر آیا کہ یہ انساں نہیں پتلا ہے آہن کا
کوئی حصہ جز آنکھوں کے نظر آتا نہیں تن کا
بشر تھا یہ کہ تھا بیڈول اک ڈھول لوہے کا
چڑھا رکھا تھا جس نے تن کے اوپر خول لوہے کا
یہ کل آہن کی شاید ڈھل کے آئی تھی جہنم سے
زمیں پہ اپنے پیروں چل کے آئی تھی جہنم سے[1]

حفیظ نے رزم و بزم کے مناظر پُر زور اور دلآویز انداز میں بیان کئے ہیں۔ انھوں نے شاہنامہ اسلام جلد سوم میں ایک گیت لکھا ہے۔ یہ گیت عربی زبان کے اس مشہور گیت کا ترجمہ ہے جو ان خواتین قریش نے گایا تھا' جو مخالف اسلام قریش کو جنگ پر ابھارنے اور لڑائی کا حوصلہ دینے آئی تھیں۔ حفیظ نے عربی گیت کی روح بڑی خوبصورتی کے ساتھ اردو الفاظ کے قالب میں منتقل کر دی ہے۔ الفاظ سبک، شیریں اور رواں دواں ہیں۔ لہجہ میں لطافت 'نسوانیت' اور غنائیت ہے۔ گانے کے قابل بنانے کے لئے چھوٹی بحر کا انتخاب کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ہم بجلیاں انوار کی ہم ناریاں ہیں نار کی
ہم دختریں ہیں نور کی ہم مشعلیں ہیں طور کی
ہم پیاریاں ہیں پیار کی
ہم ناریاں ہیں نار کی

---

[1] شاہنامہ اسلام جلد دوم ص ۲۳

چلتی ہیں قالینوں پہ ہم جیسے چلیں کبک دری
رکھتی ہیں سر سینوں پہ ہم باصد ادائے دلبری
ہم طلسم رنگ و بو
حسن نظر کی آبرو
مانگیں ہماری مشکبو
تسمے ہیں پازیب گلو لڑیاں در شہوار کی
ہم بجلیاں انوار کی
ہم ناریاں ہیں نور کی
ہم ہیں ستارہ زادیاں افلاک کی شہزادیاں
دکھلاؤ گے جرأت اگر لاؤ گے انسانوں کے سر
دیں گی مبارکبادیاں
افلاک کی شہزادیاں
رکھے جو بستر کی طلب وہ جنگ کی سختی سہے
تمثال شیر پر غضب خونریز و درندہ رہے
سینے پہ چرکے کھاؤ گے
ہم سے گلے مل جاؤ گے
گر بزدلی دکھلاؤ گے
آغوش بستر پاؤ گے اجڑی ہوئی آبادیاں
ہم ہیں ستارہ زادیاں
افلاک کی شہزادیاں[۱]

صاف سادہ لفظوں اور چھوٹی بحروں میں گانے کے لائق نظم لکھنے

۱ - شاہنامہ اسلام جلد سوم صفحات ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۳۲

حفیظ کو جو درک حاصل ہے۔ وہ بہت کم شاعروں کے نصیب میں آیا ہے۔ انھوں نے ایک گیت علم نبوی کی مقدس شان میں لکھا ہے۔ جس میں ترانہ کے سبھی خواص موجود ہیں۔

حفیظ کے حسن کلامی کی دلکشی اور دیدہ زیبی وہ شیریں کلامی ہے جو شاعری کے پیکر میں ہماری اردو نعت کا ایک گرانمایہ حصہ ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں منتخب تراکیب، غرابت الفاظ، دقت معانی، نادر اسلوب، جستہ جستہ تلمیحات، شیریں زبان، ملیح سادگی، محبت کے انداز بیان کے پہلو، حقائق کے وفور، صداقت کی فراوانی، مجاز کی جھلک، تشبیہات و استعارات کی رنگینی، ادب و لحاظ کے لہجے رتبہ شناسی کے رموز، قابل تحمل مبالغہ، متین و مستحکم تصریحات، سلیس اور عیاں توضیحات، شگفتہ بندشیں اور پرشکوہ و تمکنت خیز تعبیریں، غرضیکہ وہ سب کچھ برتا ہے جو شاعری کے لوازم شمار ہوتے ہیں۔ انھیں عالم طفلی سے شعر و شاعری کا ذوق تھا۔ جو طفولیت سے شباب، کہولت اور شیوخت غرضیکہ ہر دور میں تاباں و درخشاں رہا اور زندگی کے کسی مرحلے میں ماند نہیں پڑا۔ انھوں نے عرصۂ حیات کے کسی دور میں شغل شاعری سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی۔ اور نہ ان کے اس شغل شاعری میں مشاغل دنیوی یا فرائض منصبی ہی حارج و مانع ہوئے۔ ان کے کلام میں جوش و خروش، تہذیب و تزکیہ، تزئین و ترصیع، نقاشی و صناعی، صفائی و صیقل گری اور ان قیود و حدود، لوازم و تلازم کے ساتھ روانی، موسیقی، دلکشی و رعنائی، سامعہ نوازی، مست ذوقی، صورت و معنی کے تمام محاسن کی فراوانی اور بہتات ہے۔

حفیظ کے یہاں خالص نعت کے اشعار میں اکثر وصفی انداز بیان اپنایا گیا ہے۔ نمونہ کے طور پر اس نعت کا استحضار کیجئے، جو شراره بو لہبی در پئے چراغ مصطفوی" کے عنوان کے تحت حوالہ کردہ اشعار میں محمد صلعم کے نام آجانے پر بیساختہ قلم حفیظ سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو گئی ہے۔ شاعر نے بانی اسلام کو

جانِ عالم، فخرِ آدم، ہادیٔ اکرم، امام الانبیاء، خیر البشر، پیغمبرِ اعظم، جمالِ اولین، پیکرِ نوری، کاشفِ سِرِّ ظہور و رمزِ مستور، امین، صادق الوعد، رحمۃ للعالمین، شاہد، مبشر، نذیر، آمر و ناہی، حاکم، مطاع، صاحبِ خلقِ عظیم، ناشرِ حکمت، مصدرِ فیضِ عمیم، شافعِ امت، بصورت نورِ سبحانی، بمعنی ظلِ رحمانی، پیامِ زندگی، مظہرِ تائیدِ ربانی، سراجِ نورِ حق، ماحیٔ باطل، زمین و آسمان، ماہ و انجم کو منور کنندہ، مزکی، مبلغ، ——

صاحبِ ام الکتاب، امّی، داعی الی اللہ، رہنمائے شیخ و شاب، رؤف رحیم، مدثر، مزمل، یٰسٓ، طٰہٰ، خطاپوش، عطاپوش، خلیق و کریم، اقدامات اسرا کا اہل، آیات کبریٰ کا نقاب کشائندہ، سنتہائے حسنِ معانی کا بفاصلہ، قوسین او ادنیٰ ملاحظہ کنندہ، اہلِ محبت کا بشیر، اہلِ خصومت کا نذیر، دینِ فطرت کا معلم، درسِ حکمت کا مبلغ، مطلوبِ خلائق، محبوبِ خدا، ابوابِ اسرارِ قدم کا فاتح، بنائے عرش و کرسی، باعثِ لوح و قلم، شمس الضحیٰ، بدر الدجیٰ، حاکم بامر اللہ، درد آگاہِ محکوماں، وغیرہ وغیرہ کہہ کر وصفی انداز میں آپ کی نعت لکھی ہے۔ حفیظ کی یہ نعت وصفی اندازِ اظہار کے نقطۂ نظر سے کافی جامع و مانع ہے۔ ان کی اس نعت میں بانیٔ اسلام کے جتنے اوصاف نظم کئے گئے ہیں، اتنے اوصاف شاید ہی کسی ایک نعت میں مل سکیں۔ اس نے سبھی اوصاف قرآن کریم سے مقتبس کئے ہیں۔

حفیظ نے بعض مقامات پر بہت اچھی جذبات نگاری کی ہے۔ انھوں نے وصفی اظہار بیان میں بانیٔ اسلام کے ان اوصاف کو کثرت سے نظم کیا ہے، جو کسی نہ کسی طرح آنحضرت کی بعثت سے متعلق ہیں۔ اس نے متعدد مقامات پر نبی اکرم صلعم کے جلال کے مرقعے بھی پیش کئے ہیں۔ جن سے محاکات نگاری میں شاعر کی فنی حذاقت کا اندازہ ہوتا ہے۔ شاہنامۂ اسلام میں بانیٔ اسلام کی جلالی شان کو ظاہر کرنے والے مناظر بھی بکھرے ہوئے ہیں۔ اس قسم کا ایک منظر ملاحظہ ہو

نبوت کا جلالی رنگ چہرے سے ہویدا تھا
کہ جس کی ضو سے ذرے ذرے میں خورشید پیدا تھا

لباس جنگ پہنا آج سردار دو عالم نے
خدا کی فوج اوّل کے سپہ سالار اعظم نے
شرف بخشا زرہ کو چشم ہستی کے اُجالے نے
سر اقدس پہ رکھا خود کالی کملی والے نے [1]

بانیٔ اسلام کے داماد ابو العاص اسیران بدر میں شامل تھے پیغمبر اسلام کی دختر اور ابو العاص کی زوجہ نے اپنے شوہر کے فدیہ میں وہی ہار بھیجا، جو ان کی ماں حضرت خدیجہ نے ان کو جہیز میں دیا تھا۔ حفیظ نے اس منظر کی نقشہ کشی کے ذریعہ جذبات نگاری میں اپنی فنی مہارت کے ثبوت بہم کئے ہیں۔ یہ منظر بہت دلاویز ہے۔ چند ابیات ملاحظہ ہوں:

ملا تھا قیمتی اک ہار ان کو تحفۂ شادی — اسی کو بھیج کر چاہی گئی شوہر کی آزادی
نظر آیا جونہی یہ ہار دل حضرت کا بھر آیا — سمٹ کر ابر گوہر بار پلکوں پہ اتر آیا
خدیجہ طاہرہ اس قلب میں آباد تھی اب تک — محبت اور نیکی اور خدمت یاد تھی اب تک
کہا بیٹی نے ماں کی یادگار ارسال کر دی ہے — یہ دولت بہر شوہر آج استعمال کر دی ہے
مناسب ہو تو لوٹا دو یہ پیاری یادگار اسکو — کہ بہر یاد مادر بس غنیمت ہے یہ ہار اسکو [2]

حفیظ نے کہیں کہیں اظہار بیان میں وہ پیرایہ اختیار کیا ہے جس سے بیان واقعہ میں ڈرامائی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ یہ ڈرامائی کیفیت ان مقامات پر زیادہ دلاویز ہے۔ جہاں شاعر نے مکالماتی انداز اپنایا ہے۔ ذیل میں ایک نمونہ درج کیا جاتا ہے۔

پکارا جان جاؤ عمرو ابن عبدود میں ہوں — ذرا پہچان جاؤ اور کوئی ہے کہ خود میں ہوں
یہ سنتے ہی علی المرتضیٰ نے دی صدا میں ہوں — فداکار محمد مصطفیٰ نام خدا میں ہوں

---

[1] ۔ شاہنامہ اسلام جلد دوم ص ۲۴۷
[2] ۔ " " " " ص ۱۹۰

وہ کافر پھر پکارا ہے کوئی جو سامنے آئے ۔۔۔ سبرد آزما ہو مجھ سے آکے جرأت اپنی دکھلائے

نہ بولا اور کوئی شاہ مرداں نے کہا میں ہوں ۔۔۔ یکے از سرفروشان محمد مصطفٰی میں ہوں

رسول اللہ نے شفقت سے رکھا ہاتھ شانے پر ۔۔۔ کہا یہ ابن عبدود ہے بیٹھو فرزند اے حیدر

میں وہ ہوں جس سے زہر آب ہے جنگل کے شیروں کا ۔۔۔ شجاعوں کا کشندہ اور قاتل ہوں دلیروں کا

تیرا کیا نام ہے تو کون ہے او پیکر خاکی ۔۔۔ کہ حد وانتہا سے بڑھ گئی ہے تیری بےباکی

کہا مجھ کو علی کہتے ہیں اک بندہ خدا کا ہوں ۔۔۔ میرا اتنا ہی دعویٰ ہے کہ خادم مصطفٰی کا ہوں[1]

حالی نے اپنی قومی شاعری سے مسلمانوں کو خواب گراں سے بیدار کرنے کا کام لیا۔ اقبال اور حفیظ بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ حفیظ نے شاہنامہ کے ذریعہ امت مسلمہ کو مائل بہ ارتقا کرنے کی کوشش کی۔ اور اسلام کے وہ اصول بیان کیئے جن کے متعلق خدائے بزرگ برتر نے کہا کہ زمین میں تم ہی غالب رہو گے۔ بشرطیکہ تم مسلمان ہو۔ انھوں نے "عذر مصنف" کے تحت واضح لفظوں میں کہا ہے۔

میرا مقصود اتنا ہے کہ انساں نیک ہو جائیں ۔۔۔ خدا کو ایک مانیں اور خود بھی ایک ہو جائیں

وہی مقصود ہے میرا جو مقصود صداقت ہے ۔۔۔ وہی معبود ہے میرا جو معبود صداقت ہے

ہوئی اس راہ وحدت میں تلاش رہنما مجھ کو ۔۔۔ نظر آیا نہ کوئی "کالی کملی والے" کے سوا مجھ کو

شاعر کو اپنے اشہب قلم کی قوت کا احساس ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ۔

نہیں نا آشنا میرا قلم رنگیں نگاری سے ۔۔۔ زمین شعر ہے فردوس میری لالہ کاری سے

صداقت کا اگر میں خون کرنے پر اتر آتا ۔۔۔ تو صحرائے عرب میں بحر احمر ہی نظر آتا

لیکن اس کو اس امر کا بھی احساس ہے کہ:

نہیں جائز نہیں اس تذکرہ میں رنگ آمیزی ۔۔۔ گنہ ہے ان نہ مینوں پر سمند طبع کی تیزی

یہ اس کا تذکرہ ہے جو مبلغ تھا صداقت کا ۔۔۔ دکھایا معجزہ جس نے صداقت ہی کی طاقت کا

مجھے ہے عاقبت کی فکر میں اللہ سے ڈرتا ہوں ۔۔۔ ادب لازم ہے محبوب خدا کا ذکر کرتا ہوں

---

[1] شاہنامۂ اسلام۔ جلد چہارم صفحات ۱۹۲ ـــ ۱۹۳

اس لئے اس نے صاف طور پر کہہ دیا کہ۔

بیاں میں اختصار و سادگی ملحوظ رکھی ہے بڑی مشکل سے جان و اقعہ محفوظ رکھی ہے
یہاں عائد ہے مجھ پر نصِ قرآنی کی پابندی کہ ہے اس سے تجاوز میں خدا کی نارضامندی

حفیظ نے جو کچھ کہا ہے دل کی گہرائیوں میں ڈوب کر کہا ہے۔ ان کے کلام میں خلوص، صداقت، عقیدت، عاجزی، انکساری، اور وہ ایمانی جذبہ ہے جو عالی مرتبت بزرگوں کو بھی بہت مشکل سے نصیب ہوتا ہے۔ ان میں سعدی و حافظ کا کیف و جوش، عرفی و ظہوری کی تناسب لفظی، بیدل کی معنی خیز صنعت گری اور خسرو کا موسیقی آمیز متوازن نغمۂ درد موجود ہے۔ زبان پر قدرت، فنی محاسن و معائب سے آگاہی اور سوز دروں ــــــ یہی وہ اوصاف ہیں جو کسی بھی فرد کو ایک قادر الکلام شاعر بنا سکتے ہیں۔ حفیظ کو یہ سب نعمتیں منجانب اللہ عطا ہوئی تھیں۔۔ ان کے کلام میں سادگی، شگفتگی، شادابی اور شائستگی کے ساتھ زندہ رہنے اور اپنی عظمت کا سکہ بٹھانے کی لیاقت بدرجۂ اتم موجود ہے۔ حفیظ اپنے کلام کی شگفتگی، شائستگی، رعنائی، دلکشی، برنائی، صدق دلی، اور دلآویزی کے باعث عظمت و وسعت کے منارہ پر مسند نشیں ہیں۔ وہ بجا طور پر اردو کے باکمال نعت گو شعراء کے زمرے میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتحپوری "اردو کی نعتیہ شاعری" میں لکھتے ہیں کہ:

"چاروں جلدوں کے بیشتر واقعات ایسے ہیں، جن میں آنحضرت صلعم کی زندگی، سیرت، اخلاق، اقوال، اعمال، اور اوصاف ہی زیر بحث آتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے وہ سب نعتیہ شاعری کا جزو بن جاتے ہیں۔ لیکن حفیظ نے ہر جلد میں واقعات سے الگ ہو کر براہ راست آنحضرت صلعم کی مدح میں بھی اشعار کہے ہیں۔ اور خود کو ایک بلند پایہ نعت نگار ثابت کیا ہے"[۱]

---

[۱] ۔ اردو کی نعتیہ شاعری: ڈاکٹر فرمان فتحپوری ص ۱۰۵ / و ۱۰۶
آئینہ ادب چوک مینارہ انار کلی لاہور۔

بہزاد لکھنوی

نام مرحوم بہزاد کا نام سردار احمد خاں ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۹۰۴ء میں لکھنؤ میں ہوئی۔ لکھنؤ کے مشہور و معروف محلہ امین آباد میں آپ کا مکان تھا۔ شعر و شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ زمانہ طالب علمی میں درجہ سوم ہی سے شعر کہنے لگے تھے۔ عرصہ تک ریلوے کے محکمہ میں ٹی، ٹی کی حیثیت سے کام کیا۔ لیکن — اختلاج قلب کی شکایت کی وجہ سے آپ کو یہ نوکری ترک کرنی پڑی۔ سات سال سرمستی میں گزارے۔ کچھ دنوں تک آل انڈیا ریڈیو دہلی میں مصنف سے فرائض انجام دینے کے بعد ۱۹۴۲ء میں پنچولی فلم کمپنی لاہور میں مکالمہ نویس ہو گئے۔ یہ سلسلہ ۱۹۴۳ء تک چلتا رہا۔ ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۵ء تک آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ میں مصنف کی حیثیت سے کام کر کے ۱۹۴۶ء میں راج کمل کلا مندر بمبئی میں گیت نگار کی حیثیت سے ملازم ہو گئے۔ آخر میں آپ نے ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان کو اپنا وطن بنا لیا۔ اور پاکستان ریڈیو کراچی کے عملہ سے منسلک ہو گئے۔ آپ طبعاً مذہبی آدمی ہیں۔ عزلت گزینی آپ کی افتاد طبع ہے۔ آپ کا انسلاک خانقاہ نیازیہ بریلی سے ہے۔ آپ کے کلام کے متعدد مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن میں "نغمۂ نور" "کیف و سرور"۔ "موج طہور" اور "چراغ طور" نے کافی شہرت

حاصل کی۔[1] آپ کی ایک سو پندرہ ۱۱۵ نعتوں کا ایک مجموعہ "ثنائے حبیب" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ثنائے حبیب کو ادارہ فروغ اردو لکھنؤ نے سنہ ۱۹۵۴ء میں شائع کیا تھا۔ مصنف نے "عرض حال" کے عنوان سے ثنائے حبیب میں لکھا ہے کہ وہ "سنہ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۱ء تک آل انڈیا ریڈیو دہلی سے ہر جمعہ کو صبح بعد تلاوت کلام پاک ایک نعت شریف نشر کیا کرتا تھا۔ ان نعتوں کا مجموعہ نعت حضور کے نام سے مکتبہ برہان دہلی نے شائع کیا تھا۔ اس مجموعہ کے بعد اب یہ مجموعہ ادارہ فروغ اردو لکھنؤ شائع کر رہا ہے۔ اس میں تقریباً تمام وہ نعتیں شامل ہیں جو میں ریڈیو پاکستان کراچی سے نشر کرتا رہا ہوں۔"[2]

اس وقت راقم السطور کے زیر نظر ثنائے حبیب کا ہی نسخہ ہے۔ اس میں پہلی شعری کاوش ذات باری عز اسمہ کی تعریف میں "حمد" کے عنوان سے ہے۔ بقیہ سبھی کاوشات نعتیہ مضامین پر مشتمل ہیں۔ شاعر نے اس مجموعہ میں "بیان مدینہ" کے عنوان سے ۳۰، "نعت" کے عنوان سے ۱۷، "درود و سلام" کے عنوان سے ۲۵ اور (محمد) شب ولادت (نبی کریم صلعم) کے عنوان سے ۴۳ نعتیہ کاوشات شامل کی ہیں۔ بہزاد کی سو گیتوں کا ایک دوسرا مجموعہ "موج نور" کے نام سے شائع ہوا ہے۔

بہزاد کی نعتیہ گیتوں میں جذبہ کا موج، ہندی زبان کی دھیمی لے دنشگی، گھلاوٹ اور نکھار ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

چلو آؤ چلیں ثیرب نگری   یہاں ہند میں ہے بڑی دردسری

۱۔ شعرستان (تذکرہ شعرائے پاکستان)
مرتبہ نعمانی تاثیر و مظہر صدیقی ص / ۷۲

۲۔ ثنائے حبیب ص — ۴، مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۵۴ء۔ ادارہ فروغ اردو لکھنؤ

وہاں رونے والے روتے ہیں
اور داغ گناہ کے دھوتے ہیں
وہاں ذرے سے سورج ہوتے ہیں
کب تک رہے گی یہ بے خبری چلو آؤ چلیں یثرب نگری
ارے جانے والے جا بھی چکے
بگڑی کو اپنی بنا بھی چکے
اس در پہ سر کو جھکا بھی چکے
اب شاخ تمنا کر لے ہری چلو آؤ چلیں یثرب نگری

ان کے دیگر شعری مجموعوں میں بھی نعتیں ملتی ہیں۔ "چراغ طور" کی کئی نعتیں کافی جاندار ہیں۔ ان کی اکثر نعتیں غزل کی ساخت میں ہیں بہزاد کی نعتوں میں خارجیت اور داخلیت دونوں کے مظاہر ملتے ہیں انھوں نے ایسی نعتیں کثیر تعداد میں کہی ہیں۔ جن میں حضور صلعم کے اوصاف کی تبیین ہے انھوں نے کئی نعتوں میں حضور صلعم کے سبب تخلیق کائنات ہونے کو نظم کیا ہے۔ ان کا اعتقاد ہے کہ دو عالم آپ ہی کی تجلی سے منور ہے۔ اور آپ ہی کے تصدق پر ہر ایک شئی کی بنا ہے۔

وہ مہر مبیں، ماہ مبیں، نور مبیں ہیں ان کی ہی تجلی سے دو عالم میں ضیا ہے
طہٰ ہیں وہی اور وہی یٰسین و مدثر ان ہی کے تصدق میں ہر اک شئی کی بنا ہے[۱]

باعث آفرینش عالم ــــ! وجہ چرخ و زمیں درود و سلام[۲]

بانی اسلام کا مسکن مدینہ اتنا پر نور ہے کہ اس کی بدولت کائنات کا

۱۔ ثنائے حبیب ص ۱۰ نعت نمبر ۷

۲۔ ثنائے حبیب ص ۳۲ نعت نمبر ۳۴

ہر ذرہ تاباں ہے۔ وہی مرادوں کی منزل اور دعاؤں کا مقصد ہے۔

اسی کی بدولت ہے ہر ذرہ تاباں ہے عالم میں ہر سو ضیائے مدینہ
مرادوں کی منزل دعاؤں کا مقصد ہیں جاناں کل مہ لقائے مدینہ[1]

سبب تخلیق کائنات سے متعلق بہزاد کی نعتیہ کاوشات میں ان کا حسب ذیل شعر کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔

وہ شرع کا چمن ہو کہ گلشن ہو فقر کا ہر رنگ کی بہار بنائے ہیں آپ[2]

شاعر آپ ہی کو سبب دو جہاں، وجہ زمین و زماں، باعث شام و سحر، مرکز دنیائے دل، مقصد چشم و نظر، راحت قلب و جگر، مرشد ہر اولیا، رہبر ہر راہبر، منزل فکر و خیال، کعبہ اہل نگاہ اور قبلۂ اہل نظر متصور کرتا ہے۔

تم پہ درود و سلام مرکز دنیائے دل مقصد چشم و نظر، راحت قلب و جگر
تم پہ درود و سلام رہنمائے جہاں مرشد ہر اولیا، رہبر ہر راہبر
تم پہ درود و سلام اے سبب دو جہاں وجہ زمیں و زماں باعث شام و سحر
تم پہ درود و سلام منزل فکر و خیال کعبۂ اہل نگاہ قبلۂ اہل نظر[2]

شاعر کا اذعان و ایقان ہے کہ بانیٔ اسلام "سکون دو عالم"، "قرار دو عالم"، "بہار زمانہ"، "بہار دو عالم"، "کریم زماں"، "غم گسار دو عالم"، "حبیب خدا"، "افتخار دو عالم"، "مہ آفرینش"، "نگار دو عالم"، اور "وقار دو عالم" ہیں۔ اسی لئے جس کے ہاتھ میں آپ کا دامن اقدس ہے۔ اس کو "شکار دو عالم" بننے کی احتیاج نہیں۔

مرے ہاتھ میں تو ہے دامان احمد میں بہزاد کیوں ہوں شکار دو عالم[3]

۱۔ ثنائے حبیب ص ۱۱ نعت نمبر ۸
۲۔ " " ص ۲۹ نعت نمبر ۳۰
۳۔ " " ص ۳۰ نعت نمبر ۳۲

بہزاد نے ایک نعت میں استعارات کا سہارا لیا ہے کہ آپ کو "جانِ بہار چمن" "رنگ سمن یاسمن" "رونق ہر زندگی" "معدنِ ہر شئی" "زینت ہر انجمن" — "روح ندا و نوا" "جانِ صدا و سخن" "نورِ جہاں در جہاں" "تابِ زماں در زماں"۔ "رنگ چمن در چمن" "مقصد لفظ و بیاں" "معنی سرِ نہاں" "تاب زماں در زماں"۔ "مالکِ مولائے کل" اور "سرورِ آقائے کل" کہا ہے۔

شاعر کی وہ تراکیب جو اس نے پیغمبرِ اسلام کے وصفی اظہار میں استعمال کی ہیں۔ بہت شگفتہ لطیف اور دلاویز ہیں یہ تراکیب شعر کی غنائیت اور نظم کی ترصیع میں ممدو معاون ہوتی ہیں۔ اس قسم کی ایک نعت نمونہ کے طور پر درج ذیل ہے۔

غایت ذوق و شوق و تمنا صلی اللہ علیہ وسلم
وجہ مرادہ مقصد و منشا صلی اللہ علیہ وسلم

بحرِ سخاوت، معدنِ عرفاں، گنجِ محبت، مخزنِ ایماں
معنی قبلہ، حاملِ کعبہ صلی اللہ علیہ وسلم

جانِ رسولاں، ہادی اکبر منزلِ ایقاں ختم پیمبر
فخرِ مسیح و نازشِ موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

عینِ عطا و عینِ مروت، عینِ سخا و عینِ عنایت
مہر مجسم لطف سراپا صلی اللہ علیہ وسلم

ہر بے کس کے دل کے سہارے مجبوروں کی آنکھ کے تارے
سرورِ عالم دہر کے مولا صلی اللہ علیہ وسلم

کیجئے طلب بہزادِ حزیں کو اپنے دیارِ پاک میں اکدن
اے جان و جانانِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم سلہ

وصفی پیرائیہ اظہار میں بہزاد کا ایک منفرد رنگ یہ ہے کہ وہ اپنی ہر تمنا اور

سلہ۔ ثنائے حبیب۔ صفحات ۶۰، ۶۱، نعت نمبر ۴۶

اپنے ہر ارمان کے لئے ذات نبوی کو آپ کے اوصاف سے مخاطب کرتا ہے۔ اگر اس کی تمنا بہت مختصر ہوتی ہے۔ لیکن خطابیہ انداز میں پیغمبر اسلام کا علی سبیل التعاقب والتوالی تذکرہ کرکے تمہید کو طولانی بنا کر وہ ایک اچھی خاصی نعت کہہ ڈالتا ہے۔ ثنائے حبیب میں اس قسم کی بہت سی نعتیں ملتی ہیں۔ بہزاد کی اس قسم کی نعتیں عموماً غزل کی ہئیت میں ہوتی ہیں۔ جن میں شاعر مطلع سے لے کر مقطع تک بانی اسلام کے اوصاف شمار کرکے مدعا کے لئے سازگار فضا تیار کرتا ہے۔ اور مقطع میں عرض مدعا کرتا ہے۔ صرف ایک نعت ملاحظہ فرمائیں۔

اے ختم رسل، اے اول کل اے مخبر صادق شمع ہدیٰ

اے مہر عرب، اے ماہ عجم اے نور علا و محبوب خدا

اے بندہ نواز و شان شہاں، اے وجہ یقیں، جہت ایماں

اے رحمت حق، اے بحر کرم اے شام سخا اے صبح عطا

اے مقصد چشم و قلب و نظر، اے آرزوئے ہر فرد بشر

اے کعبۂ ارماں، کعبۂ دل، اے قبلہ ادا اے قبلہ نما

اے رہبر عالم، ہادی دیں، اے باعث خلق چرخ و زمیں

اے پشت و پناہ ہر بیکس، اے صاحب لطف و جود و سخا

اے رنگ بہار دو عالم اے جان و قرار دو عالم

اے صاحب معراج و منصب مطلوب خدا مرغوب خدا

بہزاد کا ہے بس اک ارمان جامی کے مقابل نعت پڑھے

بہزاد حزیں کو بلوا حسنین کے صدقے میں شہا[1]

شاعر کبھی کبھی نعت نبوی کے وصفی انداز بیان میں ایسے اشعار کہتا ہے۔ جو مسدس حالی سے نجیب استغاثہ کی صدائے باز گشت معلوم ہوتے ہیں۔ نمونہ میں اسکی

1۔ ثنائے حبیب ص ۵۸ نعت نمبر ۶۳

ایک نعت کے حسب ذیل اشعار ملاحظہ ہوں۔

غریبوں کا والی یتیموں کا مولی کرم گستر و غم گسار اللہ اللہ
غلاموں کا ماوا فقیروں کا ملجا اخوت کا آئینہ دار اللہ اللہ[1]

بہزاد کی شعری کاوشات میں ایسی نعتوں کی کمی نہیں، جہاں شاعر نے اصلاحی اور مصلحانہ رنگ اپنایا ہے۔ وہ اپنی ان نعتوں میں حالی تحریک سے متاثر اور حفیظ و ماہر کے پیرو نظر آتے ہیں۔ بہزاد کی ان نعتوں میں پیرائیہ اظہار عام فہم انداز بیان دلاویز اور الفاظ صاف و سادہ ہیں۔ ذیل میں اس کی ایک جو اسی رنگ میں ڈوبی ہے۔ نقل کی جاتی ہے۔

درود ان پر جو آئے بے نوائی کی صدا بن کر
سلام ان پر جو آئے بے کسوں کا آسرا بن کر
جنھوں نے دستگیری کی گنہگار ان عالم کی
جو آئے کشتیٔ بے چارگی کے ناخدا بن کر
جنھوں نے راہ حق دکھلائی تیغ دتم کو سمجھایا
جو آئے دونوں عالم کے لئے اک رہنما بن کر
جنھوں نے ہم کو بتلایا حقیقی زندگی کیا ہے
جو آئے خود ہی اہل زندگی کا آئینہ بن کر
جنھوں نے روح کی پاکیزگی کا راز بتلایا
جو آئے راستی دیا کی وصدق و صفا بن کر
جنھوں نے عبد اور معبود کے رشتے کو سمجھایا
جو آئے ختم مرسل اور حبیب کبریا بن کر

---

[1] ثنائے حبیب ص ۶۹ نعت نمبر ۷۳

درود ان پر پڑھو بہزاد اور بھیجو سلام ان پر[1]

جو روحوں میں لیے رہتے ہیں دل کا مدعا بن کر

بہزاد اکثر نعتوں کے ضمن میں ایسے اشعار کہہ دیتے ہیں، جو عربی کے مشہور نعت گو شعرا کے نعتیہ اشعار کے ترجمے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ ترجمے اس شان کے ساتھ کئے گئے ہیں کہ ترجمہ پر اصل کا دھوکا ہوتا ہے۔ صرف دو اشعار ملاحظہ ہوں :-

میں تو بہزاد ہر مصیبت میں ... کہتا ہوں یا محمد عربی[2]

حضرت علیؓ نے فرمایا تھا۔

توسل بالنبی فکل خطب ... یهون اذا توسل بالنبی[3]

مال ہو اولاد ہو آل ہو یا آبرو ... آپ پر ہر شئی نثار آپ ہیں سب سے سوا[4]

حضرت حسّان رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا :

فانّ ابی ووالدتی وعرضی ... لعرض محمد منکم وقاء[5]

شاعر محاکات نگاری و منظر نگاری میں ید طولیٰ رکھتا ہے وہ آرام گاہ رسول اللہ صلعم کی نقشہ کشی میں اتنی مہارت رکھتا ہے کہ قاری و سامع کو اس کی بیان کردہ ساری چیزیں آنکھوں کے سامنے رقوع پذیر

---

[1] - ثنائے حبیب ص ۳۱ نعت نمبر ۲۳

[2] - " " ص ۷۲ نعت نمبر ۷۶

[3] نبی صلعم سے وسیلہ حاصل کرو کیونکہ ہر مصیبت نبی صلعم سے وسیلہ کے بعد آسان ہو جاتی ہے۔

[4] - ثنائے حبیب ص ۷۶ نعت نمبر ۸۲

[5] بے شک میرا باپ اور میری والدہ اور میری آبرو محمد کی آبرو پر قربان ہے اور (اے دشمنو) تمہارے مقابلہ میں یہ ڈھال ہے۔ آزاد

محسوس ہوتی ہیں۔ شاعر کی ان نعتوں میں چشم تصور سے روضۂ انور، اس کی پاک جالی، اور باب رحمت ہر ایک صاف صاف سامنے نظر آتا ہے۔ چشم بصیرت وا کرنے پر وہ خوش مقدر بھی نظر آتے ہیں۔ جو لطف حضوری میں سرمست ہیں، وہ مست و بیخود بھی دکھائی پڑتے ہیں، جو اشک وفا برسا رہے ہوتے ہیں۔ اور اگر قاری خمار عشق سے مخمور ہو کر ہمہ تن گوش بن کر بہزاد کی ان نعتوں کو ورد زبان کرے تو درود و نعت کی صدائیں بھی سامعہ نواز ہونے لگتی ہیں۔ حضور صلعم سے شاعر کی والہانہ شیفتگی مثالی ہے۔ اس کی ان نعتوں میں بلا کا سوز اور دلآویزی ہے جن میں وہ ایک مخلص عقیدتمند کی حیثیت سے اپنے سوز دروں کو شعری جامے میں ظاہر کرتا ہے۔ اس کو بانی اسلام کے متعلقین و متعلقات سے مخلص عقیدت ہے۔ اس کی اکثر نعتوں میں مسکن نبی کی توصیف متنوع پیرائے میں ملتی ہے۔ وہ واضح لفظوں میں اعلان کرتا ہے۔ کہ

اوروں کو مبارک رہے یہ عشق مجازی ۔۔۔ مجھ کو تو ملے حب و تولائے مدینہ[1]

مدینہ کے ہم ہیں مدینہ ہمارا ۔۔۔ آئے جو نظر گنبد خضرائے مدینہ[2]

کہیں اور کیوں جائے بہزاد مضطر ۔۔۔ ہے کافی ہمیں تو مدینہ ہمارا

مدینہ اس کا ملجاو ماوٰی ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ؎

وہ مسکن ہے محبوب رب، علا کا ۔۔۔ نہ کیوں سب سے بالا ہو شان مدینہ[3]

انھوں نے بارہا اس بات کی تمنا کی ہے۔ کہ ان کا دل دنیا کو بھول جائے اور ان کے حافظہ میں یاد طیبہ کے علاوہ کچھ باقی نہ رہے۔ انھوں نے خدا سے التجا کی ہے کہ ان کی زبان سے نعت نبی کے علاوہ کچھ نہ نکلے اور اگر کچھ نکلے تو نعت نبی ہیں

---

[1] ۔ ثنائے حبیب ص ۶ نعت نمبر ۱

[2] ۔ ثنائے حبیب ص ۷ نعت نمبر ۲

[3] ۔ ثنائے حبیب ص ۱۷ نعت نمبر ۱۸

متبدل ہو جائے۔ اس کے قلب گرفتہ کی یہ آرزو ہے کہ وہ مدینہ جاکر اپنے کو کھو آئے۔

مدت سے تمنا ہے یہ قلب گرفتہ کی — بہزاد وہاں جاکر خود اپنے کو کھو آتا

نعت ایک ایسی صنف سخن ہے جس میں ذہن سے زیادہ دل کی اہمیت ہے۔ اس کوچہ میں وہی شخص کامرانی سے چل سکتا ہے جو باطنی مکروہات سے پاک و صاف اور عشق رسول سے مغلوب ہو۔ قلب کی صفائی عقیدہ کی پختگی اور شیفتگی خلوص کے بغیر کوئی شاعر کامیاب نعت گو نہیں بن سکتا۔ اس میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں کہ حضرت بہزاد عشق رسول سے سرشار تھے اسی لئے ان کی نعتوں میں بڑی جاذبیت، شیفتگی اور دلاویزی ہے۔ انھوں نے اپنی نعتیہ کاوشات میں صدہا مقامات پر نعت گوئی میں کثرت کی تمنا اور عشق رسول میں اپنی سرمستی و بیخودی کا تذکرہ کیا ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے:

مئے عشق احمد سے سرشار ہوں میں — مری بیخودی یہ نہ جائے الٰہی [1]

نہ کم ہو مرا ذوق نعت پیمبر — میں کہتا رہوں ماجرائے مدینہ [2]

میرے دل کو یا حضور کیف ایسا دیجئے — آپ پر پڑھے مدام صد درود و صد سلام [3]

بہزاد میری روح پر اک کیف ہے طاری — جب سے کہ بنا ہوں میں ثناخوان محمد [4]

۱	ثنائے حبیب	ص ۸	نعت نمبر ۴
۲	ثنائے حبیب	ص ۱۰	نعت نمبر ۸۰
۳	ثنائے حبیب	ص ۴۹	نعت نمبر ۵۲
۴	ثنائے حبیب	ص ۵۵	نعت نمبر ۵۹

کیا طلب ہے اے بہزادؔ تم کو مل چکی معراج   شکر ہے کہ سرمست مدحت و ثنا تم ہو [۱]

اب نعت نبی ہے اور ہے وہ اب دل کی لگی ہے اور ہے وہ [۲]
بہزاد کا عالم دیکھ لیا بہزادؔ کا نقشہ دیکھ لیا

روضہ کے مقابل دل تھامے بہزادؔ حزیں سرمست ولا
کس کی کیف میں آ کر پڑھتا ہے اشعار مدینہ دیکھ تو لو [۳]

شاعر کے یہاں ایسے اشعار کی فراوانی ہے، جن میں اس نے ایک عاشق صادق کی طرح زیارت مسکن نبی کی تمنا کی ہے۔ زیارت کا مضمون بہت فرسودہ ہے۔ لیکن شاعر کی ندرت پسند طبیعت نے اس کہنہ مضمون میں تازگی و رعنائی پیدا کر دی ہے۔

کاش پڑھوں بہزاد کبھی واں   نعت سرِ دربار مدینہ [۴]

طیبہ میں اے بہزادؔ میں کہتا   دین تمہیں ہو ایمان تمہیں ہو [۵]
یہ نعت نبی کا صدقہ ہے اک روز مدینہ جائے گا۔
بہزادؔ کا عالم کیا کہنا ، بہزادؔ کی قسمت کیا کہنا [۶]

۱۔ ثنائے حبیب ص ۷۷ نعت نمبر ۸۳
۲۔ ثنائے حبیب ص ۱۳ " " ۱۱
۳۔ ثنائے حبیب ص ۱۰۰ " " ۱۱۳
۴۔ ثنائے حبیب ص ۵۴ " " ۵۸
۵۔ ثنائے حبیب۔ ص ۷۴ " " ۷۹
۶۔ ثنائے حبیب۔ ص ۹۶ " " ۱۰۶

اس سلسلہ کے ان اشعار کی یہ دعا مستجاب ہوئی اور اس نے زیارت حرمین شریفین کا شرف حاصل کیا۔ ان اشعار میں بلا کی دلاویزی، دلکشی اور اثر ہے۔ جہاں شاعر اپنے احوال سویدائی اور کوائف قلبی کا اظہار دربار مدینہ میں کرنا چاہتا ہے۔ ان اشعار میں لہجے کی رقت دیدنی ہے۔

کچھ اشک بہائیں حال کہیں کچھ نعت پڑھیں کچھ وجد کریں
بہزاد حزیں معراج یہ ہے دربار مدینہ دیکھ آئیں [1]

شاعر کا سوز دروں اور اس کے دل کی تڑپ ان نعتیہ اشعار میں بہت رقت آفریں ہے، جہاں اس نے ذوق وفا، رحمت حق، لطف خدا، معنی طلب، مفہوم دعا، باد صبا، گل کی ہنسی، پھولوں کی ادا، حرف ندا، لفظ و صدا اور تقریر سے التجا کی ہے کہ وہ اسے مطلوب و محبوب خدا کی بارگاہ تک پہنچا دیں۔ ایک سچے عاشق کی طرح بہزاد کو زائرین روضہ نبی کی قسمت پر رشک ہے چند ایسے اشعار ملاحظہ فرمائیں جن میں رشک کا مضمون نظم کیا گیا ہے۔

وہ روضہ ہے معدن عرفاں کا، وہ روضہ ہے مخزن ایماں کا
اس شخص کی قسمت کیا کہنا جس نے کہ وہ روضہ دیکھ لیا [2]

بہزاد مرا عالم کیا ہے میں کس کو بتاؤں کس سے کہوں
میں قدموں کو ان کے چومتا ہوں طیبہ سے جو ہو کر آتے ہیں [3]

عاشق رسول بہزاد کو اس بات پر فخر ہے کہ وہ فدائے محمد اور نعت خوان پیغمبر ہے شاعر کو اچھی طرح معلوم ہے کہ "ایں سعادت بزور بازو نیست"۔

۱۔ ثنائے حبیب	ص ۲۳	نعت نمبر	۲۵
۲۔ ثنائے حبیب	ص ۱۲	نعت نمبر	۱۱
۳۔ ثنائے حبیب	ص ۵۱	نعت نمبر	۵۵

تا د بخشد خدائے بخشندہ

اسی لئے اس نے ثنائے حبیب کی پہلی شعری کاوش میں جو بطور حمد لکھی گئی ہے اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے :

لکھ رہا ہے دل سے نعت حضور ہاں یہ بہزاد یہ ترا ہی کرم [1]

بہزاد نے اپنی ایک نعتیہ کاوش میں بانئ اسلام کے اوصاف کے تبیین کے مابین آداب نعت بیان کئے ہیں۔ اس کے نزدیک دل میں خلوص پیدا کرنا، ہمہ تن گوش بن جانا، ادب کو ملحوظ خاطر رکھنا اور لب پر درود و سلام جاری رکھنا ——— آداب نعت میں خاص مقام رکھتے ہیں۔

اشرف الانبیاء کی یہ نعت ہے نازش دوسرا کی یہ نعت ہے
گوش دل سے سنو ادب سے سنو حضرت مصطفیٰ کی یہ نعت ہے
دل میں پیدا کرو خلوص و وفا پیکر صدق و وفا کی یہ نعت ہے
لب پہ جاری رکھو درود و سلام شافع ہر خطا کی یہ نعت ہے
جس کی ہر ادا پہ حق شیفتہ اس حسین پیر ادا کی یہ نعت ہے
جس کی ہر سانس تھی خدا کیلئے ہاں اسی ناخدا کی یہ نعت ہے
کیوں نہ بہزاد میں پڑھوں جھوم کر میرے قلب آشنا کی یہ نعت ہے [2]

معروضات ماسبق سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ بہزاد کو نعت اور نعت کے موضوع سے طبعی دلچسپی تھی اسی لئے ان کے کلام میں آورد سے زیادہ آمد کا غلبہ ہے۔ خیال آفرینی، بیان کی شیرینی، تہذیبی متانت، شائستگی، جذبہ کی صداقت، جادۂ اعتدال کی استقامت، تغزل اور رعنائی خیال ان کی نعتیہ کاوشات کی امتیازی خصوصیات ہیں۔

---

[1] ۔ ثنائے حبیب ص ۵

[2] ثنائے حبیب ص ۶۲ و ۶۳ نعت نمبر ۶۸

حسرت موہانی

حسرت کی نعتیہ شاعری میں آپ بیتی زیادہ ہے۔ وہ پیغمبر اسلام سے والہانہ شیفتگی و عقیدت رکھتے تھے۔ انھوں نے مالی دشواریوں کے باوجود گیارہ بار مدینہ طیبہ کی حاضری کا شرف حاصل کیا۔ مدینہ طیبہ پہونچ کر ان کے کیف کی عجیب حالت ہو جاتی تھی۔ وہ نماز ختم ہوتے ہی مواجہہ اقدس میں حاضری دیتے تھے۔ اور بڑے ہی ذوق و شوق سے درج ذیل سلام بارگاہ رسالت میں پیش کرتے تھے۔

یا نبی السلام علیک — انما الفوز والفلاح لدیک
بسلام آمدم جو ام وہ — مرہمے بر دل کبابم نہ
بس بود جاہ احتشام مرا — یک علیک از تو صد سلام مرا[1]

وہ ہر مرض کا علاج مدینہ اور خاک مدینہ میں تلاش کرتے ہیں۔

۱؎ کلیات حسرت: مرتبہ مولانا جمال الدین۔ ابن عبدالوہاب ص ۳۶۰
نعمانی پریس ۱۹۷۷ء

ان کو مدینے کی آب ہوا، اس کی بہار، اس تک پہونچنے میں راہ کی صعوبتیں بہت عزیز ہیں۔ معنوی اعتبار سے وہ جدید دور کے نعتیہ شاعر مشکل سے کہے جا سکتے ہیں۔ ان کی شاعری میں متقدمین نعت گو شعراء کی روح رواں دواں محسوس ہوتی ہے نمونہ ملاحظہ ہو۔

پسند شوق ہے آب و ہوا مدینے کی — عجب بہار ہے صل علیٰ مدینہ کی
بامتیاز پہ تخصیص خوابگاہ رسول ص — قلوب اہل ولا میں ہے جا مدینہ کی
صعوبتوں میں بھی اک راحت سفر کی ہے شان — جو یاد آتی ہے صبح و مسا مدینے کی
علاج علت عصیاں کی فکر کیا ہو اسے — جسے نصیب ہو خاک شفا مدینے کی
سکون خاطر حسرت نبی وہ رائج میں — خبر جو لائی تھی باد صبا مدینے کی سلہ

ایک دوسری چھوٹی سی نعتیہ غزل ملاحظہ ہو۔ جس میں شاعر نے ایک مدنی صبح کا دلکش و دلاویز نقشہ کھینچا ہے۔ انداز بیان صاف سادہ اور سریع الفہم ہے۔

مدنی صبح کا عجب ہے ظہور — قابل دید ہے یہ بارش نور
نظر آتا ہے بیش روئے حضور — اہل بینش کو نور جلوۂ طور
آپ کا غم ہے عاشقوں کیلئے — فی المثل اک شراب ناب سرور
وائے بر حال عاشق محروم — پاس رہ کر بھی ہو جو یار سے دور
بد طعن اغیار پر ہے ناز مجھے — کہ میں حسرت ہوں حنفیش قبور سلہ ۲

اصغر گونڈوی

اصغر حسین المعروف بہ اصغر گونڈوی

سلہ ۱۔ کلیات حسرت ص ۴۸۴
سلہ ۲۔ کلیات حسرت ص ۳۸۶

سنہ ۱۸۸۴ء میں گورکھپور کے محلہ الٰہی بخش[1] میں واقع "چاند سورج کا مکان" میں پیدا ہوئے۔ وہ تقریباً ۵ سال کے تھے کہ ان کے والد اپنے اہل و عیال کو گورکھپور سے گونڈے لے آئے۔ جہاں وہ گورکھپور سے متبادل ہو کر سنہ ۱۸۸۹ء میں آچکے تھے[2] اس طرح اصغر گونڈے آ گئے۔ اور یہیں ان کی ابتدائی تعلیم ہوئی۔ جو انٹرنس تک پہونچ کر رک گئی۔ اسکولی تعلیم میں وہ انٹرنس کا سرٹیفکٹ حاصل نہ کر سکے۔ اصغر نے تین شادیاں کیں۔ سلسلہ تعلیم منقطع ہو جانے پر بابو راج بہادر صاحب کی وساطت سے ریلوے میں ملازم ہو گئے اور انھیں کی صحبت میں شاہد و مینا تک رسائی حاصل کی۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں اصغر کی زندگی میں ارتقائی موڑ آیا اور انھوں نے مے و شاہد سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ ریلوے کی ملازمت ترک کر کے مذہبیات کی طرف مائل ہوئے۔ اور قاضی عبد الغنی منگلوری کے مرید ہو گئے۔

اصغر نے زندگی کی تگ و دو میں بساط خانے کی دوکان رکھی، چشمے تیار کرنے کا کارخانہ کھولا۔ اور ادارت کا بار بھی اٹھایا۔ لیکن وہ بنیادی طور پر شاعر تھے۔ تصوف ان کے تغزل کا مایۂ الامتیاز عنصر ہے۔ مذہبیات کی جانب میلانِ طبع نے ان کی توجہ نعت کی طرف مبذول کی۔ اس طرح کئی جاندار نعتیں معرض وجود میں آگئیں۔ ان کی نعتیں جذبۂ اخلاص، عقیدت و صداقت سے معمور ہیں۔ اصغر کے پہلے مجموعہ کلام "نشاط روح" کی ابتدا نعت سے ہوئی

---

[1] ۔ ادب کیا ہے۔ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی ص ۱۰۲ مضمون سید رشید احمد مطبوعہ قومی آواز قسط اول ۱۸ اکتوبر سنہ ۱۹۷۰ء ۔

[2] ۔ قول واحد ہاشمی منقولہ تصوف اور اصغر گونڈوی: ڈاکٹر سلام سندیلوی بار اول دسمبر سنہ ۱۹۴۸ء ص ۳۶، ۷۰ نظامی پریس لکھنؤ

[3] ۔ مضمون رشید احمد ۔ مطبوعہ ۔ قومی آواز سنہ ۱۹۷۰ء

ہے۔ اس مجموعہ میں ان کی تین نعتیں شامل ہیں۔

اصغر عصری شعرا میں ایک ممتاز شاعرانہ حیثیت کے مالک ہیں۔ انھیں قدرت کی طرف سے ایک نکتہ سنج اور بلاغت شناس ذہن مرحمت ہوا تھا۔ اس لئے ان کی نظر عامیانہ جذبات سے گزر کر روح انسانی کے ان لطائف و حقائق و معارف تک پہونچتی تھی۔ جو عشقیہ شاعری کے لئے بمنزلۂ روح ہیں۔ ان کے حسن ادا کا خاص راز ان کا ذوق فارسیت ہے اگرچہ نعتیہ غزلوں کی زبان سادہ شیریں اور تکلف سے خالی ہے لیکن ان کی جبلی افتاد فارسی تراکیب کی نزاکت کو نظر انداز نہ کر سکی۔ تاہم انھوں نے اس کا لحاظ ضرور رکھا ہے کہ فارسی ترکیبیں شاعرانہ رنگینی اور نزاکت سے خالی نہوں اس طرح انھوں نے اپنے کلام کو ثقالت اور پستی سے بچا لیا۔ اصغر فارسی ترکیبوں کے خاص طور پر دلدادہ ہیں۔ لیکن چونکہ وہ نکتہ شناس ہیں اس لئے نادر اور لطیف ترکیبیں استعمال کرتے ہیں۔ ان کا ایک نعتیہ شعر ملاحظہ ہو۔

وہ رازِ خلقتِ ہستی وہ معنیٔ کونین   وہ جانِ حسنِ ازل وہ بہارِ صبحِ وجود

"جانِ حسنِ ازل" "بہارِ صبحِ وجود" کی ترکیبیں بہت بلیغ و لطیف ہیں۔ اصغر کبھی کبھی بیان میں ندرت پیدا کرنے کے لئے حسن ترکیب کا سہارا لیتے ہیں۔

ہے تیرے تصور سے یہاں نور کی بارش   یہ جانِ حزیں ہے کہ شبستانِ حرا ہے

صنائع و بدائع اصلی ندرت بیان کے تحت آتے ہیں۔ لیکن صنائع کا لطف یہ ہے کہ ان سے مصنوعیت کا خون نہو اور وہ بے ساختہ ہوں۔ سامع پر یہ اثر ہو کہ شعر قصداً صنائع کے لحاظ سے لکھا گیا ہے بلکہ یہ معلوم ہو کہ خود بخود زبان قلم سے دار ایش ہو گئی ہے۔ اصغر کے یہاں اس قسم کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے۔

مگر یہ لطف بھی ہے کچھ حجاب کے دم سے   جو اٹھ گیا کہیں پردہ تو پھر زیاں ہے نہ سود

(تضاد، مراعاۃ النظیر)

وہ مست شاہد رعنا، نگاہ سحر طراز
وہ جام نیم شبی نرگس خمار آلود

(مراعاۃ النظیر)

وہ آفتاب حرم، نازنین کج ادا
وہ دل کا نور وہ ارباب درد کا مقصود

(تلمیح)

اصغر کی ترکیبیں شاعرانہ رنگینی اور نزاکت سے معمور ہیں۔ یہ ترکیبیں شعر کی جان ہیں اور شعری لطف کو دوبالا کرنے میں امداد بہم پہنچاتی ہیں۔ اصغر بجا طور پر اردو کے حافظ کہے جا سکتے ہیں۔ ان کی فطرت میں بلا کی شگفتگی اور طبیعت میں بیکراں رنگینی ہے۔ بادۂ تصوف سے مخمور ہونے کی وجہ سے ان کی ہر ادا جوش محبت میں غرق ہے۔ وہ ایک بیدار ذہن اور منضبط پاک دل کے مالک ہیں۔ اس لیے ان کی زبان سے نکلنے والا ہر لفظ کیف و سرور سے معمور ہے۔ اس کا اندازہ ذیل کے اشعار سے بخوبی ہوتا ہے۔

دونوں عالم تھے مرے سرف دعا میں غرق محو
میں خدا سے کر رہا تھا جب سوال مصطفےٰ

سب سمجھتے ہیں اسے شمع شبستان حرا
نور ہے کونین کا لیکن جمال مصطفےٰ

عالم ناسوت میں اور عالم لاہوت میں
کوندتی ہے ہر طرف برق جمال مصطفےٰ

دیکھئے کیا حال کر ڈالے شب یلدائے غم
ہاں نظر آئے ذرا صبح جمال مصطفےٰ

ذرہ ذرہ عالم ہستی کا روشن ہو گیا
اللہ اللہ شوکت و شان جمال مصطفےٰ

اشعار مرقومہ بالا ان کے ذہن و طبع کی اس رندی و سرمستی کے غماز ہیں، جس کی نگاہ میں زمین و آسمان کی محیط فضا جوش مسرت سے سرشار ہے۔

اصغر کی نعتیں اس لئے بھی قیمتی ہیں کیونکہ انھوں نے بداعت اسلوب سے مضمون کی فرسودگی کو ندرت سے بدل دیا۔ ان کا کلام ہر قسم کی بداعتوں سے مخمور ہے۔ بداعت اسلوب، ندرت بیان اور طرفگیٔ ادا کی رہین منت ہوتی ہے۔

وہ کبھی اظہار خیال کی ترتیب اور پیرائیہ بیان کی تبدیلی سے رونق پاتی ہے۔ اور کبھی استعارات کی طرفگی اور تشبیہات کی بداعت سے صہبائے کہن کو نئے ساغر و مینا میں پیش کرتی ہے اور کبھی پرانے جام و مینا میں نئی شراب لنڈھاتی ہے۔ تو

شمع حقیقت کی اپنی ہی جگہ پر ہے — فانوس کی گردش سے کیا کیا نظر آتا ہے

بقول اقبال سہیل:

"دراصل یہی ندرت بیان شاعری کی روح ہے۔ ہر شعر میں بالکل نئے اور اچھوتے تخئیل پیش کرنا ممکن ہے، لیکن فرسودہ اور پامال خیالات کو بغیر کسی ندرت بیان کے پیش کرنا شاعر کو نقد و نظر کے محکمۂ احتساب میں ایک قابل تعزیر مجرم قرار دیتا ہے" [۱]

عشق کی بے سروسامانی جمال حسن کے لئے آئینہ کا کام دیتی ہے۔ اصحاب نظر کے حاملین مسبّب میں سبب کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ اس خیال کو اپنے بداعت اسلوب سے نادر بناتے ہوئے حضرت اصغر فرماتے ہیں۔

اے حسن ازل اپنی اداؤں کے مزے لے
ہے سامنے آئینۂ حیرانِ محمد ﷺ

توحید و رسالت کے بینائے راز ہی آداب شریعت کے پاس اور ذوق زبان کے لطائف سے واقف ہوتے ہیں۔ اسلام کے معنی فرمانبرداری کے ہیں۔ مسلم وہ ہے جو اپنے تمام عزائم و حرکات و سکنات کو رضائے الٰہی کے سپرد کر دیتے کائنات کا کوئی ذرّہ قوانین فطرت سے روگردانی کی طاقت نہیں رکھتا۔ منکر ادیان و ملل بھی قوانین فطرت سے انحراف کی مجال نہیں رکھتے۔ فرق صرف

۱۔ نشاط روح مرتبہ احسان احمد صاحب بی اے ایل ایل بی (علیگ) صفحہ ۴۴ — صدیق بکڈپو لکھنؤ۔ دوسرا ایڈیشن۔

جبر و اختیار کا ہے۔ اصغر شاعرانہ انداز بیان میں فرماتے ہیں۔

مراد وجود ہی خود انتفاء ظلمت ہے   کہ رشتہ رشتہ میں ساری ہے اک جبینِ سجود

اصغر اپنی نعت میں فلسفۂ صمت و سکوت کی توضیح کرتے اور تکلم پر اسکی اولویت و افضلیت کو ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے   جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود

تخیل کی ساری فضائے بسیط عالم سکوت کی محتویات میں ہے جبکہ تکلم تخیل کے بحر ناپیدا کنار کو محدود و متعین کر دیتا ہے۔

اصغر فطرۃً شدید الاحساس، بلند نظر اور صاحب وجد و حال شاعر تھے۔ اسی لئے ان کا ایک ایک شعر بلندیٔ خیال، شکوہ الفاظ، حسن تراکیب، جوش بیان اور ندرت ادا کا ایک دلفریب طلسم ہے۔ اسرار و معارف ان کی شاعری کا ہیولیٰ، وجد و حال اس کی روح، ندرت ادا اس کی صورت اور جوش بیان ان کا رنگ ہے۔ عشق کی نگاہ شوق پر حسن پر ایک نشہ سا چھا جاتا ہے۔ یہ کیف جمال محبوب کو خود جذب نظر کے لئے بیتاب کرتا ہے — نفسیات حسن و عشق کے اس دقیق نکتہ کی مصوری کس قدر صحت اور دلربائی کے ساتھ کی گئی ہے۔

کچھ اس ادا سے مرا اس نے مدعا پوچھا   ڈھلک پڑا مری آنکھوں سے گوہر مقصود

اصغر کے نزدیک شعر وہی ہے جو دل کی گہرائیوں سے نکلے۔ کیونکہ اگر شعر میں تاثر و انفعال کی قابلیت نہ ہو تو وہ دوسروں کو متاثر نہ کرسکے گا۔ اسی نکتہ کو مد نظر رکھ کر کہا گیا ہے کہ "آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد" اصغر اس نکتہ کو نعت معرض بحث میں یوں بیان کرتے ہیں:

جو عرض ہے اسے اشعار کیوں مرے کہئے   اچھل رہے ہیں جگر پارہ ہائے خوں آلود

عبادت میں اخلاص کا خلاصہ یہ ہے کہ اعمال حسنہ کی بجا آوری تخویف و تحریض کے جذبات سے مغلوب ہوئے بغیر کی جائے۔ دوسری صدی ہجری کی

مشہور صوفیہ حضرت رابعہ بصری پانی سے دوزخ کو بجھا دینا اور آگ سے جنت کو جلا دینا چاہتی تھیں تاکہ لوگ خدا کی عبادت جنت کی لالچ یا جہنم کے ڈر سے نہ کریں۔[1] حضرت اصغر فرماتے ہیں۔

نہ میرے ذوقِ طلب کو ہے مدعا سے غرض | نہ گامِ شوق کو پروائے منزلِ مقصود

شریعت میں غیرِ خدا کو سجدہ کرنا حرام ہے۔ شاعر کس قدر شاعرانہ انداز میں جانِ حزیں کو درِ ممدوحِ نعت پر نثار کرنے کی بات کہہ کر بداعت اسلوب پر اپنی مہارت کی مہر ثبت کر دیتا ہے۔

چلوں میں جانِ حزیں کو نثار کر ڈالوں | نہیں جو اہلِ شریعت جبیں کو اذنِ سجود

"نشاطِ روح" میں شامل تین نعتوں میں سے پہلی قصیدے کی ہیئت میں ہے، بقیہ دونوں نعتیں غزل کی شکل میں ہیں۔ پہلی نعت کا مطلع ہے:

کچھ اور عشق کا حاصل نہ عشق کا مقصود | جز اینکہ لطف خلشہائے نالۂ بے سود

اس نعت کی تشبیب میں عشق و عاشقی کے مضامین نظم کئے گئے ہیں۔ گریز بہت جاندار اور برجستہ ہے۔

مقامِ جہل کو پایا نہ علم و عرفاں نے | میں بے خبر ہوں باندازۂ فریبِ شہود
جو اڑ کے شوق میں یوں محوِ آفتاب ہوا | عجب بلا تھا یہ شبنم کا قطرۂ بے بود
چلوں میں جانِ حزیں کو نثار کر ڈالوں | نہیں جو اہلِ شریعت جبیں کو اذنِ سجود

مدح کا حصہ خلوص و عقیدت کا بحرِ ذخار معلوم ہوتا ہے جس میں تلمیحات کا حسین استعمال ہے۔ تراکیب اور تشبیہات و استعارات کی ندرت اور اسلوب کی بداعت نے نعت شریف کو ایک جاذب شہ پارہ بنا دیا ہے۔ "لولاک لما خلقت الافلاک" کے فرسودہ مضمون کی رعنائی و ناز کی ملاحظہ ہو۔

---

[1] غبارِ خاطر: مولانا ابو الکلام آزاد ص ۱۲۸ نعمانی پریس دہلی

وہ رازِ خلقتِ ہستی وہ معنیِ کونین

وہ جانِ حسنِ ازل وہ بہارِ صبحِ وجود

اسلوب کی بداعت اور تراکیب کی ندرت کے سلسلے میں اسی نعت کے مندرجہ ذیل اشعار قابلِ ذکر ہیں۔

وہ آفتابِ حرم، نازنینِ کنجِ حرا　　وہ دل کا نور وہ اربابِ درد کا مقصود

وہ سرورِ دوجہاں، وہ محمدِ عربی　　بہ روحِ اعظم و پاکش درود نا محدود

ضیائے حسن کا ادنیٰ سا یہ کرشمہ ہے　　چمک گئی ہے شبستانِ غیب و بزمِ شہود

درج ذیل شعر کا تغزل قابلِ آفریں ہے۔

وہ مست شاہدِ رعنا نگاہ سحر طراز　　وہ جام نیم شبی نرگس خمار آلود

اصغرؔ نے نعت کے میدان میں اپنے عجزِ بیانی کا اعتراف بھی بہت حسین انداز میں کیا ہے۔

ذرا خبر نہ رہی ہوش و عقل و ایماں کی　　یہ شعر پڑھ کے وہیں ڈال دی جبینِ سجود

نعت کا اختتام رومی کے حسبِ ذیل شعر پر کیا گیا ہے۔

چو بعد خاک شدن یا زیاں بود یا سود　　بہ نقدِ خاک شوم نبکرم چہ خواہد بود

دوسری نعتیہ غزل میں سات اشعار ہیں، اس کا مطلع ہے۔ [۱]

دل نثارِ مصطفےٰ جاں پائمالِ مصطفےٰ　　یہ اویسِ مصطفےٰ ہے وہ بلالِ مصطفےٰ

تیسری نعت میں "محمد" بطور ردیف اور "خنداں" "پریشاں" "شہیداں" "تاباں" وغیرہ بطور قوافی مستعمل ہیں یہ نعت وفورِ جذبات سے معمور ہے۔ اس میں شاعر کا دل دھڑکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اس غزل میں آٹھ اشعار ہیں۔ مطلع رقم ذیل ہے:

ہے موج ہوا زلفِ پریشانِ محمد　　ہے نورِ سحر صورتِ خندانِ محمد

---

[۱] نشاطِ روح۔ بارِ دوم ص ۳۲ صدیق بکڈپو

اس نعت میں صنعتوں خاص کر صنعت تجنیس، حسن تعلیل، تضاد اور مراعاۃ النظیر فطری اور برجستہ قابل داد ہے۔ شاعر فنا فی الرسول کی شراب سے سرشار ہو کر دامن رسولؐ سے وابستگی کو زندگی کا ما حصل سمجھتا ہے۔ انداز بیان کا شاعرانہ پہلو بہت دلاویز ہے۔

چھوٹ جائے اگر دامن کونین تو غم نہیں لیکن نہ چھٹے ہاتھ سے دامان محمدؐ

حالت وجد میں روح شہیدان محمدؐ کے لئے کونین کی وسعت تنگ محسوس ہوتی ہے۔ اور وہ مزید وسعت کی متلاشی ہے۔ انداز بیان کی ندرت ملاحظہ ہو

ہے عرصہ کونین میں یارب کہیں وسعت پھر وجد میں ہے روح شہیدان محمدؐ

اس نعت کا بیت الغزل شعر درج ذیل ہے۔

اے حسن ازل اپنی اداؤں کے مزے لے ہے سامنے آئینہ حیران محمدؐ

شاعر مقطع میں اپنے کو "بلبل شوریدۂ بستان محمدؐ" سے مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے۔

اصغر ترے نغموں میں بھی ہے جوش درود اب
اے بلبل شوریدۂ بستان محمدؐ

اخلاق کی بلندی اعلیٰ سیرت کی ترجمانی، جذبات کی پاکیزگی، نفاست، لطافت، بداعت اسلوب، شگفتگی اور تخیل کی رنگینی، ان کی نعتوں کے مابہ الامتیاز خصائص ہیں پروفیسر عبدالقادر سروری نے درست لکھا ہے کہ۔

"اصغر کی شاعری کے متعلق یہ تصفیہ کرنا مشکل ہے کہ اس میں خیال اور مضمون کی خوبی زیادہ نمایاں ہے۔ یا لطافت اور حسن بیان زیادہ نظر کش ہے"[۲]

---

۱ - نشاط روح ص/۳۲

۲ - جدید اردو شاعری پروفیسر عبدالقادر سروری ص/۲۷۰ مطبوعہ

ان کی نعتوں میں رجائی انداز مستولی ہے۔ وہ بنیادی طور پر نشاط روح اور سرور زندگی کے شاعر ہیں۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی نے اصغرؔ کی بابت لکھا ہے۔

" اردو نعت میں، میں چند بزرگوں کا قائل ہوں۔ مثلاً حالیؔ مرحوم، اصغر گونڈوی مرحوم، حضرت اقبالؔ مغفور کا۔ جہاں تک شاعرانہ حسن آفرینی و حسن کاری کا تعلق ہے میں محسن کاکوروی مرحوم کے کمال کا بھی معترف ہوں، کیسی پُر خار و پُر خطر راہوں سے کس لطف و مشاقی سے یہ گزرے ہیں کہ بے اختیار دل سے تحسین نکلتی ہے، لیکن محسن کے ہاں صناعی ہے، سپردگی نہیں، تخیل کی رعنائی ہے روح کی وارفتگی نہیں، فن ہے، شغف نہیں۔"[1]

اصغر مرحوم کی شاعری میں نزہت و نور کی جو فضا ہے وہ ان کی شخصی تاثرات سے مل جل کر نعت میں جلوہ گر ہوئی ہے۔

اقبال سہیل نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں اچھی نعتیں کہی ہیں ان کا بچپن کا نام ابو مظفر حامد تھا۔ نعتیہ شاعری سے ان کو بچپن ہی سے شغف تھا۔ جس کا ثبوت بچپن کے ایک واقعہ میں ملتا ہے۔ اقبال کے والد کسی بات سے متفکر اور کبیدہ خاطر تھے۔ ان کی زبان سے یہ مصرع نکلا۔

" ترحم علی حالیا یا الٰہی"

اقبال سہیل نے جو پاس ہی بیٹھے تھے برجستہ دوسرا مصرع لگاتے ہوئے کہا۔

" طفیل جناب رسالت پناہی"

۱۔ گلبانگ حرم: زائرِ حرم حمید صدیقی۔ تقریظ از جناب پروفیسر رشید احمد صدیقی بی۔ اے (علیگ) ص ۲۱/ مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ

اقبال سہیل کا دوسرا نعتیہ شعر، جو انھوں نے بچپن میں کہا تھا، حسب ذیل ہے۔

عندلیب گلشن فردوس ہے ہم حامداً
مدح خوانی نبی کا راست دطوبیٰ جائے من

نعتیہ شاعری ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ عشق رسول و نبی کریمؐ سے عقیدت و شفتگی ان کی سرشت میں داخل تھی، اس لئے ان کے سارے نعتیہ سرمایہ میں آمد ہی آمد ہے۔ آورد کا کہیں نام و نشان تک نہیں ہے۔ انھوں نے کئی جاندار نعتیہ قصیدے لکھے ہیں۔ وہ اپنے قصیدوں میں مناظر فطرت کی عکاسی اس لطافت سے کرتے ہیں کہ اس کی نظیر اردو قصائد کی دنیا میں بڑی مشکل سے ملتی ہے۔ ان کے نعتیہ قصائد کی تشبیبیں بہاریہ اور عاشقانہ ہوتی ہیں لیکن فنی کمال یہ ہے کہ وہ ان تشبیبوں میں شائستگی اور تہذیبی سنجیدگی کا اس قدر لحاظ رکھتے ہیں کہ کہیں پر سوء ادب کا وہم و گمان بھی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کے نعتیہ قصائد خیال آفرینی، شیریں بیانی اور شگفتگی و رعنائی میں فارسی قصائد کی یاد دلاتے ہیں۔ ایک نعتیہ قصیدے کے ابتدائی اشعار ملاحظہ ہوں۔

سرشت حسن تغافل، مزاج عشق غیور ۔۔۔ وہ التفات سے ہم التجا سے ہیں معذور
کسی کے فیض تصور سے ہو گیا بے خود ۔۔۔ مرا خرابۂ دل، گنج حسن سے معمور
عجب چیز ہے سوز غم محبت بھی ۔۔۔ ہر آبلے میں ہے تاثیر مرہم کافور
شراب حسن کا نشہ ہے بیقراری عشق ۔۔۔ نہال عشق کا ثمرہ ہے زخم کا انگور
وہ زخم جس سے بہار شگفتہ کون و مکاں ۔۔۔ وہ سوز جس سے چراغاں سواد عالم نور

اقبال سہیل نے بانی اسلام کی صورت و سیرت اور آپ کی حیات مقدسہ کے حالات و واقعات کا تذکرہ کافی تفصیل کے ساتھ کیا ہے واقعہ نگاری سیرت نگاری اور وصف نگاری خاصے خوشک موضوعات ہیں، لیکن اقبال سہیل نے ان موضوعات میں بھی اپنی

فنکارانہ صلاحیتوں سے دلکشی اور رعنائی بھر دی ہے۔

بطور نمونہ چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں۔

وہی سمجھیں گے جو واقف ہیں اسرار محبت سے
کہ یکساں جاں گسل ہے ذوق وصل و درد ہجرانی

ادھر سبزے کا جاگ اٹھنا خمار خواب نوشیں سے
ادھر باد سحر سے زلف سنبل کی پریشانی

صبا کے گنگنانے سے ادھر کلیوں کا ہنس دینا
ادھر شبنم سے پھولوں کی عرق آلود پیشانی

بجا ہے صبح دم، گر چشم نرگس ہے خمار آلود
چمن میں رات بھر کی ہے زر گل کی نگہبانی

رگ گل نے بچھا رکھا ہے ہر سو دام نظارہ
عبث ہے گر کرے مرغ نگہ سعی پر افشانی

اقبال سہیل کا وہ قصیدہ جس کا مطلع رقم ذیل ہے کافی وقیع ہے۔

احمد مرسل فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
مظہر اول، مرسل خاتم صلی اللہ علیہ وسلم

ان کی یہ نعتیہ کاوش، وصفی انداز بیان کی نعتوں کے مابین نمایاں مقام رکھتی ہے۔ شاعر نے اس نعت میں وصفی انداز بیان اپنایا ہے، لیکن کہیں کہیں دور جدید کی بھرپور رعنائی کے ساتھ سنائی پڑتی ہے۔ عربی و فارسی کے دلکش و لطیف الفاظ کا استعمال، تراکیب کا اتقان، اصوات کا زیر و بم اور الفاظ کی نشست و برخاست لائق توجہ ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

ربط و تصادم، وحکم، نفرو تنعم، عدل و ترحم
سب کے حدود بنائے باہم صلی اللہ علیہ وسلم

دلق میں جس نے سلطانی کی، جنگ میں جس نے جہل نبھائی
زہد و سیاست کر دیئے توام صلی اللہ علیہ وسلم

جتنے فضائل، جتنے محاسن ممکن ہو سکتے تھے ممکن
حق نے کئے سب ان میں فراہم صلی اللہ علیہ وسلم
علم لدنی، شانِ کریمی، خلقِ خلیلی، نطقِ کلیمی
زہدِ مسیحا، عفتِ مریم صلی اللہ علیہ وسلم
صدرِ اُمم سلطانِ مدینہ، وہ جبیں کے کفِ پا کا پسینہ
گل کدۂ فردوس کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب

آپ کی ولادت ۱۲ شعبان المعظم ۱۳۰۱ھ ۔ ۱۲ جون ۱۸۸۴ء کو بروز چہارشنبہ ہوئی۔ موصوف کا تاریخی نام مرغوب احمد ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب عہدِ ہمایوں کے بزرگ الہ داد دین خواجہ غوری سے ملتا ہے، اسی لئے آپ اور آپ کے خاندان کے افراد اپنے کو غوری لکھتے ہیں۔ آپ کے والد کا نام خواجہ عزیز اللہ ہے۔ جو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت تھے۔ خواجہ عزیز اللہ ایک کامیاب وکیل تھے۔ جنھوں نے بسلسلہ وکالت اوری میں قیام فرمایا تھا۔ خواجہ عزیز الحسن وہیں ولادت پذیر ہوئے۔ اور وہی آپ کا مسکن رہا۔ آپ نے بی اے کی سند علی گڈھ سے لی۔ اور زمانۂ طالب علمی میں بھی اسلامی وضع قطع اور مذہبی طور طریقوں کے پوری طرح پابند تھے۔ اسی زمانہ میں آپ اشرف علی تھانوی کے معتقد ہو گئے۔ آپ اسی زمانہ میں اشعار بھی کہنے لگے تھے۔ آپ نے پہلے حسن اور بعد میں مجذوب تخلص کیا۔

خواجہ صاحب ملک کے مشاہیر شعراء میں شمار کئے جاتے تھے۔ بڑی بڑی ادبی مجالس اور مشاعروں میں مدعو کئے جاتے تھے۔ آپ نے

بہت سے مشاعروں کی صدارت بھی کی۔ آپ نے کچھ دنوں ڈپٹی کلکٹری کرکے ڈپٹی انسپکٹر تعلیم کے عہدے سے اپنا تبادلہ کرا لیا۔ حکومت کی جانب سے آپ کو خان صاحب اور خان بہادر کے خطابات مرحمت ہوئے۔ پنشن کے بعد سارا وقت خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گذارتے رہے۔ آپ کی وفات ۲۷ شعبان ۱۳۶۲ھ - ۱۷ اگست ۱۹۴۴ء میں ہوئی۔

خواجہ صاحب ادیب، شاعر، عارف اور صوفی تھے۔ وہ تقویٰ کی دولت کے ساتھ ساتھ حسنِ کلام کی دولت سے بھی فیضیاب اور بہرہ اندوز تھے۔ وہ بادۂ وحدت سے سرشار تھے اس لئے سرمستی اور پاکیزگیٔ نفس کے مقدس جذبات ان کے دل میں موجزن تھے۔ انہی مقدس جذبات نے انکی شاعری میں ایک عجیب قسم کی روح پیدا کر دی۔ تقدس نفس کی ان ہی زمزمہ سنجیوں کے باعث وہ حافظِ عصر کہے جاتے تھے۔

ان کے دیوان میں غزلیں، نظمیں، قطعات و تضمینات ہیں۔ انھوں نے اپنے پیر ومرشد حضرت اشرف علی تھانوی کی وفات پر کئی جاندار مرثئے لکھے ہیں۔ آپ نے مختلف موضوعات پر نظمیں بھی کہی ہیں۔ وہ اپنی شاعری میں خواجہ الطاف حسین حالی سے متاثر تھے۔ ان کی نظموں میں "تہذیب نو" "برسات کی آمد" اور "نئی روشنی" قابل ذکر ہیں۔ ان کی غزلوں میں معرفت و حقیقت کے رموز اور حال وقال کے بلند ترین مرقعے ہیں۔ ان کے یہاں عارفانہ غزلوں کی کمی نہیں ہے۔

مجذوب کو پیغمبر اسلام سے شیفتگی کی حد تک محبت تھی، اسی لئے ان کی نعتیں بہت جاندار ہیں۔ ان کی نعتوں میں سوز و گداز، جذب و مستی کیف وسرور، روانی، تسلسل اور سلاست ہے ان کے کلام میں بلا کا درد واثر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے آتش کدۂ خیال سے مسلسل بلند ہونے والے شعلے افسردہ دل میں ایک آگ لگائے چلے جا رہے ہیں

ان کی نعتوں میں سب سے خاص بات یہ ہے کہ وہ جادۂ شریعت کے اندر ہیں۔ اور افراط و تفریط سے یکسر پاک ہیں۔ انھوں نے خود نبیؐ صلعم کے سایہ نہ ہونے کے مضمون کو اس طرح نظم کیا ہے۔

سارا بدن حضور کا جیب قد ہو گیا
تا حشر خلق کے لئے دستور ہو گیا[۵]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ شمع رسالت گل کرنے آئے تھے لیکن خادمان محمدؐ کی فہرست میں شروع ہی میں جگہ پا گئے۔ شاعر اس مضمون کو کس قدر بلیغ، موجز اور معجز انداز میں نظم کرتا ہے۔

یا جان لینے آیا تھا قاتل حضور کی
یا اپنی جان دینا بھی منظور ہو گیا

ملتے ہی آنکھ دشمن جاں بھی تھا عباد
پہلا ہی وار آپ کا بھر پور ہو گیا

شاعر ماسوائے نعت ہر شعری کاوش کو ہرزہ سرائی سمجھتا ہے۔

اب بعد نعت ہرزہ سرائی کا قصد نہیں
مجذوبؔ شعر کہنے سے معذور ہو گیا

مجذوب نے ایک نعت مثلث کی شکل میں کہی ہے جو سلاست اور روانی میں اپنی آپ مثال ہے اس نعت میں پینتالیس بند ہیں۔ پہلا بند ملاحظہ ہو اس بند میں شاعر نے اس مضمون کو کلیدی حیثیت دی ہے۔ کہ خالق کائنات خود نعت خوان محمدؐ ہے۔ اسی لئے کوئی بھی نعت گو شایان شان محمدؐ نعت نہیں کہہ سکتا۔

۵۔ کشکول مجذوب و ملقب بہ پیام مجذوب صفحہ ۵۳، مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون (مظفر نگر)

ہو نعت بشر کیا کوئی شایانِ محمدؐ
ہے جب کہ خدا خود ہی ثنا خوانِ محمدؐ
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

شاعر "لولاک لما خلقت الافلاک" کے مضمون کو نظم کرتے ہوئے کہتا ہے۔

تخلیق دو عالم کے ہوئے آپ ہی باعث
دیکھے کوئی شان و سر و سامانِ محمدؐ
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

شعر دراصل وہی ہے جس میں اثر آفرینی ہو۔

کیفیت نظر آئی ہمیں پڑھ کے احادیث
دیکھا ہے یہی شعر میں دیوانِ محمدؐ
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

حضور صلعم کے دندانِ مبارک کا ذکر ملاحظہ ہو۔

ہو جاتا تھا ہنسنے سے اندھیرے میں اجالا
تھے غیرتِ انجم دُرِ دندانِ محمدؐ
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

نبی اکرم صلعم کی ذات والا صفات ایک باب حکمت ہے، شاعر اس مضمون کو کس قدر لطیف انداز میں ادا کرتا ہے۔

ہے صحبتِ اقدس تھا عجب درسِ حقائق
بڑھ کر ہے ارسطو سے بھی دہقانِ محمدؐ

منکر نکیر قبر میں "من ربک"؟ "و ما دینک؟" کے بعد بانئ اسلام کے رخِ پُر نور کا دیدار کراتے ہوئے کہتے ہیں "و ما تقول فی ھذا الرجل؟"۔

شاعر کس قدر والہانہ انداز میں کہتا ہے۔ کہ نکیرین قبر میں اس کا ارمان نکال دیں گے۔

سنتا ہوں نکیرین کراتے ہیں زیارت — نکلے گا مگر قبر میں ارمان محمدؐ

شاعر ایک دوسری نعت میں یہ تمنا کرتا ہے کہ وہ مدینے جا کر وہیں کا ہو رہے۔

پہونچ کر نہ ہو لوٹنا پھر وہاں سے — وہیں رہ کے ہوں سپار مدینہ
بصد عیش سوؤں میں تا صبح محشر — جو ہو میرا مرقد کنار مدینہ

شاعر کا ایمان و اعتقاد ہے کہ جس کی وابستگی مدینہ سے ہو جائے وہ قابل رشک ہے۔

ہے عرش آشیاں خاکسار مدینہ — ہے کرسی نشیں جو ہے خوار مدینہ

شاعر مدینہ میں گزرنے والے ایام کو حاصل زندگی جانتا ہے۔

وہ دن حاصل زندگی ہیں جو گذرے — بآغوش لیل و نہار مدینہ

عصرِ حاضر کے شعرائے نعت

عصرِ حاضر جمہوریت کا عصر ہے۔ جس میں عوام کو بالادستی حاصل ہے اور افراد پر سماج کا تفوق مسلّم ہے۔ عصرِ حاضر رنگ و نسل و قوم کے امتیازات کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس دور میں ادب کا مقصد تفنن طبع یا ادب برائے ادب نہیں ہے۔ ادب انسان کی ذہنی کشمکش اس کی اقتصادی و سماجی مشکلات اور اس کے گرد و پیش کی ضرورتوں کا نچوڑ ہے۔ وہ تخیلیت ــــ رمزیت، الفاظ کی تراش خراش، ذہنی انبساط اور دماغی لطف و مسرت ہی کی چیز نہیں۔ عصرِ حاضر کا نعتیہ ادب اپنی تعمیر کے لئے وہی باتیں خام مواد کے طور پر اخذ کرتا ہے۔ جو عصری مقتضیات کو پورا کرتی ہیں۔ بانیٔ اسلام کی تعلیمات میں ایثار کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ایثار میں اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اور دوسروں کی خاطر اپنے کو زحمت اور پریشانی میں ڈالا جاتا ہے۔ پیغمبرِ اسلام نے آج سے چودہ سو سال پیشتر حریت، اخوت اور مساوات کی تعلیم دی تھی۔ اور ایک ہی صف میں بلال رضؓ و عثمانؓ کو کھڑا کر دیا تھا۔ آپ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں صاف صاف فرمایا تھا کہ:

"زمانہ جاہلیت کی ہر ایک بری اور نامعقول رسم کو اپنے پاؤں کے نیچے کچل کر ختم کرتا ہوں۔ جاہلیت کے

سے تمام متضاد خون بہا آج معاف کرتا ہوں۔ میں جاہلیت کے تمام سود اور در سود کی لعنت ختم کرتا ہوں ۔۔۔۔۔۔ اپنی بیوی کے معاملے میں خدا سے ڈرو ۔۔۔۔۔۔ اپنے غلاموں کا خاص خیال رکھو جو خود کھاؤ ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ ۔۔۔۔۔۔ تمام بنی آدم ایک دوسرے کے بھائی ہیں ۔۔۔۔۔۔ عرب کو کسی عجمی پر کسی عجمی کو عرب پر کسی سرخ رنگ والے کو حبشی پر کسی حبشی کو سرخ رنگ والے پر کسی قسم کی فوقیت اور برتری حاصل نہیں ہے ۔ خدا کے نزدیک سب برابر ہیں۔"[۱]

حجۃ الوداع کے وہ الفاظ ، مفاہیم جو ادپر لکھے گئے ہیں، عصر حاضر کی نعتیہ شاعری میں روح کی حیثیت رکھتے ہیں۔ عصر حاضر کی نعتیں روایتی اور رسمی انداز کی نعتوں سے بالکل جدا ہیں۔ مواضیع و مفاہیم کی دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا ہوا اور نعت کو قوم و ملک کی معاشرتی، سیاسی، سماجی، اقتصادی اور تمدنی زندگی سے ہم آہنگ کر کے ایک نئی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔ عصر حاضر کی نعت نے مختلف ہئیتوں اور مختلف شکلوں میں اپنے کو جلوہ گر کیا۔ مسدس، مثنوی، غزل اور قصیدہ کے علاوہ موجودہ دور کی تمام مروجہ اصناف سخن میں نعتیں کہی جانے لگیں۔ عصر حاضر کی نعتیہ شاعری ترانہ گیت سلام نظم معرّیٰ اور آزاد نظموں میں ہر ایک ہئیت پر ملتی ہے۔ نئی نسل نعت کو ایک نئی معنویت کے ساتھ پیش کر رہی ہے معقولیت معروضیت

۱۔ حجۃ الوداع از شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی مشمولہ "رسول نمبر" ۱۳۸۶ھ خاتون پاکستان ص ۔ ۱۵۱

اور اصلاحِ معاشرت کو عصرِ حاضر کی نعتیہ شاعری میں کافی دخل ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری عصرِ حاضر کی نعتیہ شاعری کے لئے مشعل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعہ دینِ فطرت کے اساسی پہلوؤں کی وضاحت کی ہے۔

ضیاء القادری

آپ کا نام مولانا محمد یعقوب حسین اور تخلص ضیاءؔ ہے اردو شاعری میں آپ ضیاء القادری بدایونی کے ساتھ جانے جاتے ہیں۔ آپ پاکستان جاکر کراچی میں مقیم ہو گئے جہاں وہ چند سال پیشتر انتقال کر گئے ہیں۔ آپ کا شمار ہند و پاک کے مشاہیر نعت گو شعراء میں ہوتا ہے۔ نعت گوئی میں آپ ایک منفرد اسلوب کے مالک ہیں۔ آپ کو پیغمبر اسلام سے مخلص عقیدت و محبت تھی۔ اس لئے آپ کا ہر شعر سرکار دو عالم صلعم کی عزت و توقیر اور خلوص و عقیدت سے معمور ہے۔ آپ نے اپنی حیات مستعار نعت و منقبت کے دشت کی سیاحی میں گذار دی۔ اس لئے آپ کو لسان الحسان کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے عشق رسولؐ اور شیفتگئ دین اسلام میں آپ کا گھریلو ماحول کافی دخیل رہا۔ جس کو۔ محنت اور مطالعہ نے جلادی۔

راقم السطور کے زیر نظر مولانا کے دو نعتیہ مجموعے "تجلیات نعت" اور "نغمہ ہائے مبارک" ہیں۔ "تجلیات نعت" مولانا کا دیوان ہے۔ جو محرم ۱۳۶۹ھ میں دفتر رسالہ آستانہ دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اور "نغمہ ہائے مبارک"۔ ان سلاموں کا مجموعہ ہے جو زائرین قبہ خضراء نے جذبات عقیدت کی شکل میں پیش کئے ہیں۔ یا مصنف نے نذرانہ عقیدت کے طور پر عرض کئے ہیں۔ مولانا نے ایک منظوم "سفر نامہ حجاز" بھی تصنیف کیا جس کے دیدار کا شرف راقم السطور حاصل

نہیں کر سکا۔

شعر و شاعری میں ماہرؔ نے کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا۔ انھوں نے اردو شاعری میں جو مقام حاصل کیا، خود بغیر کسی کی رہنمائی کے حاصل کیا ہے۔ وہ اقبالؔ کی شاعری سے بہت متاثر نظر آتے ہیں۔ ان کی کئی نعتیہ نظمیں اسی حجازی لَے سے معمور ہیں۔ جو اقبالؔ کے سارے کلام میں جاری و ساری ہے۔ وہ حالیؔ اور اقبالؔ کے مانند امت مسلمہ کے ادبار سے متاثر تھے اسی لئے ان کی نعتیہ غزلیں سوز اور جذبۂ غمخواری سے معمور ہیں۔ ان کی وہ غزلیں جن کے مطالع زیر میں درج کئے جارہے ہیں ان کے اس رجحان طبع کے آئینہ دار ہیں۔

وہی عقل کی پرستش وہی حوصلہ کی خامی — نہ وہ جرأت کلیمی نہ وہ ذوق ہم کلامی

اب جوشِ اضطراب کے ساماں نہیں رہے — ساحل کو ہے گلہ کہ وہ طوفاں نہیں رہے

مولانا کی نعتوں میں بلا کی داخلیت اور تغزل ہے سلاست، روانی، سادگی بیساختگی، نغمگی اور تراکیب کی پختگی اور تازگی ماہرؔ کی نعتیہ کاوشوں کی ممتاز خصوصیات ہیں۔

ذیل میں ان کی ایک نعت رقم کی جاتی ہے جو ان کے منفرد رنگ کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے:

رونق بزم جو سرکار نظر آتے ہیں — ہر طرف عرش کے انوار نظر آتے ہیں

اے مسیحائے دو عالم تری رحمت کے نثار — کتنے اچھے ترے بیمار نظر آتے ہیں

جلوۂ حسن میں گم ہیں بشر و جن و ملک — انبیاء آئینہ بردار نظر آتے ہیں

دشتِ فاراں سے دیوانے ترے جائیں کہاں — سامنے خلد کے گلزار نظر آتے ہیں

اہلِ تقویٰ ہے مجمع لب تسنیم و طہور — مست و بیہوش یہ میخوار نظر آتے ہیں

جلوۂ روئے زمیں کا ہے تصور ہر دم — مضطرب شائق دیدار نظر آتے ہیں

مدنی چاند ترے حسن کے متوالے تمام — نشۂ عشق میں سرشار نظر آتے ہیں

تیرے عشاق تمام اے شہِ خوبانِ جہاں — عاشقِ ایزدِ غفار نظر آتے ہیں

سر بسجدہ ہیں جو سلطانِ "مقامِ محمود" — حشر میں شاد گنہگار نظر آتے ہیں

نگہِ شوق کو ہو جاتی ہے معراج نصیب — جب ترے روضے کے مینار نظر آتے ہیں

رنگِ نعتِ شہِ بطحا ہے پسِ پردہ ضیا\
لاکھ سادہ مرے اشعار نظر آتے ہیں

ماہر القادری

ماہر القادری بھی حالی اور اقبال کے نعتیہ سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔ میتھو آرنلڈ نے ادب کو زندگی کی تفسیر بتلایا ہے۔ ماہر نے زندگی سے متعلق ان تمام تاثرات کو شعری جامہ پہنایا ہے۔ جو ان کے تجربے نے پیش کئے۔ ان کے کلام میں تغزل کی شادابی اور رعنائی کے ساتھ مسائل حیات اور اسرار زندگی کی تفسیر ملتی ہے۔ ماہر زندگی کی بادیہ پیمائی میں جن مظاہر و عوامل سے متاثر ہوئے وہ ان کے نقوش و عواقب کو فکری سانچے میں ڈھال کر شعری جامے میں پیش کرتے رہے۔

ماہر کا تاریخی نام منظور حسین ہے۔ جس سے ۱۳۲۴ھ کا استخراج ہوتا ہے۔ یہی ماہر کا سن ولادت ہے۔ آپ کے والد کا نام محمد معشوق علی اور تخلص ظریف تھا۔ ماہر پندرہ سولہ سال تک حیدر آباد میں مقیم رہے۔ آپ نے ۱۹۳۳ء میں عراق کا سفر کیا

—— اور وہاں کے علماء و مشاہیر سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ ۱۹۴۳ء میں حیدر آباد دکن کی سکونت ترک کر کے دلّی میں اقامت گزین ہو گئے۔ چند دنوں فلمی دنیا سے بھی منسلک رہے۔ ۱۹۴۷ء کے ہنگامۂ دہلی کے ایام میں ماہر اپنے وطن مالوف میں تھے ۱۳ ستمبر ۱۹۴۷ء کو مفسدوں نے آپ کے گاؤں پر حملہ کیا۔ جس سے بددل ہو کر آپ نے ترک وطن

گیا اور یکم نومبر ۱۹۴۷ء کو کراچی پہونچ گئے۔ آپ نے وہاں سے "فاران" نکالا "فاران" نے علم و ادب اور اخلاق و اسلام کی خدمت میں ناقابل فراموش کام انجام دیئے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد بیس تک پہونچتی ہے۔ ماہر کا مطالعہ بہت عمیق و وسیع ہے۔

آپ نے اپنی خود نوشت حیات میں ایک مقام پر لکھا ہے:

"میری فکر و نظر کی تربیت، نشو و نما بلکہ یوں سمجھئے کہ اس کی تشکیل کا دارومدار مطالعہ پر ہے۔ ساری عمر اس دشت کی سیاحی میں گذری ہے۔ ہر فن کی کتابیں پڑھی ہیں۔ اور ہزاروں راتیں چراغ کے سہارے گذاری ہیں"

ان کی شاعری کا آغاز حمد و نعت سے ہوا ہے۔ ماہر نے شعر و شاعری کے سلسلے میں کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہ نہ کیا۔ البتہ تلامذہ کی تعداد کافی ہے۔ وہ "ترقی پسندی" کے ابتدا سے مخالف ہیں۔ اور اسلام کے علاوہ کسی بھی "ازم" کے قائل نہیں ہیں۔ انھوں نے ایک مقام پر لکھا ہے۔

"میرے نزدیک اسلام اور صرف اسلام ہی مکمل ترین دستور حیات ہے۔ اور جہاں جہاں اسلام سے دوری اور بیگانگی پائی جاتی ہے وہاں بگاڑ پایا جاتا ہے"[۲]

اسی لئے ان کا نظریۂ حیات، نظریہ اسلام بن گیا ہے۔ آپ نے ۱۹۵۴ء

---

[۱] - شعرستان (تذکرہ شعرائے پاکستان) مرتبہ نعمانی تائیر و منظر صدیقی صفحات ۳۱۶ - ۳۱۷ - ۳۱۸

[۲] ذکر جمیل صفحہ ۱۲، ۔۔۔۔ مطبوعہ - اسٹیم پریس حیدر آباد (دکن) طبع اول

میں اپنی دیرینہ تمنا کو عملی جامہ پہناتے ہوئے حرمین شریفین کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔

شاعر کو نعت گوئی وراثت میں ملی تھی۔ سارے گھر کو حمد و نعت سے خاص شغف تھا۔ اور ان کے والد آخری عمر میں نعت اور صرف نعت کہنے لگے تھے۔ ماہر کی نعتیہ کاوشوں کا مجموعہ "ذکر جمیل" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ جس کے دیباچہ میں ماہر نے بہت سی کام کی باتیں لکھی ہیں۔ یہ دیباچہ ان کی افتادِ طبع پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ ان کے دیگر مجموعوں میں بھی نعتیہ کلام شامل ہے۔ "ذکر جمیل" میں عنوانات کے تحت نعتیں لکھی گئی ہیں۔ مثلاً "اسیرانِ بدر" "ذکر جمیل" "ظہور قدسی" "حرمین کا مبلغ اعظم" — "پیغمبر انسانیت" "نذر عقیدت" "فریاد" اور "دربار اقدس" وغیرہ۔

حضور صلعم کے جمال پر شاعر کی شیفتگی محض روایتی درسمی نہ ہو کر فطری اور جبلّی بھی ہے۔ ماہر نے خود کہا ہے کہ :

"اگر میں خدانخواستہ مسلمان گھرانے میں پیدا نہ ہوا ہوتا اور میرے ماں باپ مجھے کافر بنا دیتے تو جس طرح عبداللہ بن سلام رسول اللہ صلعم کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھے "قسم ہے خدا کی یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہو سکتا" تو میری فطرت بھی نبی آخر کی صورت پاک سے متاثر ہو کر چیخ اٹھتی کہ زمین و آسمان کے مالک کی قسم یہ زندگی سچے اور نیک ہی کی ہو سکتی ہے"[1]

اردو نعت کے سلسلے میں ماہر القادری کی شخصیت اس لئے بھی اہم ہے۔ کیونکہ انھوں نے نعتیہ شاعری پر ناقدانہ نگاہ ڈالی ہے۔ اور اپنے

---

[1] ذکر جمیل ص ۱۱

مجموعہ کے دیباچہ میں محبت، عقیدت اور پرستش کے فرق کو واضح کرتے ہوئے نعت گو شعراء کی غیر محتاط حرکات کا جائزہ لیا ہے۔ ماہر نے غلط اور موضوع روایات کو نظم کرنا، بانیٔ اسلام کو عبد کے دائرے سے خارج کر کے الوہیت میں شریک کر دینا، رسول صلعم کو احمد بے میم کہنا وغیرہ کو مشرکانہ بداعت کے زمرے میں شامل کرتے ہوئے کہا ہے۔ کہ:

"یہ دیکھتے ہوئے دکھ ہوتا ہے کہ شاعری کا تاریک پہلو نعت و منقبت میں بھی نمایاں ہو کر رہا۔ بہت سی غلط موضوع اور بے سروپا باتیں شاعری کی بدولت مسلمانوں میں پھیل گئیں۔ عقیدت اور محبت کے غیر محتاط جوش میں اس قسم کے تمام چٹخاروں کو لوگ گوارا کرتے گئے۔ یہاں تک کہ ان چٹخاروں نے مستقل عنوانات کی صورت اختیار کر لی۔ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا۔ کہ محبت عقیدت اور پرستش میں بہت ہی نازک فرق ہے۔ غیر محتاط عقیدت پرستش بن جاتی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قرآن پاک میں اکثر و بیشتر مقامات پر جہاں رسول اللہ کا ذکر آیا ہے "عبد" کا لفظ ضرور استعمال فرمایا گیا ہے۔ کہ عقیدت مند کہیں بندے کو خدا نہ سمجھ لیں۔ مسلمان کی شان "انا الحق" میں نہیں، "انا العبد" کہنے میں ہے کہ صاحب معراج اور "واقف اسرار لی مع اللہ" نے بار بار اپنے کو بندہ کہا۔"[1]

ماہر کی نعتیہ شاعری کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں پاس

---

[1] ۔ ذکر جمیل ص۔ ۱۷ تا ۱۸

ادب بہت زیادہ ہے وہ عشقِ مصطفوی سے سرشار ہو کر کہیں مدہوش نہیں ہوئے۔ انھوں نے عشق و فریفتگی کی وادی میں والہانہ جذب و شوق کے کوائف بیان کرتے ہوئے پھر بھی آقا اور غلام کی حدبندی کو ملحوظ نظر رکھا ہے۔ ان کے اس شعور نے ان کے کلام میں معنیٰ آفرینی، متانت اور سنجیدگی پیدا کر دی ہے۔ نام مصطفےٰ سے ان کے دل میں ایک طوفان برپا ہو جاتا ہے لیکن اس طوفان کا مرقع پیش کرنے میں وہ جادۂ اعتدال سے سر مو متجاوز نہیں ہوئے ان کی فکری صلابت کہیں بھی ان کو بے راہ رو نہیں ہونے دیتی۔ نمونۃً حسب ذیل اشعار ملاحظہ ہوں۔

کیف و سرمستی کا اک پیغام رنگیں تیرا نام
انبساطِ روح کی دعوت ترا ذکرِ جمیل

لحنِ داؤدی کی ہر لے تیرے نغمہ کی شہید
ہر ادائے حسنِ یوسف تیرے ابرو کی قتیل

تیرے گیسو حاملِ ناموسِ اسحاق و ذبیح
تیرے عارض باعثِ رنگینیٔ باغِ خلیل

سب کی تیری چشمۂ رحمت سے بجھتی ہے پیاس
اس میں قلزم ہو کہ دجلہ، رود گنگا ہو کہ نیل

تیری سطوت کے اثر سے ریزہ ریزہ پاش پاش
خواہ خندق کی چٹانیں ہوں، کہ خیبر کی فصیل

خاک میں تو نے ملا دی سطوتِ لات و ہبل
تیرا مرہونِ نوازش کعبۂ ربِ جلیل [۱]

ماہر کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ وہ اپنے عشق کے ملجا و ماویٰ کی زیارت سے مشرف ہوں۔ حرم پاک نبوی سے رخصت ہوتے وقت شاعر کے دل کی جو کیفیت تھی انھوں نے اس کا اظہار اپنی ایک نعتیہ کاوش میں "الوداع" کے عنوان سے کیا ہے جس کے چند منتخب اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں۔

الوداع اے فضائے کیف و سرور
الوداع اے ہوائے دامنِ نور

رخصت اے روضۂ نبی کریم
رخصت اے حجلۂ رؤف رحیم

رخصت اے جلوہ گاہ قدس جناب
رخصت اے بارگاہ وحی و کتاب

---

[۱]۔ ذکرِ جمیل۔ صفحات ۳۴ / ۳۵

رخصت اے جالیوں کے نظارے — رخصت اے رحمتوں کے گہوارے

رخصت اے منبر رسولِ خدا — رخصت اے مرکزِ پیامِ ہدیٰ

الوداع اے حدودِ فلکِ حجاز — رخصت اے بوسہ گاہِ اہلِ نیاز

شانِ حق کا ظہور کیا کہنا — تیری راتوں کا نور کیا کہنا

اے عماں اور گردشِ ایام — تیری شام و سحر کو میرا اسلام

اب بھی باقی ہے میرے دل میں خلش — اے کہ تو ہے جہاں ہے جذب و کشش

پھر مرے سامنے یہ منظر ہو — پھر مجھے حاضری میسر ہو[۱]

ندرتِ خیال، بداعتِ اظہار، شگفتگیِ بیان، ماہر کی نعتیہ شاعری کی ممتاز خصوصیات ہیں۔ شاعر کا سارا قصر نعت جدت طرازی کی وجہ سے شگفتہ و دلکش ہے۔ اس نے اپنی بداعت اظہار کے سارے فرسودہ مضامین کو بھی برنائی و رعنائی سے معمور کر دیا ہے۔ بانی اسلام کی ولادت کا نقشہ اردو کے بہت سے نعت گو شعراء نے کھینچا ہے۔ لیکن جس لطیف اور شگفتہ انداز میں ماہر نے ولادت کا مضمون اپنی نعت "ظہورِ قدسی" میں نظم کیا ہے وہ دلآویز انداز اردو کے شعرائے نعت میں حالی، محسن اور حفیظ کے علاوہ کسی کے یہاں نظر نہیں آتا۔ ماہر نے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر تخیل کی رنگ آمیزی سے واقعۂ ولادت کی حقیقت کو دلآویز بنا دیا ہے۔

ظہورِ قدسی کی بہاریہ تمہید نے منظر کی دلکشی میں چار چاند لگا دئے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر کائنات کا ہر ذرہ شادان و فرحاں ہے۔ اور منظرِ صبح کی رعنائی و دلآویزی میں حسبِ بساط اضافہ کر رہا ہے۔ شاعر نے آنحضرت صلعم کی مبارک ولادت کا تذکرہ کرکے چند اشعار میں خالص نعت کے بہت چاندار اشعار کہے ہیں۔ جن سے بانیٔ

---

[۱] ۔ ماہنامہ فاران کراچی جنوری ۱۹۵۵ء ص ۳۳

اسلام کے اسوۂ حسنہ کے مختلف زاویوں پر روشنی پڑتی ہے۔ نمونہ کے طور پر چند اشعار ہدیۂ قارئین ہیں:

سحر کا وقت ہے معصوم کلیاں مسکراتی ہیں — ہوائیں خیر مقدم کے ترانے گنگناتی ہیں
مئے عشرت چھلکتی ہے ستاروں کے کٹوروں سے — ابلتی ہے شراب خلد مٹی کے سکوروں سے
پسینہ شادمانی سے ہے پھولوں کی جبینوں پر — بطوں کا دیدنی ہے رقص تالابوں کے سینوں پر
چمن میں ہر طرف شبنم کے موتی جھلملاتے ہیں — نسیم صبح کے جھونکے دلوں کو گدگداتے ہیں
ازل کی صبح آئی جلوۂ شام ابد بن کر — کیا ہستی کے محور پر جہاں نے آخری چکر
زمانے کی فضا میں انقلاب آخری آیا — نچھاور کر دیا قدرت نے سب فطرت کا سرمایہ
ابھی جبریل اترے بھی نہ تھے کعبہ کے منبر سے — کہ آتے ہیں صدا آئی یہ عبداللہ کے گھر سے
مبارک ہو شہ ہر دوسرا تشریف لے آئے — مبارک ہو محمد مصطفیٰ تشریف لے آئے
وہ آئے جن کی ٹھوکر پر نچھاور سطوت دارا — وہ آئے جن کے آگے سرد ہے باطل کا انگارا
وہ آئے جن کی آمد ظلم کو پیغام بربادی — وہ آئے جن کا آنا دہر کو اعلان آزادی
وہ آئے جن کا آنا باعث الطاف یزداں تھا — وہ آئے جن کی پیشانی کا ہر خط شرح قرآں تھا
وہ آئے جن کے آنے کو گلستاں کی سحر کہیے — وہ آئے جن کو ختم الانبیاء خیر البشر کہیے [۱]

جیسا کہ راقم السطور پہلے عرض کر چکا ہے کہ ماہر القادری حالی سے کافی حد تک متاثر تھے۔ حالی جدید اردو شاعری کے پیشرو ہیں۔ انھوں نے نعت کے میدان میں بھی گراں قدر اصلاحیں کیں۔ حالی پہلے نعت گو شاعر ہیں جس نے نعت کے اصلاحی پہلو کو اجاگر کیا۔ ماہر القادری نے حالی کے تتبع میں اپنی نعتوں کے ذریعے اس اصلاحی پہلو کو مزید واضح کیا۔ ان کی نعتوں میں مقصدیت ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ انھوں نے "یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما" کے عنوان سے جو سلام بارگاہ رسالت میں پیش کیا ہے اس میں یہ رنگ بہت چوکھا ہے۔

لہ۔ ذکر جمیل صفحات ۳۶، ۳۷، ۳۹، ۴۴

ماہر کا یہ سلام مسدس کے مشہور بندوں سے، جن میں حالی نے خالص نعتیہ مضمون نظم کیا ہے معنوی ربط رکھتا ہے۔ محولہ بالا سلام کا ایک مختصر اقتباس ملاحظہ ہو۔

سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اس پر کہ اسرار محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں
سلام اس پر جو سچائی کی خاطر دکھ اٹھاتا تھا
سلام اس پر جو بھوکا رہ کے اوروں کو کھلاتا تھا
سلام اس پر کہ جس کی سادگی درس بصیرت تھی
سلام اس پر کہ جس کی ذات فخر آدمیت تھی
سلام اس پر کہ جس نے جھولیاں بھر دیں فقیروں کی
سلام اس پر کہ مشکیں کھول دیں جس نے اسیروں کی

اسی زمرہ میں ماہر کی وہ نظم آتی ہے جو "ساقی نامہ" کے عنوان سے معنون ہے۔ لائق شاعر نے اس نظم میں بانی اسلام کو ساقی کے لفظ سے مخاطب کر کے امت مسلمہ کا حال زار سنایا ہے۔ اپنے سوز دروں کے احوال و کوائف کی تبیین ہے اور ان ہی اشعار کے مابین خالص نعت کے دلآویز اشعار بھی تخلیق کر دئے ہیں۔ نظم معرض بحث کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

ترے کردار پر دشمن بھی انگلی رکھ نہیں سکتا
ترا اخلاق تو قرآن ہی قرآن ہے ساقی
کسی صورت ترے دربار اقدس تک پہونچ جاؤں
مجھے دشوار ہے تیرے لئے آسان ہے ساقی

ترے آتے ہی انسانیت کبریٰ ابھر آئی

زمانے پر ترا احسان ہی احسان ہے ساقی

نہ وہ ایمان کی گرمی نہ وہ تنظیم امت کی

نہ مصر و شام پہلے سے نہ وہ ایران ہے ساقی

خلافت دے کے بھیجا تھا جسے حق نے زمانے میں

وہی انسان اب مغرب زدہ انسان ہے ساقی

مری آنکھوں نے دیکھی ہے عجم کی بزم آرائی

غضب ہے محفل بغداد بھی ویران ہے ساقی

بتوں کی طرح قبضہ کر لیا ہے علم حاضر نے

کوئی منکر کوئی باغی کوئی حیران ہے ساقی

بتوں کی طرح قبروں کی طرف پیشانیاں خم ہیں

خدا کے ماننے والوں کا یہ ایمان ہے ساقی

مسلماں نا مسلمانوں کی صف میں آتے جاتے ہیں

کہ ایمان اب اک ٹوٹا ہوا پیمان ہے ساقی

وہ نبی اکرم صلعم کو امیدوں کا ملجا اور دونوں عالم کا سہارا مانتا ہے

درود اس پر کہ جو ماہر کی امیدوں کا ملجا ہے

درود اس پر کہ جس کا دونوں عالم میں سہارا ہے [۱]

شاعر عشق احمد کو اپنی نجات کا ذریعہ متعین کرتا ہے:

درحقیقت میری بخشش کی کوئی صورت نہ تھی

سچ یہ ہے ماہر کہ عشق مصطفےٰ کام آگیا [۲]

---

[۱] - ذکر جمیل ص ۵۱

[۲] - ذکر جمیل ص ۸۰

اس کو بانیٔ اسلام کی غلامی پسند ہے۔

ہیں سر حشر کچھ اس شان سے پہنچا ماہر   شور اٹھا کہ محمدؐ کا غلام آتا ہے[1]

اس کو اس بات پر فخر ہے کہ وہ مداح رسولؐ ہے:

یہ کیوں کہوں کہ دعا میری مستجاب نہیں   بنا دیا مجھے مداح مصطفٰےؐ ماہر[2]

ماہر کے کلام کی ایک خصوصیت اس کی سادگی، سلاست، روانی اور صفائی ہے۔ زبان صاف سادہ اور عام فہم ہے۔ لیکن ماہر بانیٔ اسلام کے وصفی انداز بیان میں آیات واحادیث اور کتب تواریخ و سیر سے اتنا زیادہ استفادہ کرتے ہیں کہ قاری بغیر اچھی خاصی استعداد کے ان کے کلام سے پوری طرح لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ ان کا کلام داخلیت و خارجیت کا حسین سنگم ہے۔ اس نے جہاں وصفی انداز بیان اپنا کر نعت نبیؐ میں نغمہ سرائی کی ہے وہیں اس کے نعتیہ سرمائے میں ایسی نعتوں کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ جن سے اس کے سوز دروں کا احساس ہوتا ہے۔ ماہر کے کلام میں داخلیت کی ساری رعنائی اس کے سچے جذبۂ عاشقی کی دین ہے۔ وہ اپنے جذبات عشق کے اظہار میں بہت مودب نظر آتا ہے۔ سچا عشق انسان کو مودب بنا دیتا ہے۔ میر نے ٹھیک ہی کہا تھا:

عشق بن یہ ادب نہیں آتا   دور بیٹھا غبار میر اس سے

شاعر کی نظر میں یاد نبیؐ میں ایک لمحہ کی غفلت بھی معصیت ہے۔ وہ اس شراب عشق سے مخمور ہونا چاہتا ہے جس سے ابوذر و بلال مخمور تھے۔ وہ بادۂ حب نبیؐ سے سرشار رہ کر پھر کبھی ہوش میں نہیں آنا چاہتا۔ متعلقہ غزل ملاحظہ ہو:

کوئے نبیؐ میں اس طرح جانا نہ چاہیئے   اک اک قدم پر سجدۂ شکرانہ چاہیئے

---

[1] ۔ ذکر جمیل ص ۶۳

[2] ۔ ذکر جمیل ص ۹۳

مخمور جس شراب سے تھے بوذر و بلال — مجھ کو اسی شراب کا پیمانہ چاہیئے
جالی سے چھن رہا ہے وہ نورِ مزارِ پاک — ایسے میں صرف جرأت رندانہ چاہیئے
پی تو لیا ہے بادۂ حبِ نبیؐ کا جام — اب اس کے بعد ہوش میں آنا نہ چاہیئے
ممکن نہیں جو ان کی طرف سے نہو کشش — انداز گفتگو کا حکیمانہ چاہیئے
ماہر غم و الم سے ہو کتنا ہی دل نڈھال — شکوہ مگر زبان پہ لانا نہ چاہیئے

ماہر کی نعتیہ غزلوں کی روش نرم، لطیف، سادہ و شیریں، دھیمی اور سبک ہے۔ کہیں پر بھی لہجے میں تیزی یا خروش نہیں ہے۔ مثال میں ان کی وہ نعتیہ غزل پیش کی جاسکتی ہے، جس کا مطلع درج ذیل ہے:

کیا مدینہ سے بھی پیغام کوئی لائی ہے — یا نسیم سحری یونہی چلی آئی ہے

محولہ بالا نعت کے مرقومہ ذیل دو اشعار تغزل سے معمور ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ یاد رخ جاناں کے بغیر — زندگی کیا ہے مسلسل شب تنہائی ہے
آپ سے پہلے نہ خوشبو تھی نہ رعنائی تھی — آپ آئے ہیں تو دنیا میں بہار آئی ہے

ماہر کی وہ نعتیہ کاوش بھی فراموش نہیں کی جاسکتی۔ جس کا مطلع۔ درج ذیل ہے۔

جس کا مشتاق ہے خود عرش بریں آج کی رات
ام ہانی کے گھر میں ہے وہ مکیں آج کی رات

شاعر نے اس نعت میں معراج کا ذکر خیر ایک نئے انداز میں کیا ہے — "لولاک" اور "قاب قوسین" کے مضامین نادر اور بدیع انداز میں باندھے گئے ہیں۔ کہیں کہیں پر تغزل کا رنگ بہت گہرا اور کافی دلآویز ہو گیا ہے۔ نمونہ کے طور پر رقم ذیل شعر ملاحظہ ہو۔

مسکرائے جو نبیؐ دیکھ کے جنت کی طرف — اور بھی ہو گئی فردوس حسیں آج کی رات

ماہر نے اپنی نعتوں کے ذریعہ اسلامی سیاست کے خدوخال بھی واضح کئے ہیں۔ شاعر کا یہ سیاسی رنگ اس کی نظم "حریت کاملہ کا مبلغ اسلام" نظم

میں دیکھا جا سکتا ہے۔ شاعر نے اس نظم میں بعثت سے قبل عالمِ انسانی کے استبدادی نظام کا مجمل خاکہ پیش کر کے بانیٔ اسلام کی متبرک تعلیمات کے سیاسی عواقب و نتائج کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

ماہرؔ نے اپنی نعتیہ شاعری کے ضمن میں اپنے عقائد کی برملا وضاحت کی ہے۔ وہ بانیٔ اسلام کو کونین کا مدعا اور آپ کی محبت کو عین ایمان سمجھتا ہے۔

ان ہی کی محبت ہے ایمان ماہرؔ   جو کونین کا مدعا بن کے آئے

وہ ہر سخت گھڑی میں نام محمدؐ کو اکسیر سمجھتا ہے:

زندگی میں جو کوئی سخت مقام آتا ہے   اس گھڑی لب پہ محمدؐ ہی کا نام آتا ہے

حمید صدیقی

حمید صاحب ۸ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۲۰ء کو لکھنؤ میں متولد ہوئے۔ غنائیت آپ کی جبلت میں داخل تھی۔ جو اولاً دوسروں کے اشعار پڑھنے تک محدود تھی لیکن بہت جلد اس نے خود اشعار ڈھالنے شروع کئے۔ آپ نے بغرض اصلاح حضرت جگر مرادآبادی کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ کچھ دنوں معشوقین مجازی کے ارد گرد چکر لگاتے رہے۔ لیکن جلد ہی ان کو اپنی کج روی کا احساس ہو گیا۔ انھوں نے اپنی ساری عمر محبوب حسن مطلق کی مدحت سرائی کے لئے وقف کر دی۔ حمید صاحب نے ایک مقام پہ لکھا ہے کہ:

"اب مجھے سوائے ذکر دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور کوئی صنف شاعری محبوب نہیں۔ میں اس رنگ میں ایسا کھو گیا ہوں کہ یاد مدینہ و رسولؐ اکرمؐ (فداہ ابی و امی) کے علاوہ کوئی اور تذکرہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ دیار حبیب کا تصور وہاں کے مناظر اور وہی لیل و نہار اور اشغال و اذکار دل و دماغ میں اس طرح پیوست ہو گئے ہیں۔ کہ سوچتا ہوں تو وہیں کی باتیں اور دیکھتا ہوں۔ تو وہیں کے مناظر سنتا ہوں۔ تو وہی نغمے اور خیال آتا ہے۔ تو اسی قبیلے کہ لکھ کر

کا ـــــــ غرض :- ــــ

"دیوانہ را ہوئے بس است"

اس لئے ایک ذرا سا اشارہ اور ایک معمولی سی تحریک مجھ کو اسی عالم میں پہونچا دیتی ہے۔ جو میرا منتہائے نقطۂ نظر ہے۔ اور وہی کیفیتیں اشعار کا جامہ پہن کر میرے دلی جذبات کی ترجمانی کرتی رہتی ہیں[1]"

حمید طبعاً سیدھے سادے سچے مسلمان ہیں۔ صداقت، خلوص، راستبازی سریع الحسی خوف خدا اور عشق رسول ان کی سرشت میں داخل ہے۔ رئیس المتغزلین حضرت جگر مرادآبادی کا کہنا ہے کہ:

"حمید صاحب کو قدرت نے شاعر پیدا کیا ہے۔ وہ استعداد عشق و جمال کے ماتحت شدید الاحساس انسان ہیں۔ صدق اور پاکیزہ اخلاق و جذبات کے مالک ہیں۔ ان کی ہستی سراپا خلوص و محبت اور مجسم سوز و گداز ہے[2]"

انھوں (حمید صدیقی) نے اپنے مجموعہ کلام "بانگ حرم" کے دیباچہ میں "حرف گفتنی" کے ذریعہ اپنا تعارف اس طرح کرایا ہے:

"حمید ہوں، حمید کے معنی آپ کو معلوم ہیں۔ کہ پسندیدہ اور مستحق ستائش کے ہیں۔ کسی کے قابل مدح بننے کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ وہ دنیا کے سب سے بڑے سزاوار ستائش، مستحق تعریف اور حقدار حمد و منقبت کی تعریف کرتا رہے اور ہر شخص خوب جانتا ہے کہ ازلی مستحق تعریف، پیدائشی

---

[1] - گلبانگ حرم: حمید صدیقی۔ صفحات ۴۴، ۴۵ مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ

[2] - گلبانگ حرم: ص ـــ ۲۴

حقدارِ حمد اور سراپا منقبت و مدحت اس دنیا میں خدا کے بعد صرف وہی انسانِ کامل ہے جس کو آج بھی دنیا "محمدؐ" (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) کہتی ہے۔

محمد بگویم ترا ابا محمد — کہ وصفِ تو بیرون تر امکان من

لکھنوی ہوں اس لئے شعر و شاعری کا ذوق فطری بھی واضح ہو گیا، لیکن شعر و شاعری سے دلچسپی کسی کو قصداً نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ سوز و گداز کی چنگاری خود بخود سلگتی ہے۔ اور پھر خرمنِ دل و دماغ کو پھونک ڈالتی ہے۔ مجھ سوختہ دل پر اس نادیدہ تجلی کا ظہور ہوا اور آپ یہ نہ سوچیئے کہ کس طرح ہوا۔ مگر ہاں یہ ضرور ملاحظہ فرمایئے کہ جذبات کی چنگاریاں کس صورت میں برق زن ہوئیں۔ انھیں کے اثرات نے "گلبانگِ حرم" کی صورت اختیار کر لی ہے[1]۔

آپ کے کلام کا مجموعہ "گلبانگِ حرم" کے نام سے کئی بار شائع ہو چکا ہے۔ راقم السطور کے سامنے اس کا چھٹا ایڈیشن ہے۔ مصنف نے اس ایڈیشن میں جدید نظموں اور سرکارِ دو عالم صلعم کے منظوم اسمائے مبارکہ کا اضافہ کیا ہے۔ اس مجموعہ میں ۳۲۰ صفحات ہیں۔ ۲۷۳ سے ۳۱۷ تک کے صفحات غزلیات پر مشتمل ہیں۔ شاعر نے غزلیات والے حصہ کو مستثنیٰ کر کے باقی جو کچھ بھی کہا ہے عنوانات قائم کر کے کہا ہے اس نے ہر نعت کا ایک عنوان مقرر کر دیا ہے۔۔۔

"گلبانگِ حرم" کے آغاز میں اولاً عبدالحئی صاحب کا مضمون "زائرِ حرم" کے نام سے ہے۔ اس کے بعد مولانا عبدالماجد دریابادی کا "پیش لفظ" ہے جس کے بعد حضرت سید سلیمان ندوی، حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب

---

[1] - گلبانگِ حرم ص ۔ ۳۴

گیلانی، پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی، رئیس المتغزلین حضرت جگر مراد آبادی، مولانا احمد حسن صاحب، امجد حیدر آبادی کی تقریظات ہیں۔۔۔

تقریظات کے بعد ارباب صحافت مدیر صدق جدید، مدیر معارف، مدیر دار العلوم اور مدیر ہمدم کے تبصرات ہیں۔ حضرت الحاج مولوی صبغت اللہ صاحب شہید انصاری فرنگی محلی کا ایک مضمون "اک با عظمت داد" کے عنوان سے تبصروں کے بعد شامل ہے۔ اس مضمون کے بعد ایک مدنی بزرگ کے منظوم خیالات ہیں جو انھوں نے "اصطفا منزل" میں سنائے تھے۔ جس کے بعد الحاج شفیق جونپوری کا ایک قطعہ تاریخ ہے جو سات اشعار پر مشتمل ہے۔ آخر میں مصنف نے "حرف گفتنی" کے عنوان سے اپنی خود نوشت لکھی ہے۔ جس کے بعد اصل کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ اس مجموعہ کی پہلی کاوش کا عنوان "خدا حافظ" اور آخری کاوش کا عنوان "گلگشت چمن" ہے۔

حمید کو پیغمبر اسلام سے مخلص عقیدت تھی۔ ان کو ذات گرامی و متعلقات و منسلکات نبوی سے والہانہ شیفتگی تھی۔ مدیر دار العلوم نے حمید کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> وہ ایک سچے محبّ رسول، خانوادۂ نبوت کے ایک جاں نثار عاشق، گلزار رسالت کے ایک عندلیب شنوا، صحرائے عرب کے قیس عامری اور مقامات مقدسہ کے ایک ایسے چاہنے والے ہیں۔ کہ وہاں کے ہر جلوے کو وہ اپنی آنکھوں میں چھپا لینا چاہتے ہیں۔ وہاں کے ہر منظر پر جان دیتے ہیں اور ہر بام و در سے انھیں والہانہ عشق ہے۔"

۵ؔ۔ گلبانگ حرم ص/۳۰

رسول اکرم صلعم کے اسم مبارک کو سن کر اس کے دل کا ہر گوشہ معمور ہو جاتا ہے۔ اور رسول اللہ صلعم کے تمام متعلقات مع اپنے تمام لوازم اس کی نگاہ کے سامنے آجاتے ہیں۔ اس کو مقامات مقدسہ سے ایک گہرا ربط ہے۔ اس کی ایک نعتیہ کاوش "جلوۂ بیت الحرام" سے چند اشعار بغرض ملاحظہ نقل کئے جاتے ہیں۔

رسولؐ پاک کا جب لب پہ نام ہوتا ہے
نفس نفس بخدا اک پیام ہوتا ہے
فضائے شوق میں اٹھیں سکون کی لہریں
یہ کون دل سے مرے ہم کلام ہوتا ہے
مری نگاہ میں کونین سر بسجدہ ہیں
عجیب کعبۂ دل کا مقام ہوتا ہے
وہ سب کا ذوق حضوری و شوق کا عالم
عجیب منظر باب السلام ہوتا ہے
ہر اک زبان پہ پیہم لا الہ اللہ
حضور سرور عالم کا نام ہوتا ہے
وہ خاص خانۂ کعبہ کے گرد قندیلیں
کہ جیسے تاروں میں ماہ تمام ہوتا ہے
قبول عام نہ کیوں ملتزم شریف میں ہو
یہاں دعاؤں کا خاص التزام ہوتا ہے
ہجوم عام رہے کیوں نہ چاہ زم زم پر
یہیں پہ سیر ہر اک تشنہ کام ہوتا ہے
غلاف لے کے جو آتا ہے ناقہ محمل
عجیب ناز سے محو خرام ہوتا ہے

گلبانگ حرم، ص ۱۴۹

وفورِ شیفتگی اور خلوصِ عقیدت میں اس کو ہر جلوہ فردوس نظر، ہر شے نور سے معمور، جبہ جبہ رشکِ ارم، ذرہ ذرہ بقعۂ نور اور طیبہ کا گوشہ گوشہ جانِ تجلی اور نازشِ طور معلوم ہوتا ہے۔ شاعر نے ایک قطعہ میں بادِ صبا کو پیغام رساں بنا کر اپنا یہ پیغام بارگاہِ نبوی میں پیش کیا ہے۔ کہ ایک نظر بھر اس کی طرف ہو جائے۔ شاعر کو در نبی پر جینا مرنا سب کچھ منظور ہے۔ شاعر نے اپنی التجا صاف سادہ الفاظ میں چھوٹی بحر کے ذریعے پیش کی ہے۔ حمید کی اس قسم کی نعتوں میں روانی، شیرینی، سوز و گداز، رقت آفرینی اور دلآویزی سب کچھ ہے۔

۱ باد صبا ہاں باد صبا ۔ عرض یہ کرنا ان کے حضور

۲ درد محبت سے بے تاب ۔ سوز جدائی سے رنجور

۳ حیرت و حسرت کا مارا ۔ ایک شکستہ دل مہجور

۴ رو رو کر یہ کہتا ہے ۔ خذ بیدی یا نور المنور

۵۔ ایک نظر کا مارا ہوں ۔ ایک نظر بھر مرے حضور

۶۔ ان کے در پر مجھ کو حمید ۔ مرنا جینا سب منظور ہے[۵]

۷۔ تا کے آخر دورِ فراق ۔ کب ہوگی یہ دوری دور

حمید کبھی کبھی اپنی شعری کاوش کے لئے ایسی بحروں کا انتخاب کرتے ہیں۔ جو بہت مترنم معلوم ہوتی ہیں۔ ان بحروں میں ان کی نعتیہ کاوش اس خوش الحان پرندے کی الاپ معلوم ہوتی ہے۔ جو جوشِ جذبات میں ہمہ تن آواز بن گیا ہو۔ "برق تجلی" کے عنوان سے گلبانگ حرم میں شامل نعت اس حقیقت کی مظہر ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تصور میں کون آ گیا اللہ اللہ ۔ مرا دل دھڑکنے لگا اللہ اللہ

۵۔ گلبانگ حرم ص / ۱۸۹

کچھ اس طرح محسوس ہوتا ہے مجھکو — مدینہ ہے جلوہ نما اللہ اللہ
جہاں جبرئیل امیں پر شکستہ — وہاں میرا طبع رسا اللہ اللہ
یہ کس کیف میں آج میں ہوں کہ لب پر — محمد محمد ہے یا اللہ اللہ
یہ تھمتے نہیں آنسو نہ رکتی ہیں آہیں — یہ کیا آج یاد آگیا اللہ اللہ
نہیں اب تو کچھ ہوش اس کا بھی مجھکو — کہ یہ دل کی دھڑکن ہے یا اللہ اللہ
مری چشم پر شوق میں جلوہ گر ہے — مدینہ کی اک اک ادا اللہ اللہ
وہ مہر نبوت کی پُر نور کرنیں — ہر اک سمت جلوہ نما اللہ اللہ
نسیم کرم کے وہ پُر کیف جھونکے — دریچے وہ جنت کے وا اللہ اللہ
وہ تاروں بھری رات وہ عالم ہو — وہ یا ربنا کی صدا اللہ اللہ
وہ تنویر "والنجم" کی ضوفشانی — وہ پچھلا پہر رات کا اللہ اللہ
نظر در پہ اور کان آہٹ پہ ہر دم — وہ سب کا ادھر دیکھنا اللہ اللہ
تجلی باری کی وہ نور باری — وہ گلبانگ صل علیٰ اللہ اللہ [۱]

نعت کافی طویل ہے۔ پوری نعت میں اصوات کے زیر و بم اور الفاظ کی نشست و برخاست نے کلام میں دلآویز غنائیت پیدا کر دی ہے۔ حمید نے اپنی اس شعری کاوش میں خلفائے اربعہ اور اصحاب صفّہ کا ذکر خیر اس طرح کیا ہے۔ کہ اس سے نعتیہ کاوش میں جدت و ندرت آگئی ہے۔

شاعر اکثر و بیشتر اپنی نعتوں میں حضور صلعم کے متعلقات و منسلکات میں سے چھوٹی چھوٹی چیزوں کا تذکرہ اس طور پر کرتا ہے کہ اسکی نعت کے وہ اشعار جن میں ان چیزوں کا بیان ہوتا ہے، ان قارئین کی دسترس سے باہر ہو جاتے ہیں۔ جن کو ان اشیاء اور مقامات کی آگاہی نہیں ہے۔ اسی لئے شاعر نے فٹ نوٹ پر ان کی وضاحت کر دی ہے۔ تاکہ ان اشعار سے عام

---

[۱] - گلبانگ حرم ص/ ۱۹۳

قاری بھی لطف اندوز ہو سکے۔ مثال کے طور پر نعت معنون بہ "حسن تمنا" میں شمول وہ نعتیہ اشعار ملاحظہ کریں، جن میں "مہبط" اور "مصلاّ" الفاظ مستعمل ہوئے ہیں۔

پھر بیٹھ کر اٹھنے نہ جی چاہے جہاں ۔۔۔ اغوات[1] کے رہنے کا وہ گوشہ نہیں دیکھا
آتے تھے جہاں رشد و ہدایات کے پیغام ۔۔۔ وہ مہبط جبرئیل وہ صفہ نہیں دیکھا
یاد آئے نہ کیوں آخر شب نور کا عالم ۔۔۔ وہ خاص "تہجد" کا مصلاّ نہیں دیکھا[2]

حمید کے نعتیہ کلام کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے ہر جگہ ادب کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔ وہ عشق نبی میں سرشار اور شیفتگی رسول ص میں دیوانے ضرور ہیں لیکن ان کا شمار ان دیوانوں میں ہے جو "باخدا دیوانہ باش و با محمد ہشیار" ہیں۔ وہ ہر حال میں یاد رکھتے ہیں کہ ان کا ممدوح، ممدوح رب العالمین ہے، اسی لئے وہ دیوانگی میں بھی قرینے کی باتیں کرتے ہیں۔ مستی و سرشاری کے عالم میں اس قدر ہوشیاری اور پاس ادب بہت لوگوں کے حصے میں آیا ہے۔ انھوں نے خود ایک مقام پر کہا ہے:

رہے پاس آداب اے دل ہمیشہ ۔۔۔ ہو دیوانگی میں قرینے کی باتیں

ایک دوسرے مقام پر وہ واضح لفظوں میں کہتے ہیں:

آرام گہ سید لولاک کی جانب ۔۔۔ اٹھنا نگہ شوق کا بھی بے ادبی ہے

ان کے یہاں دلی جذبات کا اظہار ہے۔ انھوں نے نہ رسول اکرم صلعم کی شخصیت کو الوہیت میں شریک کیا ہے۔ اور نہ نعت نبی اس انداز میں کی ہے کہ کسی دیگر نبی کی تنقیص ہو جائے۔ ان کی نعتیہ شاعری کا ذکر کرتے ہوئے مولانا عبد الماجد دریا آبادی نے کہا تھا کہ:

---

[1] ۔ خدام حرم نبوی۔ آغا سر لفظ کی جمع اغوات ہے۔

[2] ۔ گلبانگ حرم ۔ ص / ۱۹۵

"نعت گو اردو میں بہت سے ہو گئے ہیں۔ کم ایسے ہیں جو ایسا مذاق سلیم رکھتے ہوں اور اتنے ادب شناس دربار نبوت کے ہوں۔ یہاں نہ دوسرے انبیائے کرام سے تقابل ہے۔ نہ ان حضرات کے لئے شائبہ توہین کہیں سے نکلے گا۔ نہ دنیا کے اس سب سے بڑے معلم، مزکی، متقی، ہادی کے حق میں کوئی مدحیہ کلمہ رکیک یا بازاری انداز کا ملے گا۔ اور نہ (نعوذ باللہ) استخفاف و سوءِ ادب کا کوئی نشان کعبتہ اللہ و شعائر دین کے حق میں پایا جائے گا۔ یہ وصف عام نہیں خاص ہے۔ معمولی نہیں غیر معمولی ہے"[1]

مناظر احسن گیلانی نے درست لکھا ہے کہ:

"اوّل سے آخر تک باوجود انتہائی وارفتگی کے دین باختگی سے انکا دامن بچا رہا"[2]

حمید کے سبھی ناقدین نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ ان کا لہجہ بہت مودّب اور شائستہ ہے۔ حضرت جگر مراد آبادی کا کہنا ہے کہ:

"موصوف کو دیار حبیب سے حد درجہ عشق ہے۔ بارگاہ مدینۃ الرسولؐ کی یاد اور گنبد خضرا کا تصور ان کی زندگی کا سہارا ہے۔ ذکر حریم رسالت ان کے لئے خلاصۂ ایمان و باعث حیات جسم و جاں ہے۔ لیکن ان کی فطرت صالحہ "با محمدؐ ہوشیار" کی رازدار ہے۔ اس لئے ان کے پورے

۱۔ گلبانگ حرم ص/ ۱۶

۲۔ گلبانگ حرم ص/ ۲۰

کلام میں ایک شعر بھی ایسا نہیں مل سکے گا۔ جس میں حدودِ ادب کا پوری طرح احترام ملحوظ نہ رکھا گیا ہو۔[1]"

حمید کی نعتیہ شاعری کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کے یہاں وارداتِ قلبی کا اظہار سیدھی سادی زبان اور سیدھے سادے لہجے میں کیا گیا ہے۔ ان کی نعتیہ کاوشات میں نہ خوبصورت ترکیبیں ہیں، نہ دلکش و لطیف الفاظ، نہ تشبیہات و استعارات کے نوادر ہیں اور نہ زبان و بیان کے کرشمے انھوں نے بانیٔ اسلام سے اپنی شخصی، مخلصانہ عقیدت، آپ صلعم کے منسلکات و متعلقات سے اپنے عشق کو بہت معصومانہ اور شریفانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ رشید احمد صدیقی نے گلبانگ حرم پر اپنی وقیع رائے حوالۂ قرطاس کرتے ہوئے اپنے منفرد اسلوب میں کہا تھا کہ:

"گلبانگ حرم" میں پاکیزگی اور معصومیت ملتی ہے پڑھنے والے پر اس کا اثر پڑتا ہے اور ہم شاعر اور اس کے موضوع دونوں سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ جگر صاحب کے ہمراہ حمید صاحب سے "خانہ بلڈنگ" میں صرف ایک بار ملاقات ہوئی۔ جگر صاحب کا پہلے سے قائل تھا۔ اب "خانہ بلڈنگ" کا بھی قائل ہوں۔"[2]

ان کی زبان لکھنوی تکلفات و تصنعات سے یکسر عاری، صاف سادہ ہے۔ بحروں میں ترنم و روانی اور مضامین میں شگفتگی و لطافت ہے۔ چند نعتیہ اشعار نمونہ کے طور پر درج ذیل ہیں:

شکوۂ غم ارے ناداں نہ ہونے پائے — مصلحت ہوگی کوئی اس میں بھی مرے آقا کی

۱۔ گلبانگ حرم ص/ ۲۵، ۲۶

۲۔ گلبانگ حرم ص/ ۲۳

یہ تو مشکل ہے کہ طیبہ سے رہیں ہم محروم — اور پھر دل بھی پریشان نہ ہونے پائے
یہ بھی اک راز ہو شاید مری ناکامی کا — تاکہ اغیار کا احسان نہ ہونے پائے
بعد نظارہ یہ حسرت رہی اے قبۂ نور — تیرے صدقے ترے قربان نہ ہونے پائے
یادِ طیبہ سے ہمیشہ رہے یارب آباد — خانۂ دل مرا ویران نہ ہونے پائے
اپنے اک رنگ محبت یہ ہو جائے نظر — زائروں میں یہ پشیمان نہ ہونے پائے
دل کا جو حال ہے آئینہ ہے سب اپنے حمید — منھ سے اظہار مری جان نہ ہونے پائے[1]

"گلبانگ حرم" میں شامل ایک نعت جس کا عنوان "دعائے حمید" ہے پوری کی پوری اسی رنگ میں ڈوبی ہے۔ دو ایک شعر ملاحظہ ہوں:

یہ کیا آرزو ہے یہ کیا چاہتا ہوں — دیار حبیب خدا چاہتا ہوں
یقیں کیا کہ ایمان ہے اس پہ میرا — وہ خود جانتے ہیں میں کیا چاہتا ہوں[2]

حمید کے کلام میں وصفی انداز بیان بہت کم ملتا ہے۔ اور اصلاحی و مصلحانہ رنگ قطعی طور پر مقصود ہے۔ انھوں نے جو کچھ کہا ہے۔ انبساط خود کے لئے کہا ہے۔ ان کے یہاں آپ بیتی ہے۔ وہ موسم بہار کی چڑیا کی طرح ہیں۔ جو اس لئے الاپتی ہے کیونکہ یہ اس کا طبعی اقتضا ہے ان کے کلام میں جو داخلیت ہے۔ وہ اردو کے کم شعراء کے یہاں ملتی ہے۔ مدیر "ہمدم" نے درست لکھا ہے کہ:

> "گلبانگ حرم اس خوش نصیب زائر کے نعتیہ کلام کا ایک دلنواز مجموعہ نہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ حرمین کا البم اور دیار مقدس کا ایک عقیدت آفریں سفرنامہ ہے۔ اس البم میں آپ کو جدہ کا ساحل بھی نظر آئے گا اور اللہ کا

---

[1]۔ گلبانگ حرم ص/ ۱۵۲

[2]۔ گلبانگ حرم ص/ ۱۴۸

گھر بھی جلوہ بیت الحرام بھی اور حرم قدس بھی، مدینہ کی صبح
بھی اور شام بھی پیارے طیبہ کی گلیاں بھی، اور جلوۂ
رسالت بھی، آستانہ حبیب بھی اور جمال گنبد خضرا بھی
جوش تمنا بھی اور فراق مدینہ میں تڑپتے ہوئے حمید بھی اور
روح پرور سلام بھی اور مسافر مدینہ کو پیغامات بھی۔"[1]

حمید کے کلام میں شگفتگی، سلاست، روانی، بے ساختگی، پاکیزگی، لطافت اور شائستگی مکمل طور پر جلوہ گر ہے۔ خیالات کی طرح ان کی زبان بھی پاکیزہ، شیریں، شستہ اور برجستہ ہے۔ اظہار مفاہیم و مطالب میں نہ کہیں تعقید ہے اور نہ کوئی پیچیدگی یا الجھاؤ۔ بے جا مبالغہ سے ان کا کلام پاک ہے۔ ان کے کلام میں ایک قسم کا جذب و کیف ہے۔ جو درد مند اور حساس دلوں پر گہرا اثر چھوڑتا ہے۔ نمونہ میں ان کی نعت "حال و قال" کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

عجب مستیاں ہیں عجب لغزشیں ہیں ۔۔۔ مجھے حال کے بعد حال آ رہا ہے
خدا جانے کیا حال ہو آج اپنا ۔۔۔ یہی بار بار اک خیال آ رہا ہے
جواب اس کا کیا اے دل زار ہوگا ۔۔۔ جو لب پر مرے اک سوال آ رہا ہے
حمید حزیں پر بھی چشم کرم ہو ۔۔۔ وہ آوارۂ دشت حال آ رہا ہے[2]

"حرف گفتنی" میں حمید صاحب کا یہ جملہ کہ:

"میرے دل کی زبان نے سچے جذبات کی ترجمانی
کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ اور اب یہی سچائی میری شاعری
اور شعریت ہے"[3]

---

[1] - گلبانگ حرم ص / ۳۱
[2] - گلبانگ حرم ص / ۵۵
[3] - گلبانگ حرم ص / ۳۴

ان کے نعتیہ کلام کا سچا تجزیہ ہے۔ مولانا احمد حسن صاحب کا یہ قول بالکل درست ہے کہ:

"معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کسی کی محبت میں وارفتہ اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر دل کے اسرار زبان پر لا رہا ہے۔"[1]

حمید کی نعتیہ کاوشات کو پڑھتے وقت عام طور پر محسوس ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ بے ساختہ و برجستہ کہہ رہے ہیں۔ دل کی مجبوری سے کہہ رہے ہیں۔ سوچ سمجھ کر ذہن کی مدد سے نہیں کہہ رہے۔ اسی لئے ان کے یہاں بلا کی آمد ہے۔ آورد کا کہیں نام و نشان تک نہیں ہے۔ انکے کلام میں ان کے استاد یعنی جگر مراد آبادی کی آواز صاف سنائی دیتی ہے۔ انھوں نے اکثر نعتیہ غزلیں جگر مراد آبادی کی زمینوں میں کہی ہیں۔ "چنانچہ ان کی نعت گوئی بلحاظ زبان و بیان اور سرور و مستی جگر کے رنگ تغزل سے بہت قریب آگئی ہے۔"[2]

نمونہ کے طور پر "پیام حمید" کے چند نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

تڑپ رہا ہے یہ مشتاق دید کہہ دینا
در نبی پہ سلام حمید کہہ دینا

جو حال دل ہے وہ ان پر ہے بے کہے روشن
زبان حال سے بھی کچھ مزید کہہ دینا

اگر چہ تاب نظارہ نہیں ہے آنکھوں کو
مگر ہے پھر بھی تمنائے دید کہہ دینا

ہلال گنبد خضرا اگر نہ دیکھوں گا
نہ ہوگی عید کو بھی میری عید کہہ دینا

نگاہ مہر و کرم سے جو دل میں روشن ہے
نہ بجھنے پائے وہ شمع امید کہہ دینا

بلائیے مرے آقا بلائیے مولا
ہے انتظار کی کلفت شدید کہہ دینا

---

[1] - گلبانگ حرم ص/ ۲۷

[2] - اردو کی نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر فرمان فتحپوری ص/ ۹۹

بعید رہ کے ہوں میں قریب یا حضرت — قریب ہو کے نہ ہوں میں بعید کہہ دینا
بر آئے لاکھ مگر پھر رہے گی تا بہ ابد — حضور سے ہے جو مجھ کو امید کہہ دینا
غم فراق سے بیتاب ہیں نصیر الدین — تڑپ رہے ہیں عبید و حمید کہہ دینا [1]

جوش

جوش ملیح آبادی[2] شاعر انقلاب ہیں۔ انھوں نے اپنی نعتوں میں اسلام کی اس قوت پر روشنی ڈالی ہے جس نے ظلم و استبداد کو مستاصل کر دیا۔ انھوں نے بانیٔ اسلام کی اس انقلابی قوت کو نعت کا موضوع بنایا ہے جس نے کبر و غرور، ظلم و تعدّی اور ناانصافی و سرکشی کو حرف غلط کے مانند مٹا دیا۔ ان کی ایک نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اے کہ ترے جلال سے ہل گئی بزم کافری
رعشۂ خوف بن گیا رقص بتان آذری
اے کہ ترا غبار راہ تابش روئے مہتاب
اے کہ ترا نشان پا نازش مہر خاوری

١۔ گلبانگ حرم ص/ ١٤١

٢۔ جوش صاحب جن کا پورا نام شبیر حسن خاں تھا ١٨٩٦ء میں ملیح آباد میں ایک بڑے زمیندار خاندان میں پیدا ہوئے۔" اور ٢٠ر فروری ١٩٨٢ء کو اسلام آباد میں راہی ملک بقا ہوئے۔ ہماری زبان ٢٢ر فروری تا ١٥ر مارچ ١٩٨٢ء۔ تبصرہ نمبر۔ مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس جامع مسجد دہلی۔

جلد نمبر ٤١ - شمارہ ١١، ١٠، ٩، ٨

چھین لیں تو نے مجالس شرک و خودی سے گرمیاں

ڈال دی تو نے ہیکلِ لات و ہبل میں تھرتھری

تیری پیمبری کی یہ سب بڑی دلیل ہے

بخشا گدائے راہ کو تو نے شکوہ قیصری

تجھ پہ نثار جان و دل مڑ کے ذرا ادھر تو دیکھ

دیکھ رہی ہے کس طرح ہم کو نگاہ کافری

علّامہ قتیلؔ داناپوری کی نعتیہ نظمیں اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ ان کی ایک نعت کے صرف دو اشعار بطور نمونہ پیش ہیں:

وجود ان کا ہے یا میزان حسن و قبح کی ہستی

اسی معیار پر کھوٹا کھرا معلوم ہوتا ہے

کلاہ بادشاہت ہے تری نعلین کا صدقہ

شہنشاہ جہاں تیرا گدا معلوم ہوتا ہے

قتیلؔ کی نعتیہ نظم "فریاد" کا وصفی انداز بیان قابل داد ہے

علّامہ جمیل مظہری کی نعتیہ شاعری میں عصری لے کے ساتھ مضمون آفرینی، تفکر، بلند پروازی، قدرت بیان، اور لفظ و معنی کے باہمی آہنگ کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ صرف دو اشعار ملاحظہ ہوں:

اجالی پر تو رخسار سے مجلس تمدن کی

چراغاں جادۂ تہذیب نقش پائے روشن سے

وہ جلوہ جو سرور معرفت دیتا ہے آنکھوں کو

وہ آنکھیں جو خراج دوستی لیتی ہیں دشمن سے

عبدالحمید عدم، نازش پرتاب گڈھی کی نعتوں نے اپنے مخصوص آہنگ کے ذریعہ عصر حاضر کے کاروان نعت کو آگے بڑھایا۔ نازش کی شخصیت اس لئے بھی اہم ہے کیوں کہ انھوں نے نعت کی دشوار گزاریوں کو ملحوظ رکھ کر نعتیں کہیں ہیں۔

شکیل بدایونی، خمار بارہ بنکوی، اجمل سلطان پوری، راز الہ آبادی، انور مرزاپوری، بیکل اتساہی، عمر انصاری، فراق گورکھپوری، کوثر جائسی، شارق ایرایانی، نشور واحدی، فنا نظامی، کنور مہندر سنگھ بیدی، والی آسی، قمر کانپوری، جگناتھ آزاد، قاری محمد طیب دیوبندی، وحید رائے بریلوی، عبدالعزیز خالد، اور ابرار صدیقی بدایونی، اپنی اپنی بساط کے مطابق عصر حاضر کے مقتضیات کو سامنے رکھ کر نعتیہ شاعری کو فروغ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔

محشر رسول نگری نے نعتیہ غزلوں کے علاوہ ایک طویل نظم مسدس کی شکل میں کہی ہے جس کو عصر حاضر ہی نہیں بلکہ سارے اردو نعت کی تاریخ میں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ محشر رسول نگری کا طویل مسدس "فخر کونین" دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ جس میں شاعر نے حیات طیبہ اور آپ کی سیرت و کردار کو شعری جامہ میں پیش کیا ہے۔ انھوں نے بیشتر جگہوں پر قرآن و حدیث سے رہنمائی حاصل کی ہے۔ موصوف نے عقیدت کے جوش اور تخیل کی گلکاریوں کے باوجود واقعیت و حقیقت کا دامن کہیں پر ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ انھوں نے موضوع کی عظمت و جلالت اور اس کی نزاکت کے شدید احساس کو ہمہ آن ملحوظ نظر رکھا ہے۔ ایک مقام پر عرفی کے مشہور شعر کو مدنظر رکھ کر کہا ہے:

دشوار ہے یہ مرحلہ نعت کس قدر میں چل رہا ہوں تیغ برہنہ کی دھار پر

عصر حاضر کے نعت گو شعراء میں حکیم عبدالکریم ثمر کی شخصیت بھی کچھ کم وقعت کی حامل نہیں ہے۔ وہ اقبال کے زبردست مقلد و پیرو ہیں۔

ان کی نعتیہ شاعری میں نشاطیہ عناصر کا وفور ہے۔ عمیق حنفی کی صلصلۃ الجرس اردو کی نعتیہ شاعری میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ انھوں نے اپنی نعتوں سے عشق محمدی اور پیام محمدی کے ابلاغ و ترسیل کا کام لیا ہے۔ ان کے نزدیک عصر نو کے ذہنی انتشار اور سماجی و سیاسی پراگندگی کا مداوا اصلاحات و تعلیمات نبوی میں پنہاں ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

آب رواں پہ مثل حباب تہذیب نو کی نام و نمود
تہذیب نو ہے ایسا چراغ جس کو ملی ہے فانوس دود
چھوتا ہے علم مریخ و ماہ لیکن ہے دراصل ہود
ایمان نہ ہو تو عشق حجاب تحقیق عالم ہست و بود

عمیق کی وہ نعتیہ رباعیاں، جن میں انھوں نے بانیٔ اسلام کا سراپا نظم کیا ہے فراموش نہیں کی جا سکتیں۔ ایک رباعی ملاحظہ ہو:

اللہ کا وہ عبد کہ ہے قرۃ العین　　وہ مجمع اوصاف وہ مرج البحرین
خاتم بھی وہی اور وہی خاتم بھی　　ہیں بوسہ زنِ مہر رسالت قطبین

پاکستان کے عبدالعزیز خالد عصر حاضر کے ایک کامیاب نعت گو شاعر ہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

"وہ اردو کے ان شاعروں میں ہیں جن کے دم سے اسلاف کے تبحر علمی اور طلاقت لسانی کی یاد تازہ ہے وہ مشرق و مغرب کی کئی زبانوں کے عالم اور علوم جدیدہ کے فاضل ہیں۔ انھوں نے اسلام اور تاریخ اسلام کا بھی گہرا مطالعہ کیا ہے۔ یہ مطالعہ چونکہ خاص شغف اور خلوص کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس لئے نظری بحثوں تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ ان کی زندگی اور شخصیت کا جزو بن گیا ہے۔ ایسا جزو جو اسلامی اقدار کا ترجمان

و نقیب ہنگران کے طرز فکر میں انفرادیت پیدا کر دیتا ہے۔[۱]

عبد العزیز خالد عصر حاضر کی نعتیہ مجلس میں دو نعتیہ تصانیف لے کر شریک ہوئے ہیں۔: (۱) منحمنا اور (۲) فارقلیط ۔ فارقلیط کی معنوی وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے خود لکھا ہے ۔ کہ

نام ختم رسل انجیل میں ہے " فارقلیط "

اس طرح انھوں نے اپنی نعتیہ تخلیق کو آپ کے بابرکت نام سے معنون کیا ہے ۔ جذبہ کی صداقت اور خلوص کی گہرائی نے ان تخلیقات کو آمد کا ایک مرقع بنا دیا ہے ۔ ان کی یہ نعتیہ کاوش ایک صاف شفاف چشمہ کی طرح جذبات میں روانی پیدا کرتی ہے ۔ اجنبی تشبیہات و استعارات، غیر مانوس تلمیحات، عربی کے حسین مگر دقیق فقرات اور بعید از فہم تراکیب نے "فارقلیط" اور اسی طرح دوسری نعتیہ کاوش "منحمنا" کو متوسط قاری کی فہم سے بالاتر بنا دیا ہے ۔ ان دونوں کاوشات کے کچھ حصوں کو پڑھ کر محمد قلی قطب شاہ کی نعتوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے ۔ لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ قطب شاہ کے یہاں بادل کی گھن گرج ہے ۔ جب کہ عبد العزیز خالد کے یہاں سمندر کی پر سکون روانی لیکن مشکل پسندی کا احساس، بحر کی روانی، بیان کی پاکیزگی، شگفتگی اور پیرایۂ اظہار کی دلآویزی سے قدرے ہلکا ہو جاتا ہے ۔ عصری ماحول، مقامی فضا اور ہندوانی تلمیحات و علائم کے سلسلے میں عبد العزیز خالد نے محسن کاکوری کا اثر بطور خاص قبول کیا ہے ۔ انھوں نے عربی و فارسی کے الفاظ اور کہیں کہیں عربی و فارسی کے فقرات سے کلام کی تزئین کی ہے ۔ اسی لئے ان کی تخلیقات میں عربی قصائد کی شان، اور فارسی قصائد کا طمطراق آگیا ہے ۔ عبد العزیز خالد نے "فارقلیط" کی دلآویزی میں اضافہ کرنے کے لئے ہندی کے سبک

---

[۱] ۔ اردو کی نعتیہ شاعری : ڈاکٹر فرمان فتحپوری ص / ۱۱۰

شیریں اور نرم الفاظ سے بھی استفادہ کیا ہے۔ انھوں نے 'شید' 'چرن' 'کجرا' "جوگن" "برہ وگن" "دیپک" "کاجل" "درپن" "پربھات" "لاتا" "ساجن" "لانسا" "ابھاگن" "سنگ" "سیاں" "سنجوگ" "دھرتی" "انبر" "نگر" "من" "بھبھوت" "انگ" "برہ" "جوالا" "جیون" "کارن" "چیتا" "مدھ" اور "سرا" وغیرہ ہندی کے عام فہم ہلکے پھلکے الفاظ بکثرت استعمال کر کے نعت میں مٹھاس اور روانی کی ایک فضا قائم کر دی ہے۔ عبدالعزیز خالد کی نعتیہ کاوشات کے ان حصوں میں جہاں یہ الفاظ مستعمل ہوئے ہیں گیت کی نرمی سپردگی اور گداز' جذبہ کا والہانہ انداز اور لوچ لچک پوری رعنائی کے ساتھ موجود ہے۔

ڈاکٹر محمد طلحہ رضوی برق عبدالعزیز خالد کی نعت گوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "تلمیحات اور آیات قرآن کے فقرے' جملوں کی ساخت' مصرعوں کی نشست' بندش کی چستی' مشتقات کا حسن' تشبیہات کی تازگی' استعاروں کی ندرت' ٹکڑوں کی سجاوٹ' قافیوں کی دریافت' لب و لہجہ کا بھرم' تاریخ کا مطالعہ' قرآن و احادیث پر نگاہ سے واقعات و معجزات کا علم' بحر و وزن کا انتخاب' زور بیان' انداز فکر' اظہار علم لسان' غرض کہ عربی فارسی قصائد کی تمام روائیتی شان پوری طرح جلوہ گر ہے۔ جو فی زمانہ خالد اور صرف خالد کا حصہ ہے۔"[۱]

---

[۱] - اردو کی نعتیہ شاعری ڈاکٹر طلحہ رضوی برق صفحہ ۷۸ بار اول جنوری ۱۹۷۴ء مطبع لیبل لیتھو پریس رمنہ روڈ پٹنہ

نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

میں شبدوں کی پیاسی میں چرنوں کی داسی   تری جستجو مجھ کو صبح و مسا ہے
نشیلے کنول نین کجرانے تیرے   چھپا کر نظر دل تجھے دیکھتا ہے
میں جوگن بروگن میں کمکی کمینی   تو سرتاج میرا امرا دیوتا ہے
تو دیپک میں کاجل، تو درپن میں سیسہ   میں کالک تو پربھات کی لالما ہے
میں راتوں کو کوئیل کی مانند کوکوں   کبھی لب پہ ڈھولا کبھی ماہیا ہے
میں ساجن کی بندی ہوں جنگی کرمندی   اسی کی مجھے چاہ ہے لالسا ہے
جگناتھ تجھ بن بھلا کون میرا   ابھاگن کو ہر کوئی دھتکارتا ہے
میں لوہا تو پارس میں کنکر تو ہیرا   میں مٹی کی گڑیا تو ابرو ہوا ہے
رہوں رات دن میں ترے سنگ سیاں   مری روشنی ہے تو میرا دیا ہے
گرو دیو چیلی کا سنجوگ کیا   میں دھرتی تو امبر میں کیا ہوں تو کیا ہے
بسا ہے تو جس دن سے من کی نگر میں   مرے من کا اس دن سے پٹ کھل گیا ہے
بھبھوت انگ پر ہے گلے مرگ چھالا   یہ خلعت محبت کی سرکار کا ہے
بھڑکتی ہے دل میں برہ کی جوالا   ترے بن یہ جیون سلگتی چتا ہے
بجھاتا ہے سیپی کی پیاس ابر نیساں   تو کس کارن اس من کو کلپا رہا ہے
میں پیاسی ہوں مجھ کو پلا مدھ پیالہ   لعاب دہن تو مدرا کا مزا ہے

منجملہ عبدالعزیز خالد کا دوسرا نعتیہ قصیدہ "   " ہے۔ جو "فارقلیط" ہی کی طرح عربی اور ہندی زبانوں کے الفاظ کا حسین و لطیف سنگم ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ شوکت الفاظ، بہ وقار تمکنت، شکوہ و طمطراق اور مختلف زبانوں کی حسین پیوند کاری کے باوجود قصیدہ کے بہاؤ کے بناؤ میں کہیں رکاوٹ نہیں ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

محمد انجمن کن فکاں کا صدر نشیں   محمد افسر آفاق و سرور عالم
وہ عبدہ و رسولہ وہ اسمہ احمد   کتاب حکم نبوت کا خاتم و خاتم

حمود و حامد و احمد محمد و محمود | کریم و میر کرام و مکرم و اکرم
جمیل و اجمل و کامل مکمل و اکمل | ستم زدہ بشریت کا محسن اعظم
غذائے لم یزل و لایزل کا کلمہ | کشید سلم و سلام و صلوٰۃ و حمد و حکم
بساط جبر امکاں ہے فرش پا انداز | شفق شمائل گل طلعت و بہار شمیم
بہار گلشن ایجاد و حسن ہفت رواق | گل سر سبد دودۂ بنی آدم
وہی ہے شمع شبستان بے در و دیوار | اسی کی آس ہے آشا کے پھول بن کی الم
مخاطب "فکشفنا عنک غطائک" | حریم لم یزلی کا مقرب و محرم
یہ اتصال عبودیت و ربوبیت | ہے جو مربی خاص و اخص و عام اعم
رموز کن فیکون جس پہ ہو یہ مورد شئ | وہی جو ختم رسل ہے وہی جو فخر امم
عطائے حق کا جو قاسم ہے وہ ابوالقاسم | ملیک مقسط و معطی و مقتدر کی قسم
نگار خانہ کن کی حسین ترین تصویر | ہے جس پہ ناز کناں خود مصور مرسم

وہی ہے کاشف راز نہان یزدانی
امین سر سرا پردۂ وجود و عدم

اس قصیدے میں پیچیدہ مسائل تصوف بیان کئے گئے ہیں۔ اور فلسفیانہ گتھیوں کو حل کرنے کی جدوجہد کی گئی ہے۔ شاعر نے کائناتی حقیقت نظم کرتے ہوئے کہا ہے کہ نبی آخر الزماں کے اوصاف اتنے زیادہ ہیں کہ ان کو عدد و شمار کے دائرے میں قید نہیں کیا جا سکتا۔ خلاصہ یہ کہ پیغمبر اسلام کی ثنا خوانی سے زبان و قلم دونوں ہی قاصر ہیں:

ہمیت آذری و بخشیٔ دین ابراہیم
مراد موسیٰ عمران و عیسیٰ مریم
وہی جو مقصد و مقصود آفرینش ہے
بنا ہے جس کے لئے یہ مرقعۂ عالم

نہیں حدود زماں و مکاں میں جو محدود

جو پیک حق ہے پئے کل خلائق عالم

اسی کا نام زمین و زماں کے ورد زباں

اسی کے ذکر کے نام سے ہر ذکر ہے آئے ختم

محمد عربی آبروئے ہر دو سرا

حبیب پاک خدا جان عالم و آدم

صفات جو قلموں لا تعد و لا تحصیٰ

ثنائے خواجہ سے معذور ہیں زبان و قلم

شاعر نے ہندی کے سبک و شیریں الفاظ کے ذریعہ اس قصیدے کی رونق بھی بڑھائی ہے۔ ہندی زبان کے ہلکے پھلکے الفاظ کا انتخاب شاعر کی سلیقہ مندی اور فن مرصع سازی میں اس کی مہارت کا مظہر ہے۔ نمونہ کے طور پر چند اشعار ذیل میں رقم کئے جاتے ہیں:

براجمان ہوئے آکاش پر مکٹ دھاری

ملیح سباس سے چھلکائے پریم ہیں پریتم

یہ سرب بھومی کا راجہ، مہابلی، سمراٹ

اپار، اتھاہ، اننت ایک انیک وشوا تم

ہی للت، ہی یوگیشور، یہی کا ہن

سدا آتما ابراجت، افوہم اور درم

مہا پرش، جسے آکار، الکو پرش کا کہیں

پسینہ جس کا ہے سونا، سوگند ھ دو ستم

ابرار صدیقی بدایونی نے اچھی نعتیں لکھی ہیں۔ ابرار علی بدایونی مشہور شاعر و بزرگ مذاق میاں کے پر پوتے ہیں۔ اور اس طور پر مذہبی رجحان، درویشی، شگفتگی، عشق رسول ان کو وراثۃً ملی ہے۔ ان کی نعتیہ نظمیں ان کی

عقیدت اور بانیٔ اسلام سے مثالی عشق کو ظاہر کرتی ہیں۔ اسی خلوص اور عشق دروں کی وجہ سے ان کی نعتیہ شاعری میں آمد ہی آمد ہے۔ انھوں نے جو کچھ محسوس کیا ہے اسے اشعار کے قالب میں پیش کر دیا ہے۔ ابرار کا مجموعۂ کلام "صد رنگ" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کلیات میں حمد، نعت، منقبت، تضمین، مسلسل نظم، تاریخی قطعات اور غزلیات شامل ہیں۔ صد رنگ کے آغاز میں دیباچہ کے بعد ملا واحد دہلوی کا مختصر تعارف ہے جس کے بعد قدرت اللہ شہاب کی مختصر تقریظ ہے اس کے بعد ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی کا پانچ صفحات پر مشتمل مقدمہ ہے۔ نمونہ میں ان کی ایک نعتیہ غزل پیش کی جا رہی ہے۔

وہ جنس عمل جو بہت قیمتی ہے
گنہگار کے پاس حب نبیؐ ہے

وہ پیارا نبی آ گیا جب جہاں میں
زمانہ پر رحمت کی بارش ہوئی ہے

بہار آ گئی آپ کے دم قدم سے
چھٹیں ظلمتیں ہر طرف روشنی ہے

بشیر و نذیر و مبشر ہے احمد
بشر بھی ہے اللہ کا نور بھی ہے

ہے اپنے مقدر پہ ابرار نازاں
ملا ہے وہ دل جو فدائے نبی ہے

فنا کانپوری کی نعتوں میں وصفی انداز بیان توانا عصری فضا میں سانس لیتے دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ فرسودہ مضامین کی کہنگی دور کرنے اور ان میں شادابی و تر و تازگی پیدا کرنے میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ غنایت، تغزل، خلوص، شگفتگی، عقیدت، پاس ادب اور حدود شریعت کے لحاظ نے ان کی نعتیہ کاوش کو وقیع بنا دیا ہے۔ ان کی ایک نعت ملاحظہ ہو:

رازِ تخلیق کون و مکاں آپ ہیں
خود ہی اس راز کے رازداں آپ ہیں

رہبر راہ ہر کارواں آپ ہیں
کوئی منزل ہو منزل نشاں آپ ہیں..

عشق اور حسن کی داستاں آپ ہیں پردہ و جلوہ کے درمیاں آپ ہیں
پھول بھی مطمئن، خار بھی مطمئن اس قدر معتبر باغباں آپ ہیں
خلد و فردوس سے مجھکو کیا واسطہ مری جنت وہی ہے جہاں آپ ہیں
مری جانب بھی ہو اک نگاہ کرم چارہ ساز غم بیکساں آپ ہیں
آپ اور ذکر سرور جناب فنا نعت گوئی کے لائق کہاں آپ ہیں

پیرزادہ سید محمد نعیم الدین رضوی خیر آبادی قدسی کی نعتیہ شاعری بھی خاصی وسیع ہے۔ انھوں نے غزل، قصیدہ، مثنوی، ہر صنف میں نعت لکھی ہے۔ نعتیہ غزلیں نعتیہ قصیدوں سے بہتر ہیں۔ نمونہ کے طور پر ایک قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :-

ڈھل گئی رات نمایاں ہیں سحر کے آثار
یاس کے بعد پھر آئی مرے گلشن میں بہار
چھو کے آئی ہے صبا روضۂ اطہر شاہد
اپنے دامن میں لئے پھرتی ہے خوشبوئے مزار
طالب چشم عنایت ہے یہ قدسی شاہا
اس کے گلشن میں ترے لطف سے آجائے بہار

بیکل اتساہی نے بھی اچھی نعتیں کہی ہیں۔ انھوں نے اردو کے علاوہ برج اور اودھی بھاشاؤں میں بھی نعتیں کہی ہیں۔ برج بھاشا میں ان کا قصیدہ معراج، جس کا مطلع حسب ذیل ہے۔ کافی وسیع ہے۔

ہم بھی دھوم مچی سرعرش بریں کوئی اپنا بچھڑیا آوت ہے
جل تھل میں جیوت کا رنگ بھرے پگ پگ رحمت برساوت ہے [۱]

اودھی زبان میں ان کا معراج نامہ نہ صرف یہ کہ اس زبان پر ان کی

---

[۱] - نور یزداں : بیکل اتساہی ص / ۲۷

قادر الکلامی کے مظاہر و علائم ہیں۔ بلکہ نعت کے میدان میں مفید اور نئی کاوش بھی ہے۔ موخر الذکر معراج نامے کے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

ایک پلک جھپکی تو دیکھا، بجلی کو کٹ جائے
یہ گئے اور گئے، دور نکس گئے کو، دیکھ نہ پائے
جائے برات اکاس پہ جگمگ دونوں جگ کے ساجن کے
پگ پگ پر بلیہاری حوریں، صدقے غلماں ہو جائیں
آدم، یوسف، موسیٰ، عیسیٰ، نوشہ کے گن گائیں
عرش معلّیٰ جھوم جھوم کے نہیں چومت چرنن کے
آئی میں عبداللہ کا للنا اوہ جاگ کا دھن لبائے
دونن کے جیہ ٹھاوں پہنچے ڈنکھ اورنیکھ سے جرجائے
عرض کریں جبریل کہ آگے جائیں گیّاں دکھیں کے[1]

برج اور اودھی بھاشاؤں سے نرم، سبک، میٹھے اور رواں الفاظ کے انتخاب کا سلیقہ قابلِ داد ہے۔ ان کی بعض نعتیں عصری مقفیات کے پیمانے پر پوری اترتی ہیں۔ غزل کی تکنیک میں لکھی گئی نعتوں کا تغزل اور ان کی نغمگیت قابلِ تحسین ہے۔ نغمے کی شکل میں کہی گئی نعتیں غنائیت کا مجسم پیکر نظر آتی ہیں۔ ایک نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

پھر ضرورت ہے صدق و وفا کی ہمیں — پھر ابوبکر سا محترم چاہیئے
آج دنیا میں امن و اماں کے لئے — ہم کو فاروقی نقشِ قدم چاہیئے
پھر زمانہ میں شرم و حیا کی قسم — ایک عثمان کی جاہ و حشم چاہیئے
دورِ حاضر کے راکٹ کی کیا حیثیت — اپنے سینہ میں حیدر کا دم چاہیئے
اہلِ دنیا کو خوشیاں مبارک رہیں — مجھ کو آلِ شہِ دیں کا غم چاہیئے

---

[1] ۔ نورِ یزداں : بیکل اتساہی صفحات ۳۳ ۔ ۳۴

نعت گوئی میں بیکلؔ کے زندگی
شاعری اور نہ زورِ قلم چاہیے [1]

ایک نعتیہ نظم کا صرف ایک ٹکڑا ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

دعائے خلیل میں کتنا اثر ہے ماحول ہے جلوہ بار
نوید مسیحا بڑی معتبر ہے، مسرور ہے زرنگار [2]
خلد آئی اتر، وجد میں جھوم کر، رہی ہے مشیت دو دار، ہر طرف نور ہے

بیکلؔ کو نعتیہ قطعات لکھنے میں ید طولیٰ حاصل ہے۔ ان کے یہ قطعات کمیت اور کیفیت دونوں لحاظ سے بہت اچھے ہیں۔ ایک قطعہ نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو۔

سائنس اتری چرخ بریں تک نظر گئی ‏ ‏ گردوں پہ چاند تاروں کی زد میں ٹھہر گئی [3]
جس جا نہ سکی تیری تخیل کی اڑان ‏ ‏ آقا کی اس سے آگے سواری گذر گئی [4]

بیکلؔ نے اپنا نعتیہ مجموعہ "نور یزداں" کے نام سے شائع کیا ہے۔ جس کا افتتاح حسب ذیل قطعہ سے کیا گیا ہے:-

روضہ پہ ضیا نظر آیا ‏ ‏ خلد کا راستہ نظر آیا
اے نسیمِ سحر ادب سے چل ‏ ‏ وہ درِ مصطفیٰ نظر آیا

۱۔ نور یزداں : بیکل اتساہی ص/ ۳
۲۔ " " : " " ص/ ۲۶
۳۔ " " : " " ص/ ۲۷

خاں احمد حسین خاں زیب غوری

حضرت زیب غوری کی نعتیہ شاعری میں والہانہ عقیدت، حفظِ مراتب، پاسِ ادب اور طاہر و مطہر جذبات شیفتگی کے ساتھ ہوشداری کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ انھوں نے آدابِ نعت کا جتنا لحاظ اور خیال رکھا ہے، اتنا اردو کے کم شعراء کے یہاں ملے گا۔ وہ ہر محبِ رسولؐ کے لئے ہوش کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ اور منعوت کے مرتبہ کی عظمت و جلالت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر شائقِ دیدار کو "کچھ پردہ بھی ڈالے" رکھنے کی نادر تلقین کرتے ہیں۔ وہ حرمِ مکہ اور اور حرمِ مدینہ کے باہمی فرق کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور اس راز سے بخوبی آگاہ ہیں۔ کہ حرمِ مکہ میں مستی کی گنجائش بہت ہے۔ لیکن حرمِ مدینہ ہر رہرو سے "اپنے کو سنبھالے رکھنے" کا متقاضی ہے۔ لطف اندوزی کے لئے متعلقہ اشعار ذیل میں لکھے جاتے ہیں:

اس قدر ہوش اسے چاہنے والے رکھنا
دیکھنا اس کو تو کچھ پردے بھی ڈالے رکھنا
وہ حرم تھا، وہاں گنجائشِ مستی تھی بہت
یہ مدینہ ہے یہاں خود کو سنبھالے رکھنا

موصوف کا اذعان و ایقان ہے کہ مدینہ کی گلیوں کی فضا بہت پاک

ہے۔ اس لئے وہ مدینہ کے راہی سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ان کے چرچا سے ان گلیوں کی پاک فضا کو آلودہ نہ کرے۔ اسم محمدؐ سے شاعر کو جو نسبت حاصل ہے اس کا اشارہ تک وہاں نہ کرے۔ وہ منبع نعت کے حضور اپنے بارے میں چپ رہنے کی بات کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی ہستی اپنی آلودگیوں کی وجہ سے اس لائق نہیں ہے کہ اس کا تذکرہ اس مقدس بارگاہ میں کیا جائے۔ یہ تذکرہ شاعر کے لئے شرمندگی کا باعث ہوگا۔

متعلقہ نعت مختصر ہے۔ اس میں کل چھ اشعار ہیں۔ آداب نعت کے سلسلے میں زیب غوری کی یہ نعت، نعتیہ شاعری کے لئے ایک گراں بہا اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کی انفرادیت پسند طبیعت نے ردیف و قافیہ اور زمین کے باب میں بھی نیا پن دکھلایا ہے۔ اس نعت کے ابتدائی چار اشعار ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔ بقیہ دو اشعار حسب موقع آگے نقل کئے جائیں گے:

ان گلیوں میں میرا چرچا مت کرنا — پاک فضائیں کو آلودہ مت کرنا
اس نسبت کا کوئی اشارہ مت کرنا — تجھ کو جو نسبت ہے اسم محمدؐ سے
میرے گناہوں کو بے پردہ مت کرنا — جھوٹے تھے سارے عہد و پیماں میرے
کچھ کہہ کر مجھ کو شرمندہ مت کرنا — چپ رہنا میرے بارے میں ان کے حضور

شاعر کو مسکن نبی کا اس قدر پاس ہے۔ کہ وہ حرم نبوی کی زیارت کو وافر شوق اور جذبات کی والہانہ شیفتگی کے باوجود اس وقت تک ٹالے رکھنا چاہتا ہے جب تک وہ اپنے کو "عرش سی پاک زمینوں" پر قدم رکھنے کے قابل نہ بنالے۔

زیب یہ سوء ادب ہے اسے ٹالے رکھنا — عرش سی پاک زمینوں پہ قدم رکھوگے

اس سے ملتے جلتے مضمون کو غالب کے یہاں ملاحظہ کریں اور دونوں کے درمیان کے لہجوی فرق کو تہ دل سے محسوس کریں۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب   شرم تم کو مگر نہیں آتی

زیب کا کردار بہت بلند تھا۔ وہ انسانیت کے قدر شناس اور عالی ظرف انسان تھے۔ ان کا دل انسان دوستی کے پر خلوص جذبات سے معمور تھا۔ وہ غریبوں، کمزوروں اور بے سروسامان لوگوں کے سوز و گداز اور ان کی پریشانیوں کو اپنے سینے میں محسوس کرتے تھے۔ اسی لئے ان کی نعتوں میں نفسیاتی گہرائی و گیرائی اور تمناؤں اور امنگوں کے شائستہ و شگفتہ وجدان کا احساس ہوتا ہے۔ لہجہ اسلوب اور آہنگ کی انفرادیت ان کے نعتیہ سرمایہ میں پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے اور اسی انفرادیت نے ان کی نعتیہ شاعری میں ایک دلکش لے ایک نئے قسم کی تڑپ اور ایک جاذب نظر فضا پیدا کر دی ہے۔

موصوف کی نعتوں میں اذعان و ایقان کی پختگی، عقیدت کی شگفتگی اور جذبات کا والہانہ پن، ممدوحِ نعت کی عظمت و جلالت کا شعور اور نعت سے ذریعۂ نجات ہونے کا احساس ہر جگہ عیاں ہے۔ اس قبیل کے دو تین اشعار ملاحظہ ہوں:

کام آجائیں یہی اشکِ ندامت شاید   یہ گہر دل کے کسی کونے میں ڈالے رکھنا

کبھی تو وہ محرم آنکھیں دیکھیں گی مجھے   لیکن ان سے کوئی تقاضا مت کرنا

میرا نام مدینہ میں لے لینا بس   اس سے زیادہ عرضِ تمنا مت کرنا

زیب نعت کے تقدس اور اس کے رمزی و علامتی پہلوؤں سے اچھی طرح آگاہ تھے اور ان کا سابقہ جب کبھی ان رمزی پہلوؤں سے ہوا ہے۔ تو ان کا تخیل اور ان کا اظہار جاذبِ قلب و وجدان بن گئے ہیں۔

اس کے ایمان کی رونق بھی اسی کفر سے ہے

یونہی آباد یہ مندر یہ شوالے رکھنا

اختصار و ایجاز زیب کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان کے اسلوب اور طرزِ بیان میں تہ داری، معنویت، رمزیت اور کوزہ میں دریا کو بھر دینے کی سکت ہے۔ ان کی اسی افتادِ طبع کی غمازی فرزدق کے اس مقولہ سے ہوتی ہے جو ان کے پہلے مجموعے "زردزرخیز" کے صفحہ ۴ پر اصل کتاب سے بیشتر مرقوم ہے۔ مقولہ محولہ بالا ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

"الابہام افصح من الصراحۃ"[1]

ترجمہ:- تہ داری صراحت سے زیادہ فصیح ہے

انھوں نے فرزدق کے اس مقولہ کو اس اہتمام کے ساتھ زیب قرطاس کر کے خاقانی کی طرح اپنے قاری سے دقتِ نظر کی طلبگاری کی ہے۔ حسان العجم خاقانی نے واضح لفظوں میں کہا تھا:

پادشاہِ نظم و نثرم در خراسان و عراق

کاہلِ دانش را از ہر لفظ امتحان آوردہ ام[2]

زیب کی نعتیہ شاعری میں تخئیل کی پختگی، اظہار کی پاکیزگی، اسلوب کی ندرت اور سوز دروں کی تپش مکمل طور پر اس لئے موجود ہے، کیونکہ انھوں نے ایک اچھی خاصی شاعرانہ ممارست اور فکر و فن کی خاردار

---

[1] - زردزرخیز: خان احمد حسن خاں غوری (زیب غوری) ص ۴ مطبوعہ نیشنل آرٹ پرنٹرس الہ آباد۔

[2] - کلیات خاقانی ج ۱ ص ۳۱۷

وادی میں کافی رہروی، خاصی وقت گذاری اور شعر و شاعری میں — استاذانہ اجتہادی لیاقت کے اکتساب کے بعد نعت کی دشوار گذار راہوں میں قدم رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتیہ کاوش کا دوشیزہ افشردہ بھی خیال کی پختگی اور اظہار کی بداعت، زبان کی صفائی اور بیان و اسلوب کی انفرادیت سے شرابور ہے۔

مرحوم زیب کی نعتوں میں وصفی اظہار بیان کی مثالیں بھی بکثرت ملتی ہیں۔ اس سلسلہ میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنی موجز بیانی کے ذریعہ احادیث و روایات میں مندرج تفصیلی واقعات کو دو — مصرعوں کی ننھی سی دنیا میں اس طرح سمویا ہے کہ اس میں منظر نگاری پوری آب و تاب کے ساتھ نظر آتی ہے۔ اور کہیں کہیں پر مرقع نگاری کے کمالات بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ انفرادی واقعہ میں عرب کا مشہور روزگار پہلوان رکانہ منبع نعت سے لڑنے آیا، جس سے کشتی لڑنے کی سکت کسی میں نہ تھی، لیکن آپ صلعم نے کھڑے ہو کر تین مرتبہ پچھاڑ دیا۔[1] اجتماعی — واقعات میں عرب کے فریدۂ روزگار ابطال اور غرور و نخوت کے نشہ میں چور وہ سورما جو پہاڑوں اور سمندروں کو بھی اپنے آگے ہیچ مانتے تھے بالآخر آپ کے اخلاق حسنہ کی اس طاقت کے آگے ریت کی دیوار کی طرح ڈھ گئے۔ جس کو خداوند قدوس نے " انک لعلیٰ خلق عظیم "[2] سے تعبیر کیا ہے۔ اس سیاق و سباق کو ذہن میں رکھ کر زیب غوری کے درج ذیل شعر کو ملاحظہ کریں:

---

[1] - نعتیہ شاعری کا ارتقاء: ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد ص ۲۰ پہلا ایڈیشن ۱۹۸۰ء

[2] - القرآن الحکیم - پارہ ۲۹ - سورہ قلم - آیت ۴

اس کے قدموں میں گرے ریت کی دیوار سے وہ
سہل تھا جن پہ پہاڑوں کو سنبھالے رکھنا

حضور صلعم یتیموں بے سہارا لوگوں کی خبر گیری فرماتے اور ان کی خلقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے تھے۔ آپ صلعم بیواؤں کے لئے ڈھال تھے۔ اور ان کے ناموس کی حفاظت کرتے اور ان کی کفالت فرماتے تھے۔ جناب ابو طالب عم رسول نے اپنی ایک نعت میں آپ صلعم کے انھیں اوصاف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا:

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ثمال الیتمیٰ عصمۃ اللا رامل[1]

ترجمہ:۔ آپ روشن اور تابناک چہرے والے ہیں۔ جن کے وسیلے میں بادلوں سے پانی مانگا جاتا ہے۔ آپ صلعم یتیموں کے والی اور بیواؤں کے پناہ گاہ ہیں۔ اسی مفہوم کو حالی نے اس طرح ادا کیا تھا:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماوا
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولا[2]

اب اسی مفہوم کو مرحوم زیب کے یہاں نئی علامتوں کے مابین ان کی منفرد زبان، ان کے جدید لہجہ اور ان کے اچھوتے اسلوب میں ملاحظہ کریں۔ واضح ہو کہ زیب کے نعتیہ اشعار میں استیعابیت اور ضرب الامثال

---

[1] ۔ سیرۃ النبی: ابن ہشام ج ۱ ص ۲۰۱
مطبوعہ بیروت ۱۹۶۹ء

[2] ۔ مسدس حالی: مولوی الطاف حسین حالی ص ۶ رام نرائن لال بینی مادھو الہ آباد

کی سی عمومیت اس لئے در آئی ہے کیونکہ انھوں نے دیگر شعرائے نعت کے برخلاف اپنے اشعار کی بنیاد واقعات پر نہ رکھ کر واقعات سے مستنبط نتائج و عواقب پر رکھی ہے۔ اور واقعات پر علامتوں کے پردے ڈال دیئے ہیں۔

اس سے سیراب ہوا خشک زمینوں کا جگر
اس کا وہ دشت میں دریاؤں کو پالے رکھنا
پھولوں نے فیض رسانی کی ادا پہچانی
اس سے سیکھا ہے چراغوں نے اجالے رکھنا
ہاتھ رکھنا وہ تہی دستوں کے سر پر اس کا
کہیں صحراؤں میں چشمے کہیں لالے رکھنا

منبع نعت کی بابت حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے "کان یقوم حتی تتفطر قدماہ" آپ اتنی دیر قیام فرماتے تھے کہ آپ کے دونوں پائے مبارک پھٹ پھٹ جاتے تھے۔ اسی واقعہ کو نظم کرتے ہوئے عربی کے مشہور نعت گو شاعر علامہ بوصیری نے کہا تھا

ظلمت سنۃ من احی الظلام الی ان اشتکت قدماہ الضر من ورم

ترجمہ:۔ میں نے اس ذات گرامی کی راہ ہدایت پر ظلم کیا۔ جو راتوں کو بیدار رہا کرتے تھے۔ اس حد تک کہ آپ کے پائے مبارک پر ورم آجایا کرتا تھا۔

سلہ ۔ صحیح البخاری المجلد اول ص/۱۵۲ قد انطبع فی المطبع المصطفائی لمحمد خان مصطفٰی۔

سلہ عطر الوردہ فی شرح البردہ: مولنا ذو الفقار علی۔ ص ۱۵۔ شعر ۱۸ کتب خانہ اعزازیہ دیوبند

ایک دوسری حدیث میں مرقوم ہے:

"روی انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: [1]

عرض علی ربی لیجعل لی بطحاء مکۃ ذھباً فقلت:

لا یارب و لکن اجوع یوماً و اشبع یوماً

فاذا شبعت حمدتک و اذا جعت تضرعت

الیک و دعوتک"

ترجمہ:۔ روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میرے ربّ نے مکہ مکرمہ کے سارے کنکروں کو سونے میں تبدیل کر کے مجھے پیش کیا، میں نے عرض کیا کہ نہیں! میرے ربّ! مجھے صرف اتنا دیجئے کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک روز شکم سیر ہو کر کھاؤں۔ جب شکم سیر ہو کر کھاؤں تو آپ کی حمد و ثنا کروں۔ اور جب بھوکا رہوں تو آپ سے گڑگڑا کر دعا مانگوں۔

اب ان واقعات کی شنوائی کے بعد زیب کی نعتیہ کاوش کی جانب رخ کریں۔ اور دیکھیں کہ انھوں نے کس خوبی کے ساتھ اپنی منفرد کاوشِ فکر کے ذریعہ اس تمام مفہوم کو دو مصرعوں کے ننھے سے ظرف میں اس طرح سے کشید کر کے رکھ دیا ہے۔ کہ واقعہ صرف واقعہ نہ رہ کر شعریت کا شاہکار بن گیا ہے:

اس پہ سجتی تھی بہت شانِ کریمی اس کی
ہونٹوں پہ حرفِ دعا، پاؤں میں چھالے رکھنا

زیب کی نعتیہ شاعری میں پائی جانے والی جدت، بداعت اور بانکپن، لہجہ کی انفرادیت، تھوڑے لفظوں میں بہت کچھ کہہ ڈالنے کا

---

[1] ۔ الحاج مع للترمذی ج/۲ ۔ ص/۶۱ مطبع مجیدی کانپور

خاصہ واقعات سے نتائج کے اخذ و استنباط کی مہارت اور اسلوب کی چونکا دینے والی کیفیت سے قوی امید تھی۔ کہ اگر زیب کی زندگی کا چراغ اس عجلت سے نہ بجھتا تو یقیناً وہ اردو کی نعتیہ شاعری میں قابل قدر اور دیرپا اضافے کرتے۔ لیکن انھوں نے شعلۂ مستعجل کی مانند پاکستان جا کر داعیٔ اجل کو لبیک کہہ دیا۔ اور اردو کی نعتیہ شاعری کو جو توقعات ان سے وابستہ ہو رہی تھیں۔ یک لخت منقطع ہو گئیں۔ انھوں نے اپنے مجموعہ "زرد زرخیز" میں کہا تھا:

ایک جھونکا ہوا کا آیا زیب[1] اور پھر میں غبار بھی نہ رہا

---

[1] زرد زرخیز: زیب غوری، ص ۱۴۹

پانچواں باب

ہندوستان کے غیر مسلم نعت گو شعراء

قدیم مذہبی وتاریخی کتابوں کی اوراق گردانی سے اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ نبی آخر الزماں محمد صلعم کی نعت اقدس سب سے پہلے رگ وید میں ہے۔ رگ وید کی تدوین کا زمانہ عیسی سے ۳-۴ ہزار سال پیشتر کا کہا جاتا ہے۔ رگ وید چاروں ویدوں میں سب سے قدیم ہے۔

رگ وید میں مختلف مقامات پر محمد صلعم کی نعت، منعوت کے اسم گرامی کے تعین کے ساتھ مرقوم ہے۔ رگ وید کے آٹھ منتروں کا آغاز نراشنس (नराशंस) سے ہوتا ہے تفصیل حسب ذیل ہے۔

پہلا منڈل، تیرھویں سوکتی، تیسرا منتر، اٹھارہویں سوکتی، نواں منتر؛ ایکسو چھبیسویں سوکتی، چوتھا منتر؛

دوسرا منڈل، تیسری سوکتی، دوسرا منتر؛

پانچواں منڈل، پانچویں سوکتی، دوسرا منتر؛

ساتواں منڈل، دوسری سوکتی، دوسرا منتر؛

دسواں منڈل، چونسٹھویں سوکتی تیسرا منتر اور ایکسو بیاسیویں سوکتی — دوسرا منتر —

سام وید سنگھتا کے ۱۳۴۹ ویں منتر میں اور باج سینئی سنگھتا کے انتیسویں ادھیائے (باب) کے ستائیسویں منتر میں بھی نراشنس کے متعلق بیانات موجود ہیں۔

وید کے تقریباً سبھی منتر حمد باری تعالی میں ہیں۔ غیر اللہ سے متعلق منتروں کی تعداد بہت قلیل ہے۔ ویدوں میں حضور اکرم صلعم سے متعلق کئی منتر ملتے ہیں۔

نراشنس لفظ کرم دھارے سماس ہے، جس کی تقطیع (नराशंसो आशस)[1] ہے جس کے معنی (قابل مدح شخصیت) ہیں۔ نراشنس لفظ خود ہی اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ قابل مدح صفت جس موصوف سے متعلق ہے وہ بشر (نر) ہے۔ نر نہ تو دیوتا کا مترادف ہے اور نہ دیوتاؤں کی کوئی ذات ہے۔ قرآن مجید میں ان گنت بار محمد صلعم کو بشر اور عبد کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے:[2]

"سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ" (پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی۔)

"انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی"[3] (تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم۔ حکم آتا ہے مجھ کو)

"فاوحیٰ الی عبدہٖ ما اوحیٰ"[4]

(پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندے کی طرف جو بھیجا)

اسلام کے دوسرے کلمہ میں بھی اس بات کی شہادت دی جاتی ہے کہ محمد صلعم خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ کلمہ حسب ذیل ہے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

مقدس ویدوں میں نراشنس کا یہ ذکر اس بات کو منکشف کرتا ہے کہ آپ کا

---

[1] - نراشنس اور انتم رشی مصنف ڈاکٹر وید پرکاش اپادھیائے۔ ص ۵/ پرکاشک سارسوت ویدانت پرکاش سنگھ ۱۹۷۰ء

[2] - پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل آیت ۱

[3] - پارہ ۱۶ سورہ کہف آیت ۱۱۰

[4] - القرآن الکریم مترجم و محشی ص ۳۹۴ و ۳۹۵

[5] - نراشنس اور انتم رشی ص ۱۰

ذکر خیر سارے عالم میں تفوق و برتری حاصل کرے گا۔ ویدوں کے عہد میں بھی یگیہ کے وقت نبی صلعم کو پکارا جاتا تھا۔ اور آپ کو محبوب اوصاف سے متصف کیا جاتا تھا۔[۱]

ویدوں میں آخری نبی سے متعلق پیشین گوئیوں کو تین حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ عہدی ۲۔ مقامی ۳۔ وصفی

۱۔ عہدی پیشین گوئی:۔ نراشنس کا زمانہ ولادت وہ عہد ہوگا، جس میں بطور سواری اونٹ کا استعمال بکثرت ہوگا۔ اور نراشنس کی سواری بھی اونٹ بتلائی گئی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ دور محمدی میں اونٹ سواری کے طور پر بکثرت استعمال ہوتا تھا۔ اور آنحضرت صلعم کو بھی اونٹ کی سواری مرغوب تھی۔ آپ کی اونٹنی کا نام قصواء[۲] تھا جس پر سوار ہو کر آپ نے ہجرت فرمائی تھی اور بدر کی جنگ میں بھی آپ اونٹ پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے۔[۳]

۲۔ مقامی پیشین گوئی:۔ نراشنس کا مقام ولادت ریگستانی علاقہ بتلایا گیا ہے۔ تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ محمد صلعم کی ولادت باسعادت مکہ میں ہوئی۔ جو کہ ایک ریگستانی علاقہ ہے۔[۴]

وصفی پیشین گوئی:۔ آپ کی صفت محبوب بتلائی گئی ہے۔ محمد صلعم محبوب رب العالمین اور محبوب کائنات تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کے نزدیک حضور صلعم سے زیادہ محبوب، کوئی شخص دنیا میں نہیں تھا۔[۵]

---

[۱] ۔ نراشنس اور انتم رشی ص/۱۰

[۲] ۔ الکلام المبین: مفتی محمد عنایت احمد ص/۱۰۶ مطبع نامی لکھنؤ ۱۸۹۵ء

[۳] ۔ جلد سوم ص/۴۷۴

[۴] ۔ عربی ادب کی تاریخ حصہ اول ص ۱۲ مصنف محمد عبد الاحد مطبع مجتبائی دہلی نومبر ۱۹۰۹ء

[۵] ۔ خصائل النبوی مع شمائل ترمذی۔ مولوی محمد ذکریا۔ ص ۷۷ الکتب خانہ یحیوی سہارنپور

حضور صلعم سے صحابہ کرام کی محبت و عقیدت کے بے شمار واقعے کتب و احادیث میں درج ہیں۔ آپ کے ساتھیوں کی محبت کی ایک جھلک اس رپورٹ سے منکشف ہوتی ہے جو عروہ بن مسعود ثقفی نے صلح حدیبیہ سے قبل حضور صلعم کی خدمت اقدس میں قریش کی جانب سے سفارت کے فرائض انجام دینے کے بعد قریش کو پیش کی تھی۔ اس رپورٹ کا صرف ایک چھوٹا سا اقتباس ملاحظہ ہو۔

"نبی صلعم وضو کرتے ہیں تو وضو کے بچے ہوئے پانی پر صحابہ یوں گرے پڑتے ہیں کہ گویا اب لڑ پڑیں گے۔ حضور اکرم کے دہن پاک سے جو شئے نکلتی ہے اس کو زمین پر گرنے نہیں دیتے وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پر روک لیا جاتا ہے۔ جسے وہ سر پر مل لیتے ہیں حضور اکرم کوئی حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لئے سب دوڑ پڑتے ہیں حضور اکرم کچھ بولتے ہیں تو سب چپ چاپ ہو جاتے ہیں۔ تعظیم کا یہ حال ہے کہ حضور اکرم کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔۔

۔۔۔۔۔ لوگو! میں نے کسریٰ کا دربار بھی دیکھا ہے۔ اور قیصر کا دربار بھی دیکھا ہے۔ اور نجاشی کا دربار بھی دیکھا ہے۔ مگر اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو تعظیم محمدؐ کی کرتے ہیں۔ وہ تو کسی بادشاہ کو خود اس کے دربار اور ملک میں بھی حاصل نہیں ہے"[1]

تراشتس احمد صلعم از پیشین گوئی کرنے والا بتلایا گیا ہے۔ آپ نے رومیوں اور ایرانیوں کے متعلق متعدد پیشینگوئیاں فرمائی تھیں اور اس کے علاوہ آپ نے صدہا پیشینگوئیاں فرمائیں۔ جو کہ حرف بحرف پوری ہوئیں۔ ا۔ صحیح اتریں۔ اور آئندہ کی پیشین گوئیاں بھی اپنے اپنے وقت پر صحیح اتریں گی۔ جن کی

---

[1] ـ زرقانی ـ ج ۶ ـ ص ۳۹۰، رحمت العالمین ج ۲ ـ ص ۴۰۸ (عربی میں نعتیہ کلام: ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی ـ ص ۲۲ میزان ادب

تفصیل کتب احادیث و سیر میں مرقوم ہے۔

ویدوں میں نبی آخر الزماں کو تاتنباک چہرے والا بتلایا گیا ہے[1] محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و تاتبناکی سے متعلق لاتعداد احادیث مروی ہیں۔ حضرت براء ابن عازب سے مروی ہے (حدیث کے اختتامیہ الفاظ ہیں):

"ما رأیت شیئاً قط احسن منہ"[2] (میں نے آپ سے زیادہ حسین کوئی چیز نہیں دیکھی۔) حضرت ہند ابن ابو ہالہ حضور صلعم کی حلیہ بیان کرنے کے دوران کہتے ہیں۔ "یتلالؤ وجھہ تلالو القمر لیلۃ البدر"[3] (آپ کا مبارک چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا")

حضرت جابر رض سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضور اقدس صلعم کو دیکھ رہا تھا۔ حضور صلعم اس وقت سرخ جوڑا زیب تن فرماتے۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی آپ کو، بالآخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ حضور صلعم چاند سے کہیں زیادہ جمیل و حسین ہیں اور منور ہیں[4]۔

حضرت ابو طالب نے آپ کی نعت میں لکھے گئے ایک قصیدہ میں فرمایا ہے:

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ
ثمال الیتمی عصمۃ للارامل[5]

---

[1] - رگ وید ۵/۵/۲ و ۱۳/۲/۱۲ و 3/239
[2] - خصائل النبوی۔ ترجمہ شمائل ترمذی ص ۵
[3] - خصائل النبوی ص ۹ و ۱۷۷ - ۱۷۸
[4] - خصائل النبوی ص ۱۲
[5] - ابن ہشام ج ۱ ص ۲۰۱ و نعتیہ شاعری کا ارتقاء: مصنف ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد ص

(آپ کے روشن اور تابناک چہرے کی وساطت سے بادلوں سے پانی مانگا جاتا ہے۔ آپ یتیموں کے والی اور بیواؤں کے پناہ گاہ ہیں۔)

حضرت کعب رضی ابن زہیر نے کہا تھا:

ان الرسول لنور یستضاء بہ
مہند من سیوف اللہ مسلول [1]

(بے شک رسول اللہ صلعم ایک نور ہیں جس سے روشنی اخذ کی جاتی ہے آپ ایک بے نیام خدا کی تیغ ہندی ہیں)

رگ وید میں آپ کو شیریں گفتار کہا گیا ہے[2]۔ آپ صلعم کے کلام کی شیرینی کے ثبوت میں صدہا شواہد کتب احادیث و تواریخ سے پیش کئے جاسکتے ہیں۔

رگ وید میں کہا گیا ہے کہ نراشنس گھر گھر میں علم کی روشنی سے اجالا کرنے والا ہوگا[3]۔ مسٹر اسمتھ نے لکھا ہے کہ محمد صلعم کے مخالف بھی آپ کی قوت تاثر اور آپ کی عظمت و جلالت سے اثر پذیر ہو کر آپ کی عزت کرنے پر مجبور ہوتے تھے[4]۔ مخالفین کی کمیتی و کیفیتی طاقت کے باوجود نبی صلعم کی تعلیمات کی روشنی گھر گھر پہنچ گئی تھی۔ میمون ابن قیس اعشیٰ نے اپنے مشہور نعتیہ قصیدہ کے مندرجہ ذیل شعر میں اسی بات کا اعلان کرتے ہوئے کہا ہے۔

نبی یری مالا ترون و ذکرہ
اغار لعمری فی البلاد و انجد [5]

---

[1] ۔ نعتیہ شاعری کا ارتقاء : ص ۱۵۵

[2] ۔ नराशंस मिह प्रियमस्मिन्नज्ञ उप ह्वये। मधु जिह हविष्कृतम-

[3] ۔ رگ وید 4/3/2

[4] Mohammed & Mohammedanism - by R Bosworth Smith Page 111

[5] ۔ نعتیہ شاعری کا ارتقاء ص ۱۳۳

(آپ ایسے نبی ہیں، جو ان چیزوں کو دیکھتے ہیں، جن کو تم نہیں دیکھتے اور میرے عمر کی قسم ان کی شہرت ملک ملک پہونچ چکی ہے۔)

ڈاکٹر تاراچند "Influence of Islam on Indian Culture" میں لکھتے ہیں کہ محمد صلعم کے پاس وحی آنے لگی اور آپ زمین پر خدا کے پیغمبر اور عرب والوں کے مذہبی پیشوا بن گئے۔[1]

اتھروید میں تشبیہاتی و استعاراتی زبان میں آخری نبی کی شناخت کے بارے میں کئی باتیں بتلائی گئی ہیں، جن کی تفصیل ذیل میں رقم کی جاتی ہے۔

۱۔ نراشنس کی سواری اونٹ ہوگی[2] محمد صلعم کی سواری اونٹ تھی، جیساکہ ما سبق میں رقم کیا جاچکا ہے۔

۲۔ نراشنس کی بیویوں کی تعداد بارہ ہوگی۔[3] تطبیق: محمد صلعم کے علاوہ کسی بھی مذہبی پیشوا کی بارہ بیویاں نہیں تھیں۔ محمد صلعم کی بارہ بیویوں کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت خدیجہ رضہ بنت خویلد	۲۔ حضرت سودہ رضہ بنت زمعہ
۳۔ ،، عائشہ رضہ بنت ابوبکر رضہ	۴۔ حضرت حفصہ رضہ بنت عمر رضہ
۵۔ ،، زینب رضہ بنت خزیمہ	۶۔ ،، ہندام سلمہ رضہ بنت ابوامیہ
۷۔ ،، زینب رضہ بنت جحش	۸۔ ،، جویریہ رضہ بنت حارث
۹۔ ،، رملہ ام حبیبہ رضہ بنت ابوسفیان رضہ	۱۰۔ ،، صفیہ رضہ بنت حی بن اخطب

---

[1] Influence of Islam on Indian Culture by Dr. Tarachand Preface

[2] ۔ اتھروید 20/127/2 उष्ट्रा यस्य प्रवाहणो॥

[3] ۔ اتھروید 20/127/2 वधू मन्ता द्विर्दश

[4] ۔ رحمت اللعالمین ۔ جلد دوم ص ۲۲۳

۱۰۔ میمونہ بنت حارث رضؓ [۱]   ۲۔ ریحانہ بنت یزید رضؓ [۲]

۳۔ نراشنس کی بابت بتلایا گیا ہے کہ اس کے پاس शतान्यश्वानां [۳]
ہوں گے یعنی تین سو یا اس سے زیادہ لیکن چار سو سے کم گھوڑے ہوں گے۔
گھوڑے کی تیز روی اور اس کی عسکری افادیت مسلّم ہے۔ شتانیوتاں کے
معنی ہیں تین [۴] یا اس سے زیادہ لیکن چار سو سے کم گھوڑے [۵]۔ بالکل اسی طرح
جس طرح عربی میں "بضع" کے معنی ہیں تین یا اس سے زیادہ لیکن دس
سے کم تعداد [۶]۔ حضرات بدریین کی تعداد میں روائتیں مختلف ہیں لیکن
راجح قول ۳۱۳ کا ہے [۷] حضرت ابو ایوب انصاری سے مروی ہے کہ جب
رسول اللہ صلعم بدر کے لئے روانہ ہوئے تو کچھ دور چل کر اصحاب کو شمار
کرنے کا حکم دیا۔ جب شمار کئے تو تین سو چودہ تھے۔ آپ نے ارشاد
فرمایا پھر شمار کرو۔ دوبارہ شمار کر رہے تھے کہ دور سے دبلے اونٹ پر
ایک سوار شخص آتا ہوا نظر آیا۔ اس کو شامل کر کے تین سو پندرہ ہوگئے [۸]۔
(طبرانی و بیہقی) ایک روائت کی رو سے ان کی تعداد ۳۱۷ تھی [۹]:

---

[۱]۔ رحمت، جلد دوم ص ۲۲۳۔

[۲]۔ تفہیم القرآن جلد چہارم: علامہ ابو الاعلیٰ مودودی ص ۱۱۶
ناشر مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند دہلی۔

[۳]۔ اتھر وید 20/127/3

[۴]۔ نراشنس اور انتم رشی ص ۲۶

[۵]۔ مصباح اللغات: ابو الفضل عبد الحفیظ بلیاوی ص ۳۹ کالم نمبر ۲
الجمعیۃ پریس دہلی طبع چہارم ۱۹۵۰ء۔ [۶]۔ سیرۃ المصطفیٰ حصہ دوم ص نمبر ۱۳
ارشد بکڈپو دیوبند۔ [۷]۔ سیرۃ المصطفیٰ حصہ دوم ص ۱۳۔

[۸]۔ سیرۃ المصطفیٰ حصہ دوم و سوم۔

۸۶ مہاجرین اور ۲۳۱ انصار بخاری شریف میں براءؓ بن عازب کی
روایت ہے کہ مہاجرین ۶۰ سے کچھ اوپر اور انصار ۲۴۰ تھےؓ۔ بہر حال ہر
روایت کی رو سے شرکائے بدر کی تعداد اتھروید میں بیان کردہ تعداد سے مماثلت
رکھتی ہے۔ جنگ بدر کے شرکاء میں سے ہر ایک سورما تھا۔ اس لئے رگ وید
میں ان کے لئے اروت لفظ بطور استعارہ بولا گیا ہے۔

۴۔ اتھروید میں نراشنس کو ایک سو نشک عطا کئے جانے کی بات کہی گئی
ہے۔[۲] نشک طلائی سکہ کو کہتے ہیں۔ زبان وادب میں نشک کا استعارہ ان
اہم لوگوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جو رتن کے مانند قیمتی ہوں اور مذہب
کی اشاعت نیز دین کے تحفظ کا کام انجام دیں۔ اصحابِ صفہ کی تعداد کم از کم سو
کہی جاتی ہے۔ صفہ دالان کو کہتے ہیں مسجد کے متصل ایک دالان تھا۔ اس میں
فقرائے صحابہؓ جن کے گھر بار نہ تھا، مثلاً ابوہریرہؓ، سلمانؓ فارسیؓ اور ابوذرؓ
غفاری وغیرہ رہا کرتے تھے۔[۳] یہ حضرات اولاد و ازکار، اشاعت دین اور تحفظ
احادیث نبویہ کی گراں بہا خدمات انجام دیتے تھے۔

۵۔ اتھروید میں نراشنس کے لئے ~~دس ہار~~ دس مالائیں تفویض کئے
جانے کی بات رقم ہے۔[۴] دس مالائیں ان دس اشخاص کو بطور استعارہ کہا گیا ہے۔
جو نراشنس کو گلے کے ہار کی طرح عزیز ہوں۔ اور جو نراشنس پر اپنی جانیں قربان کرنے
کو سدا مستعد رہیں۔ تطبیق: محمد صلعم کے اردگرد آپ کے دس جانباز اصحاب رہتے

۱۔ سیرۃ المصطفیٰ حصہ دوم وسوم

۲۔ اتھروید 20/127/3

۳۔ الکلام المبین، مفتی محمد عنایت احمد ص ۷۶ مطبع نامی لکھنؤ اگست ۱۸۹۵ء

۴۔ اتھروید 20/127/3

تھے جن کو نراشنس بہت عزیز رکھتے تھے۔ اور جن کے جنتی ہونے کی بشارت آپ نے ایک ہی نشست میں دی تھی۔ ان کے اسمائے گرامی ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ حضرت ابوبکر بن قحافہ	۲۔ حضرت عمر بن خطاب
۳۔ حضرت عثمان بن العفان	۴۔ حضرت علی بن ابی طالب
۵۔ طلحہ بن عبید اللہ و	۶۔ " زبیر بن العوام
۷۔ حضرت سعد بن ابو وقاص	۸۔ " سعید بن زید
۹۔ " عبد الرحمن بن عوف	۱۰۔ " حضرت ابو عبیدہ بن الجراح

رضوان اللہ علیہم اجمعین [لہ]

۶۔ نراشنس کی بابت کہا گیا ہے کہ ان کو دس ہزار گائیں عطا کی جائیں گی۔ (सहस्र दश गो नाम्)[کہ] گائے کا لفظ عموماً شریف پاکیزہ خصائل کے مالک صالح لوگوں کے لئے بطور استعارہ بولا جاتا ہے۔ جب محمد صلعم فتح مکہ کے لئے روانہ ہو کر مکہ سے باہر خیمہ زن ہوئے تو آپ کے ساتھ دس ہزار جانثاروں کا مجمع تھا۔ اور آپ نے اس صاف ستھرے مجمع کے ساتھ مکہ کو بغیر کسی خون خرابے کے فتح کر لیا۔[سہ] اور مکہ والوں کو عام معافی عطا کی تھی۔

چونکہ اتھروید کے بیسویں کانڈ کی ایک سو ستائیسویں سوکتی کا منتر نمبر ۳ کئی بشارتوں اور پیشین گوئیوں کو مشتمل ہے، اس لئے اس کو ذیل میں بعینہٖ نقل

لہ ۔ المشکوٰۃ المصابیح، اسماء الرجال صفحات از ۵۸۷ تا ۶۰۸

کہ ۔ اتھروید 20/127/3

Speeches and Tabletalaks of the Proophet Mohd. By Satanley Leaepoole Page XKVI Mac Millon Co London 1882

کیا جاتا ہے۔

रुश्मइषाय मामहे शतं निष्कान दशस्त्रज:
वीरी शतान्यवतां सहस्रा दश गोनाम्:

ہندوستان کی مذہبی کتابوں میں نبی صلعم کی نعت ویدوں کے بعد مہاتما گوتم بدھ کے یہاں ملتی ہے۔ مہاتما گوتم بدھ نے محمد صلعم (نبی آخر الزماں) کی بابت پیشین گوئی کرتے ہوئے اپنے محبوب ترین شاگرد آنند سے فرمایا تھا۔ آنندا! اس سنسار میں میں نہ تو پہلا بدھ ہوں اور نہ آخری۔ اس جگت میں سچائی اور ایثار کی تعلیم کے لئے اپنے وقت میں ایک اور بدھ آئے گا، وہ پاکیزہ ضمیر والا ہوگا اور اس کا دل پاکی اور علم و دانش سے مملو ہوگا۔ جس طرح میں نے دنیا کو لافانی صداقت کی تعلیم دی ہے اسی طرح وہ بھی دنیا کو سچائی کی تعلیم دے گا۔ وہ دنیا کو ایسا لائحہ عمل اور طریق زندگی عطا کرے گا جو مکمل پاک اوصاف ہوگا۔ اے آنند اس کا نام میترے ہوگا۔[۱] میترے کے معنی رحمت سے تعبیر ہیں[۲]۔[۳] قرآن کریم میں حضور صلعم کی بابت فرمایا گیا ہے۔ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین[۴] (اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر عالموں کے لئے رحمت بنا کر) قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری نے اپنی تخلیق "رحمۃ للعالمین" جلد دوم میں باب ششم کا عنوان "رحمۃ للعالمین" رکھا ہے۔ یہ باب صفحہ ۳۹۸ سے صفحہ ۴۱۳ تک کو محیط ہے

۱؎ Gospel of Buddha by Carus Page 217

۲؎ Maitreya means "The Merciful"

۳؎ Mohd in the Buddhist Scriptures Page 15

۴؎ القرآن پارہ ۱۷ سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷

موصوف نے خاص تفصیل کے ساتھ ذیلی سرخیاں قائم کرکے اس عنوان پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

مہاتما گوتم بدھ نے رحمۃ للعالمین کی بابت مکمل طریق زندگی کی بات کہی ہے۔ محمد صلعم کے بابت اس حقیقت پر قرآن کریم کی حسب ذیل آیت شاہد ہے۔

"الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا" [۱]

ترجمہ:۔ (آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین)
قرآن کریم بخشی۔ ص ۱۳۷ - ۱۳۸

چونکہ میتریے آخری بدھ ہوگا۔ اس لئے فطری طور سے اس میں بدھ کے جملہ خواص کا پایا جانا ضروری ہے۔

بودھ مذہب کی رو سے بدھ مندرجہ ذیل خصوصیات کا مالک ہوتا ہے :[۲]

۱۔ بدھ بشر ہوتا ہے دیوتا نہیں۔ خداوند قدوس نے محمد صلعم سے فرمایا تھا۔ "قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی" [۳] اس بابت مفصل گفتگو ماسبق میں کی جا چکی ہے۔

۲۔ وہ صاحب اولاد ہوتا ہے۔ محمد صلعم کے صلب سے تین لڑکے

---

[۱] ۔ پارہ ۶ سورہ مائدہ آیت ۳

[۲] Mohammad in the Buddhist Scripture Page 1

[۳] ۔ القرآن پارہ ۱۶ سورہ کہف آیت ۱۱۰

اور چار لڑکیاں متولد ہوئی تھیں۔

۳۔ وہ عورت اور حکومت کا مالک ہوتا ہے۔ ماقبل میں تفصیل سے عرض کیا جا چکا ہے کہ محمد صلعم کی بارہ بیویاں تھیں۔ جہاں تک حکومت کا سوال ہے محمد صلعم نے اپنی حیات مقدس میں بڑے بڑے جابر حکمرانوں کو شکست دی تھی۔ لیکن اس کے باوجود آپ بہت خلیق اور متواضع تھے۔

۴۔ وہ عام انسانی زندگی تک دنیا میں رہتا ہے[1]۔ محمد صلعم کی مدت حیات کی بابت حضرت عائشہ فرماتی ہیں: النبی صلعم مات وھو ابن ثلث وستین (نبی صلعم کی وفات ۶۳ سال کی عمر شریف میں ہوئی)[2]

۵۔ وہ اپنا کام خود کرنا چاہتا ہے[3] محمد صلعم معمولی سے معمولی کام خود اپنے دست ہائے مبارک سے انجام دیتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ملاحظہ ہو:

عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلعم یخصف نعلہ ویخیط ثوبہ ویعمل فی بیتہ کما یعمل احدکم فی بیتہ وقالت کان بشرا من البشر یفلی ثوبہ ویحلب شاتہ ویخدم نفسہ[4]" (رواہ ترمذی)

(حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم اپنے جوتے خود گانٹھتے تھے، اپنے کپڑے خود سیتے تھے۔ اور اپنے گھر میں اسی طرح کام کرتے تھے جس طرح تم میں کا کوئی اپنے گھر میں کام کرتا ہے۔ اور آپؐ نے فرمایا۔ کہ آپ بشر تھے۔ اپنے کپڑوں میں جوئیں دیکھتے تھے۔ کہ کہیں دوسروں کی جوئیں نہ

---

[1] - Warren Page 79

[2] - خصائل النبوی ص ۱۲

[3] - Dhammpada S.B.E Vol x Po 67

[4] - المشکوۃ المصابیح؛ باب فی اخلاقہ و شمائلہ ص ۵۲۰

گئی ہوں - آپ اپنی بکری کا دودھ دوہتے تھے - اور اپنا کام خود کرتے تھے)

لین پول لکھتے ہیں -

"------- MENded his own clothes, milked the goats and waited upon himself"[1]

(اپنے کپڑوں کی خود مرمت کرتے تھے - اپنی بکریوں کا خود دودھ دوہتے اور اپنے کام خود کرتے تھے)

۶ - ہر بدھ مذہب کی اشاعت کرنے والا ہوتا ہے[2] - تاریخ و سیر سے اس بات کا بخوبی علم ہوتا ہے - کہ آپ کی ساری زندگی ترویج حسنات اور اشاعت مذہب میں گذری -

۷ - تنہائی میں بدھ کی حفاظت منجانب اللہ ہوتی ہے[3] - حضور صلعم کے تحفظ کی بابت قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: "واللہ یعصمک من الناس"[4] - (اور اللہ آپ کی حفاظت لوگوں سے کرتا ہے -)

۸ - ہر بدھ اپنے ماقبل کے بدھوں کی تصدیق کرتا ہے - اور اپنے ساتھیوں کو شیطان سے بچنے کی تلقین کرتا ہے[5] - حضور صلعم نے اپنے ماقبل کے جملہ

---

[1] Speeches and Table Talk of the Prophet Mohammad

[2] Mohammad and Mohammad Page 98

[3] Saddharma Pundrika S.B.E. Vol XXI P 225 - Carus P 25

[4] - پارہ ۶ سورہ مائدہ آیت ۶۷

[5] - پارہ ۱۵ سورہ ۲ - آیت ۱۳۶

انبیائے عظام) کی تصدیق فرمائی۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں ادیان سابقہ اور انبیائے ماسبق کی تصدیق کا مضمون وارد ہوا ہے۔ ایک آیت ملاحظہ ہو۔

"قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم واسمعیل واسحق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسی و عیسی وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون"[1]

(تم کہو (اے پیغمبر!) ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اترا ہم پر اور جو اترا ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اور جو منجانب اللہ موسیٰ، عیسیٰ اور دوسرے پیغمبروں کو ملا۔ ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے اور ہم اس خدا کے فرمانبردار ہیں۔)

۹۔ بدھ کے متبعین مخلص اور سچے ہوتے ہیں۔ جن کو ان کے عزائم سے کوئی بھی متزلزل نہیں کر سکتا۔[2] محمد صلعم کے متبعین سچے اور مخلص تھے۔ وہ بڑی سے بڑی آزمائش پر پورے اترے۔ اس بات کی تائید میں انگنت واقعات تاریخ و احادیث کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو۔ محمد اینڈ محمد نزم کے صفحات ۱۱۰ اور ۱۱۱

۱۰۔ دنیا کا کوئی بشر بدھ کا استاد نہیں ہوتا۔[3] محمد صلعم نے کسی انسان یا جن یا مخلوق کے آگے زانوئے تلمذ کبھی تہہ نہیں کی تھیں۔ اسی لئے آپ کو امی کہا جاتا ہے۔

"الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً"

۱۔ پارہ ۵ سورہ مائدہ آیت ۷۲ سے ۵۳ — Carus P 25

۲۔ Dhammapada S.B.E Vol X P 67

۳۔ Romantic History of Buddha by Beal Page 261

عندھم فی التوراۃ و الانجیل یامرھم بالمعروف و ینھٰھم
عن المنکر و یحل لھم الطیبٰت و یحرم علیھم الخبٰئث و یضع
عنھم اصرھم والاغلٰل التی کانت علیھم۔ فالذین اٰمنوا بہ و
عزروہ و نصروہ و اتبعوا النور الذی انزل معہ۔ اولٰئک
ھم المفلحون [1]

شبیر احمد عثمانی "امی" کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"امی۔ ام (بمعنی والدہ) کی طرف منسوب ہے۔
جس طرح بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور کسی
کا شاگرد نہیں ہوتا۔ نبی کریم صلعم نے ساری عمر مخلوق کے سامنے
زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا۔ اس پر کمال یہ ہے کہ جن علوم
و معارف اور حقائق و اسرار کا آپ نے افاضہ فرمایا
کسی مخلوق کا حوصلہ نہیں کہ اس کا عشر عشیر پیش کر سکے۔
پس امی کا لقب اس حیثیت سے آپ کے لئے مایۂ
صد افتخار ہے [2]

۱۱۔ ایک وقت میں ایک ہی بدھ ہوتا ہے [3] تاریخ اس امر پر شاہد ہے
کہ آپ کے عہد میں آپ کے علاوہ کوئی دوسرا نبی نہیں تھا۔ اور اب آئندہ
بھی کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آپ نے صاف صاف فرمایا "انا خاتم النبیین [4]"

---

[1]۔ القرآن پارہ ۹ سورہ ۷۔ اعراف، آیت ۱۵۷

[2]۔ عکسی قرآن مجید مترجم و محشی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن و حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ص ۲۱۹ حاشیہ ۳ مطبوعہ مدینہ پریس بجنور ۵۶ع

[3]۔ The Life and Teachings of Buddha - Anagarika Dhammapala P84

[4]۔ المشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۱ و ص ۵۱۲

میں آخری نبی ہوں۔

۱۲۔ عام انسانوں کے برخلاف بدھ کی گردن کی ہڈی کافی سخت ہوتی ہے جس سے وہ گردن موڑتے وقت اپنے پورے جسم کو ہاتھی کی طرح[1]

گردن کی ہڈی کا سخت ہونا پوری طرح متوجہ ہونے کے لئے کنایہ ہے جس طرح لمبے پرتلے والا ہونا لمبے قامت کے لئے کنایہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ زید لمبے پرتلہ والا ہے یعنی لمبے قد کا ہے خواہ زید واقعی طور پر سرے سے تلوار ہی کا مالک نہ ہو یا تلوار لٹکاتا نہ ہو یا اس کے پاس پرتلہ نہ ہو۔[2] حضور صلعم کی بابت حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "واذا التفت' التفت معاً"[3] جب آپ کسی کی طرف توجہ فرماتے تھے تو پورے بدن کے ساتھ توجہ فرماتے تھے۔

کنایہ کی لغوی و اصطلاحی توضیح کرتے ہوئے مولوی ذوالفقار علی رقم طراز ہیں۔

"کنایہ کے معنی لغت میں مبہم بات کہنے کے ہیں اور علم بیان کی اصطلاح میں اس کے دو معنی ہیں۔ ایک مصدری یعنی لازم کا ذکر کرنا اور ملزوم کا مراد لینا مع جائز ہونے ارادۂ لازم کے۔ دوسرے وہ لفظ کہ اس کے معنی کا لازم مراد ہو مع جواز ارادہ معنی مذکور کے مثلاً طویل النجاد کے معنی لمبے پرتلہ والے کے ہیں اور لمبے پرتلہ کو درازئ قد لازم ہے۔ پس طویل النجاد سے لمبے قد والا مراد ہے، جو اس

۱۔ Dhammapada S.B.E Vol XI P64 Foot note

۲۔ مختصر المعانی: مسعود بن عمر، سعد الدین تفتازانی ص ۴۳۲ مطبع رحیمیہ دیوبند

۳۔ خصائل النبوی ص ۷

کے اصلی معنی کو لازم ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ پرتلہ
کی درازی بھی مراد لیں تو ہو سکتا ہے بعض لوگوں کے نزدیک
کنایہ میں اصلی معنی اور لازم دونوں اکٹھے مراد ہوتے ہیں لیکن
یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی کیونکہ طویل النجاد "دراز
قامت کو قطعاً کہنا درست ہے"۔ اگرچہ اس کے پاس پرتلہ
نہو۔ پس کنایہ اور مجاز میں یہ فرق ہے کہ مجاز میں معنی اصلی مراد
نہیں ہو سکتے، کیونکہ اس میں قرینہ مراد نہونے حقیقی معنی
کا ضرور ہوتا ہے اور کنایہ میں اصلی بھی مراد ہو سکتے ہیں یعنی
کنایہ میں لازم مراد ہوتا ہے۔ اور اگر ملزوم مراد رکھیں تو
بھی جائز ہے اور مجاز میں فقط لازم ہی مراد ہوتا ہے۔[ل۵]

۱۳۔ ہر بدھ اپنے ساتھیوں کو شیطان سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔[ل۵]

جہاں تک شیطان سے بچنے کی تلقین کا مسئلہ ہے، تو محمد صلعم کی پوری
حیات طیبہ شیطان سے قولاً و فعلاً پناہ مانگنے کی تعلیم دینے اور شیطانی حرکات
سے خلائق خداوندی کو باز رکھنے کی تگ و دو میں گذری ہے۔ قرآن پاک کی
آخری دو سورتوں میں جو معوذتین کہلاتی ہیں، یہی مضمون مرقوم ہے۔ سورہ حج
کی چوتھی آیت میں بھی یہی مضمون موجود ہے۔

اس کے علاوہ صدہا مقامات میں شیطان سے پناہ مانگنے کا مضمون
مندرج ہے، شیطان کو انسان کا دشمن بتلاتے ہوئے کہا گیا ہے۔
وقل لعبادی یقولوا التی ھی احسن ط ان الشیطن ینزغ بینھم ط

ل۵ - تذکرۃ البلاغہ، مولفہ مولوی ذوالفقار علی صفحات ۱۳۱، ۱۳۲
مجتبائی پریس دہلی۔ بماہ اکتوبر ۱۹۳۷ء طبع ۶۔

Carus P25 - ل۵

ان الشیطن کان للانسان عدوا مبینا[1]

(اور کہہ دیجئے میرے بندوں سے کہ بات وہ کہیں جو اچھی ہو شیطان جھڑپ کرواتا ہے ان میں شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے)

ایک دوسری آیت ملاحظہ ہو۔

واما ینزغنک من الشیطن نزغ فاستعذ باللہ انہ سمیع علیم[2] (اور اگر ابھارے تجھ کو شیطان کی چھیڑ تو پناہ مانگ اللہ سے وہی ہے سننے والا جاننے والا)[3]

۱۴۔ ہر بدھ کے لئے کوئی نہ کوئی بودھ گوبر (بودھ شجر) ہوتا ہے[4]۔ کسی بدھ کا بودھ برگد پیپل، کسی کا گوبر اور کسی کا برگد ہوا ہے لیکن میترے کے لئے جس درخت کا ذکر کیا گیا ہے، اس کو ٹیڑا دنی اور لکڑی کا بتلایا گیا ہے[5]۔

محمد صلعم کے دو درخت تھے جن سے کوئی نہ کوئی اہم واقعہ متعلق ہے۔ ایک ارضی شجر اور دوسرا اسماوی شجر۔

ارضی شجر ـــــ آپ ۶ ہجری میں عمرہ کے ارادہ سے چودہ پندرہ سو اصحاب کی معیت میں مکہ شریف تشریف لے گئے۔ مکہ والے عمرہ میں خلل انداز ہوئے آپ نے حضرت عثمان رضی کو اہل مکہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ بقول شبلی "قریش نے ان کو نظر بند کر لیا لیکن عام طور پر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ قتل کر ڈالے

---

[1] ۔ القرآن پارہ ۱۵، سورہ بنی اسرائیل، آیت ۵۳

[2] ۔ القرآن پارہ ۹، سورہ اعراف، آیت ۲۰۰

[3] ۔ عکسی قرآن مترجم ومحشیٰ صفحہ ۲۲۷

[4] Romantic Hitory of Buddha By BEAL P24 -

[5] Mohammad iin the Buddhist SCRIPTURES P64 -

گئے یہ خبر آنحضرت صلعم کو پہونچی تو آپ نے فرمایا کہ عثمان رضؓ کے خون کا قصاص لینا فرض ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھکر صحابہ سے جاں نثاری کی بیعت کی۔ تمام صحابہ نے جن میں زن و مرد دونوں شامل تھے ولولہ انگیز جوش کے ساتھ دست مبارک پر جاں نثاری کا عہد کیا۔[۱] خداوند قدوس کو یہ عہد اور یہ بیعت اور صحابہ کرام کی استقامت و استقلال نیز ان کی جاں نثاری کا جذبہ اتنا پسند آیا کہ اس نے ایک آیت کے ذریعہ اپنی رضا مندی کا اعلان فرمایا۔ اسی لئے اس بیعت کو بیعت رضوان کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ متعلقہ آیت کریمہ ملاحظہ ہو۔

"لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرہ"[۲]

(تحقیق اللہ مسلمانوں سے راضی ہو گیا۔ جب وہ آپ صلعم سے اس درخت کے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے)

سماوی شجر ——— قرآن پاک میں سدرۃ المنتہیٰ ہیں وحی خداوندی کا ذکر ہے۔ یہ درخت بیری کا ہے جو کافی وزنی اور پھیلاؤ والا ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اس درخت کی بابت فرماتے ہیں کہ "مجموعہ روایات سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ اسکی جڑ چھٹے آسمان میں اور پھیلاؤ ساتویں آسمان میں ہوگا"۔[۳] متعلقہ آیات ملاحظہ ہوں۔ فاوحی الی عبدہ ما اوحی۔ ماکذب الفواد مارای افتمارونہ علی مایری۔ ولقد راٰہ نزلۃ اخری۔ عند سدرۃ المنتہیٰ۔ عندھا جنۃ الماوی اذ یغشی السدرۃ ما یغشی ما زاغ البصر

---

۱ - سیرت النبی حصہ اول علامہ شبلی نعمانی ص ۵۲۳ مطبع معارف اعظم گڈھ طبع دوم چہارم

۲ - پارہ ۲۶ سورہ فتح آیت ۱۸

۳ - القرآن الکریم مترجم محشی ص ۶۸۲

حاشیہ نمبر ۱۱

"وما طغیٰ لقد رایٰ من آیٰت ربہ الکبریٰ"[۱] (پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندہ پر جو
بھیجا۔ جھوٹ نہیں کہا رسول کے دل نے جو دیکھا۔ اب کیا تم اس سے جھگڑتے ہو اس پر
جو اس نے دیکھا اور اس نے اس کو دیکھا ہے اترتے ہوئے ایکبار اور بھی سدرة المنتہیٰ
کے پاس۔ اس کے پاس ہے بہشت آرام سے رہنے کی۔ جب چھا رہا تھا اس بیری
پر جو کچھ چھا رہا تھا۔ بہکی نگاہ اور نہ حد سے بڑھی۔ بے شک دیکھے اس نے اپنے
رب کے بڑے نمونے[۲]) محمدؐ ان دی بدھسٹ اسکرپچرس" کے مصنف نے اس
درخت کے بارے میں لکھا ہے:

"In Paradise, there is a tree (such) That a rider can not cross its shade even in hundred years"[۳]

(جنت میں ایک درخت ہے: جس کے سایہ کو ایک اسپ سوار ایک سو سال
کے عرصہ میں بھی پار نہیں کر سکتا)

۱۴ - معرفت کے وقت بدھ[۴] ٹکٹکی لگا کر درخت کو دیکھتا ہے

مندرجہ بالا آیات میں حضور صلعم کے متعلق "مازاغ البصر وما طغیٰ"[۵]
الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ یعنی نگاہ نہ بہکی نہ حد سے بڑھی۔

---

۱ - پارہ ۲۷ سورہ نجم آیات ۹ تا ۱۸

۲ - القرآن الکریم مترجم و محشی ص ۶۸۲

۳ - Mohammad in the Buddhist Scriptures Page 79

۴ - Romontic history of Buddha by Beal Page 237

۵ - پارہ ۲۷ آیات ۹

مہاتما گوتم بدھ نے میتریے کے لئے فرمایا تھا کہ وہ بدھ درخت کے نیچے جلسہ عام کرے گا۔ ماقبل میں بیعت رضوان پر بحث کے دوران متعلقہ آیت درج کی گئی ہے۔ جس میں بیعت کو تحت الشجرہ (درخت کے نیچے) دکھلایا گیا ہے۔

ماسبق کے معروضات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مہاتما گوتم بدھ نے جس میتریے کی بابت پیشین گوئی کی تھی وہ حرف بحرف محمد صلعم پر صادق آتی ہے۔

ہندوستان میں صنفِ نعت کے حضور شعری عقیدت کے پھول صرف مسلم شعراء
ہی کے ذریعہ پیش نہیں کیے گئے ہیں بلکہ اس باب میں ہندو شعراء بھی ایک خاص نمایاں
مقام رکھتے ہیں اور یہ سلسلہ آج بھی کسی نہ کسی شکل میں چل رہا ہے۔

۱۔ لچھمی نرائن شفیق، ۲۔ پنڈت دیا شنکر نسیم ۳۔ عزت سنگھ عیش دہلوی،
۴۔ سندر لال شگفتہ لکھنوی، ۵۔ راجہ مکھن لال مکھن، ۶۔ منشی شنکر لال ساقی،
۷۔ دلو رام کوثری، ۸۔ مہاراجہ کشن پرشاد شاد، ۹۔ مظہر بھو دیال عاشق،
۱۰۔ گنیشی لال خستہ، ۱۱۔ راگھویندر راؤ جذب نظامی، ۱۲۔ بابو روشن لال نعیم ___
۱۳۔ پنڈت بشن نرائن حامی، ۱۴۔ سامی جبلپوری، ۱۵۔ رام پرشاد کائستھ،
۱۶۔ گوری پرشاد ہمدم، ۱۷۔ شریمتی بدادتی، ۱۸۔ بابو شمبھو دیال دانش، ___
۱۹۔ لالہ تارا چند تارا، ۲۰۔ لالہ اندر رائے اروڑہ، ۲۱۔ کالکا پرشاد،
۲۲۔ ڈاکٹر ماہلا رام دائم، ۲۳۔ شیو پرشاد وہبی، ۲۴۔ درگا سہائے سرور جہان
آبادی۔ ۲۵۔ راجندر بہادر موج فتح گڑھی۔ ۲۶۔ رگھوناتھ خطیب بیدری،
۲۷۔ جگت موہن لال رواں، ۲۸۔ پربھان شنکر سروش، ۲۹۔ چندر پرکاش جوہر
بجنوری، ۳۰۔ سوم ناتھ سوم مورنڈی، ۳۱۔ سکھدیو پرشاد بسمل الہ آبادی، ۳۲۔ لالہ
لال چند فلک، ۳۳۔ قابل لاہوری۔ ۳۴۔ تلوک چند محروم، ۳۵۔ برج موہن ۔
دتاتریا کیفی ۳۶۔ آنند نرائن ملا، ۳۷۔ نرش کمار شاد، ۳۸۔ جوش ملسیانی ۔
۳۹۔ عرش ملسیانی، ۴۰۔ رانا بھگوان داس بھگوان، ۴۱۔ امر چند قیس، ___
۴۲۔ منور لکھنوی، ۴۳۔ دھرم پال گپتا وفا دہلوی، ۴۴۔ وشنو کمار شوق، ___

۴۵۔ ہری چند اختر۔ ۴۶ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر۔ ۴۷ فراق گورکھپوری ۴۸ جگناتھ آزاد۔ ۴۹ کرشن بہاری نور وغیرہ کے نعتیہ کارنامے قابل ذکر ہیں۔ ذیل میں نعت کے ممتاز و معروف ہندو شعراء کے نعتیہ کلام کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

لچھمی نرائن شفیق دستیاب مواد کی روشنی میں پہلے غیر مسلم ہندو نعت گو ہیں۔ آپ کا نام لچھمی نرائن اور تخلص شفیق ہے۔ آپ کے والد کا نام رائے منسا رام تھا، جو بعہد آصف جاہ اول کسی ممتاز عہدے پر فائز تھے آپ کی ولادت ۱۱۵۸ھ ۱۷۴۵ء میں ہوئی۔ دستور زمانہ کے مطابق عربی فارسی کی تعلیم دی گئی۔ شعر و شاعری کا شوق اوائل عمر سے تھا۔ اور تاریخ سے بھی خاصی دلچسپی تھی۔ آپ نے اپنے زمانے کے مشہور عالم مولانا آزاد بلگرامی کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا۔ شفیق نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شاعری کی۔ اولاً صاحب بعد میں شفیق تخلص اختیار کیا۔ آپ نے بہت سی معرکہ آرا کتابیں تصنیف کیں جن میں "گل رعنا" اور "چمنستان شعراء" کافی اہم ہیں اول الذکر فارسی میں اور ثانی الذکر اردو شعراء کا تذکرہ ہے۔

شفیق نے غزل، قصیدہ، مثنوی اور رباعی وغیرہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے اور اردو نعت گوئی میں اپنے معراج نامہ کی وجہ سے لافانی ہو گئے ہیں۔ نعت کا کوئی مورخ یا ناقد ان کو فراموش نہیں کر سکتا۔ شفیق کے معراج نامہ میں الفاظ کا در و بست، زبان کی لطافت و سلاست بیان کی صفائی و روانی، مصرعوں کی برجستگی و بے ساختگی اور ابلاغ و اظہار کا پاس ادب قابل تحسین ہے۔ معراج نامہ میں ہندوی اور حجازی تہذیب کا ملا جلا رنگ دلاویز ہے۔ حضرت جبرئیل کے لیے مصنف کا فقرہ "در حجرہ پہ دھا آ جوڑ کر ہاتھ" ہندوانے اور ہندوانہ تہذیب

۱؎ ۔ دکن میں اردو: نصیر الدین ہاشمی۔ صفحہ ۴۲۳

کا آئینہ دار ہے۔ فقرہ بالا کا ڈرامائی انداز' مرقع نگاری کے باب میں مصنف کے غیر معمولی درک کی غمازی کرتا ہے۔ شاعر شب معراج کی سحر رفضا سے اسقدر مرعوب ہے کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اس شب کو رات دن کے خانوں میں سے کس خانہ میں رکھے۔ اس نے معراج کی رات کے احوال و کوائف بہت حسین اور دلکش انداز میں بیان کئے ہیں۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

عجائب رات تھی وہ نور افشاں | کہ ہر کوکب تھا اک مہر درخشاں
کہوں گر رات اس کو ہے تامل | کہوں گر دن' تو عالم میں پڑے خلل
غرض غفلت سبھوں پر چھا رہی تھی | خرد دارو ئے حیرت کھا رہی تھی
سفیر نیک پے' پیغام لایا | سلام حق کہا اور یہ سنایا
در حجرہ پہ دو آ جوڑ کر ہات | کہا سرور ترے پر حق کی صلوات
چل اٹھ اے شہ کہ ہے معراج تیرا | عرش بھی آج ہے محتاج تیرا

مصنف نے اس معراج نامہ میں کل ایک سو چھ ابیات کہے ہیں۔ لیکن انداز بیان اتنا موجز ہے کہ اس پر دریا کو کوزہ میں بھرنے والی بات صادق آتی ہے۔

مکھن لال ــــــ آپ مہاراجہ چندو لال کی جانب سے عرض بیگی تھے۔ اور اسی حیثیت سے راجہ کے خطاب سے نوازے گئے تھے[1] موصوف کو فارسی سے خاص شغف تھا۔ شعر و شاعری سے ان کا فطری لگاؤ اور اکتسابی مہارت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ موصوف نے سنہ ۱۲۶۰ھ ۱۸۴۴ء میں عمر خیام کی رباعیات کو اردو شاعری کے جامہ میں منتقل کیا۔ مکھن لال کے دستیاب دیوان میں حمد و نعت' منقبت و مراثی موجود ہیں۔ انھوں نے حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہما کی شان اقدس میں بھی شاعرانہ زبان کھولی ہے۔ مکھن لال نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں نعتیں لکھی ہیں۔

---

[1] دکن میں اردو : نصیر الدین ہاشمی صفحہ ۵۵۶

ان کا دیوان دو حصّوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصّہ میں (۴۸) اور دوسرے حصّہ میں (۵۲) صفحات ہیں۔ حصّہ اوّل میں چار مسدس ہیں۔ پہلے مسدس میں (۱۷) بند، دوسرے میں (۱۸) تیسرے میں (۲۹) اور چوتھے میں (۳۰) بند ہیں۔ تیسرا اور سولہواں بند ناقص ہے۔ دیوان میں ایک نعت مثمن کی شکل میں ہے۔ مکھن لال نے نعتیہ تضمینیں بھی کہی ہیں۔ انھوں نے غزل اور رباعی کی ہیئت میں کوئی نعت نہیں کہی۔ راقم الحروف کو حصّہ دوم میں کوئی اردو نعت نہیں ملی۔ مکھن لال کو بانیٔ اسلام سے بہت عقیدت و شیفتگی تھی۔ اسی لئے ان کے کلام میں خارجیت کے ساتھ داخلیت کا وفور ہے۔ پیغمبر اسلام کے محاسن، آپ کے شمائل و خصائل، آپ کا رحمتہ العالمین — شفیع المذنبین اور ملجا و ماویٰ ہونا وغیرہ موضوعات مکھن لال کی شاعری میں اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ مکھن لال نے ترکیب توصیفی اور ترکیب اضافی کے استعمال سے اپنی نعتیہ شاعری میں زیادہ جان ڈال دی ہے۔ قرآنی تلمیحات نے کلام کی گہرائی اور گیرائی میں اضافہ کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کا ایک نعتیہ مسدس ملاحظہ ہو:

کیا نبی کیا نبوت کی عجب شان ہے — جس کی صورت میں ہویدا صفت رحماں ہے
ذات حق کی دو جہاں میں منبع احساں ہے — مدح میں ان کی مقصر طاقت انساں ہے
یا رسول اللہ تم پر جان و دل قرباں ہے
یاد تیری دل میں میرے ہر گھڑی ہر آن ہے

رحمۃ للعالمین ہو یا نبی خیر الوریٰ — شاہد و صادق تمھارے وصف کا قول خدا
ہو شفیع المذنبین اور ہادی راہ ہدیٰ — کر کرم راہ سعادت پر مجھے ہو رہنما
یا رسول اللہ تم پر جان و دل قرباں ہے
یاد تیری دل میں میرے ہر گھڑی ہر آن ہے

۱۔ دکن میں اردو نصیر الدین ہاشمی صفحہ ۵۵۶

سورہ والشمس ہے تجھ حسن عارض پر گواہ — زلف مشکیں نس پہ جیسی واللیل ہے بے اشتباہ

آیۂ انا فتحنا فتح میں ہے شمع راہ — قاتل حساد دیں تم ہو تیغ لا الٰہ

یا رسول اللہ ؐ تم پر جان و دل قربان ہے

یاد تیری دل میں میرے ہر گھڑی ہر آن ہے[1]

بارگاہ رسالت میں حاضری کی تمنا اور اس تمنا کو عملی جامہ پہنانے کے لئے قلبی اضطراب، جس جوش کے ساتھ مکھن لال کی نعتیہ شاعری میں موجزن ہے اس کی مثال اردو کے دیگر شعرائے نعت کے یہاں شاذونادر ہے ایک نعت کے صرف تین اشعار ملاحظہ ہوں ۔

یہی ہے آرزو دل میں کہ دیکھوں یثرب و بطحا — کرم سے یا نبی اللہ ؐ مجھے اوس جا پر پہونچا

کروں تا خاک تجھ درگاہ سے کحل البصر اپنا — اوس خاک مرتب تجش میں مدفن بنے اپنا

بنا شد غیر تو دیگر پناہم یا رسول اللہ ؐ

بکن لطف و کرم بر اشک و آہم یا رسول اللہ ؐ

حمید و احمد و محمود تم ہو یا رسول اللہ ؐ — سعید و اسعد و مسعود تم ہو یا رسول اللہ ؐ

بہر آن و زماں موجود تم ہو یا رسول اللہ ؐ — دل و جاں کے مرے مقصود تم ہو یا رسول اللہ

نباشد غیر تو دیگر پناہم یا رسول اللہ ؐ

بکن لطف و کرم بر اشک و آہم یا رسول اللہ ؐ

نہیں مجھ پر فراغت تا کہ میں پہونچوں مدینے کو — دیکھوں آنکھوں کے خاتم بیچ اس نوری نگینے کو

نپٹ اس آرزو میں تلخ میں سمجھا ہوں جینے کو — جو حاصل ہوئے مطلب تم بتاؤ اس قرینے کو

نباشد غیر تو دیگر پناہم یا رسول اللہ ؐ

بکن لطف و کرم بر اشک و آہم یا رسول اللہ ؐ[2]

---

[1] ۔ دیوان مکھن لال صفحات ۲۰، ۲۱، ۲۲

[2] ۔ " " " " ۳، ۴ و ۵

شاعر نے ایک نعت میں مکالماتی اسلوب اپنا کر بلیغ انداز میں اپنے اور دل کے درمیان کی گفتگو نظم کی ہے۔ اندازِ بیان بہت مہذّب ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ــــــ:

صبح دم دل نے مجھ کو کر تعلیم ۔۔۔ یوں کہا جاگ (ائے) گنہگار اثیم

بسکہ تو نے کیا ہے جرم عظیم ۔۔۔ جا پکڑ دامن شفیع و رحیم

عرض کر بندگی بعد تعظیم ۔۔۔ یوں اپنا پکار حال سقیم

کر مدد مجھ پہ یا رسوؐل کریم ۔۔۔ تا نہ دیکھوں عذاب نار جحیم [1]

مکھن لال کے دیوان میں ایک تضمین شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے مشہور نعتیہ قطعہ پر ہے۔ شیخ سعدی کا نعتیہ قطعہ ہے:

بلغ العلیٰ بکمالہ ۔۔۔ کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ ۔۔۔ صلوا علیہ و الہ

(اپنے کمال کی وجہ سے بلندی پر پہونچے۔ اپنے جمال سے تاریکیوں کو روشن کیا ان کی سب عادتیں بھلی ہیں۔ ان پر اور ان کی اولاد پر درود پڑھئے)

مکھن لال نے اس نعت کے ہر مصرعے میں بانیٔ اسلام کے ایک ہی وصف کی شاعرانہ وضاحت کی ہے۔ نمونہ کے طور پر بند ملاحظہ ہو:

وہ رسوؐل خاص خدا کے ہیں ۔۔۔ وہ چراغ بزم ہدیٰ کے ہیں

وہ مہبط صدق و صفا کے ہیں ۔۔۔ وہ امیر ملک بقا کے ہیں

وہ شفیع جرم و خطا کے ہیں ۔۔۔ وہ سپہر لطف و عطا کے ہیں

بلغ العلیٰ بکمالہ ۔۔۔ کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ ۔۔۔ صلوا علیہ و آلہ

---

[1] ۔ دیوان مکھن لال صفحہ ۱۳

منشی شنکر لال ساقیؔ کی ولادت ۱۰ دسمبر ۱۸۲۰ء کو سکندرآباد میں ہوئی آپ سہارنپور میں منشی کاری کے عہدہ پر فائز تھے۔ اور ۱۸۹۰ء میں بعمر ستّر سال راہیِ عالمِ بالا ہو گئے۔ آپ غالبؔ و مومنؔ کے معاصر تھے اور آپ کو بہادر شاہ ظفرؔ کے مشاعروں میں شرکت کا فخر بھی حاصل تھا۔ آپ نے شعر و شاعری میں غالبؔ اور ان کے خاص شاگرد منشی ہرگوپال تفتہؔ سے کسبِ فیض کیا تھا۔ تفتہؔ آپ کے چچازاد بھائی تھے۔

آپ کی دو کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ کریما سعدیؔ کا ترجمہ جو بھاشا نظم میں ہے۔ اس منظوم ترجمہ کو ساقیؔ کے فرزند رشید منشی کشن سروپ ساغرؔ نے اوّل اوّل ۱۸۹۳ء میں زیورِ طبع سے آراستہ کیا تھا۔ آپ کی دوسری مطبوعہ تصنیف انتخاب کلیات ہے۔ جس میں چند نعتیں اور غزلیں شامل ہیں۔

ساقیؔ نے "محمد است" کی ردیف میں ایک نعت فارسی زبان میں کہی ہے ان کا اعتقاد ہے کہ مشکِ ختن کی بو بلاشبہ موئے محمد ﷺ کا عطیہ ہے۔ دیر میں بھی ان کی نماز اس لئے شرفِ قبولیت حاصل کر سکے گی کیونکہ سچے خلوص کیساتھ ان کے دل کا رخ محمد صلعم کی طرف ہے۔ جامۂ ہندی زیبِ تن ہے لیکن جسم کی تعمیر خاکِ یثرب اور خاکِ کوئے محمد ﷺ سے ہوئی ہے۔ متعلقہ اشعار ملاحظہ ہوں:

ایں بوئے خوش کہ مشکِ ختن یافت در جہاں — بے شبہ از عطیہ بوئے محمد ﷺ است
در دیر ہم قبول تواں شد نماز من — گر روئے دل صدق بسوئے محمد ﷺ است
ساقی اگر جامہ ہند است بر تنم — خاکم مگر ز یثرب و کوئے محمد ﷺ است

صافی کی ایک نظم "چاندنی کی" ردیف میں معراج سے متعلق اور دوسری "قندیل میں" کی ردیف میں نور محمدی سے متعلق ہے۔ موخر الذکر نعت میں ــــ لولاک لما خلقت الافلاک" اور "اوّل ما خلق اللہ نوری" کو لطیف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک شعر ملاحظہ ہو:

آیت لولاک سے ظاہر تھی عظمت آپ کی
سب سے پہلے تھا یہی نور قندیل میں

صافی کی وہ نعت جس کی ردیف "ہے" اور جس کے قوافی اجالا "نکالا" "نرالا" وغیرہ ہیں، اس لئے لائق ذکر ہے کیونکہ اس نعت میں تعلّی اور اعتراف عجز کے مضامین حسین انداز میں نظم کئے گئے ہیں۔ متعلقہ اشعار ہدیۂ قارئین ہیں:

مرا ہر لفظ نعت احمدی سے در یکتا ہے
لکھا جو دائرہ ہے وہ مہ کامل کا ہالا ہے

صفات ذات احمد لکھ سکوں کیا میری طاقت ہے
خیال اہل دانش جب یہاں مکڑی کا جالا ہے

"یہ ہی تو ہیں" ردیف والی نعت میں استعمال تلمیحات کی حاکمانہ استطاعت اور مذہبی اصطلاحات پر شاعر کی ماہرانہ قدرت قابل دید ہے۔ اس نعت کا وصفی انداز لائق ذکر ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

ہے نزول آیت لولاک جس کی شان میں
باعث ایجاد وہ جان جہاں یہی تو ہیں

معجزہ شق القمر کا دیکھ کر کہتے تھے سب
بالیقیں دانائے اسرار نہاں یہی تو ہیں

مصرا رام داس قابل لاہوری نے ۱۵۲ اشعار کی ایک لطیف و دلکش نعت فارسی زبان میں کہی ہے، جس میں قرآنی و حدیثی تلمیحات کے سہارے معجزات نبویہ نظم کئے گئے ہیں۔ داخلیت و خارجیت کا امتزاج نعت کی دلکشی میں اضافہ کرتا ہے۔ چند اشعار بطور تبرک درج ذیل ہیں:

جلوہ گاہ او زمین و سیر گاہش آسماں
لامکاں آرام گاہ لایزالی گوہری

یک نگاہش را نداجوران گلزار جناں
لیک ما زاغ البصر بر دیدہ گردش مجری

گر کند پرواز در اوج علو شان او
روح اعظم را کجا یارا ئے بال طائری

طائران سدرہ را خود سدرہ باشد منتہی
منتہائے سیر گاہش لامکاں در برتری

خیل حوران ملائک اختران و انبیاء   در ہوا و در ثنا و در رضای چاکری

لالہ تارا چند تارا متوفی ۱۹۰۹ء کی نعتوں میں داخلیت کا وفور ہے۔ ان کو نبی صلعم سے شیفتگی کی حد تک عقیدت تھی۔ موصوف دلکش انداز میں سوز دروں کے اظہار پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ مختلف نعتوں سے چند چیدہ اشعار درج ذیل ہیں:

ہیں جہاں میں گو بظاہر مائل زنار ہم   دل سے ہیں مفتون حسن احمد مختار ہم

گر خدا کا دھیان ہے یا گاہ اسکے دوست کا   رہتے بیکاری میں بھی اک دم نہیں بیکار ہم

یوں انبیاء ہیں میرے پیمبر کے سامنے   جیسے چکور ہوں مہ انور کے سامنے
پرواز مرغ روح کرے میری یا خدا!   جا کر نبی کے روضۂ اطہر کے سامنے

اثر اک اک سخن میں اکی ہوگا اسم اعظم کا   وظیفہ جس کا روز و شب درود مصطفیٰ ہوگا
غبار اس روضۂ اقدس کا ماتھے پر لگاؤں گا   گذر اپنا مدینہ میں اگر مثل صبا ہوگا

نہیں تھا جز خدا کچھ پہلے انوار محمدؐ سے   ہوا ہے انتظام دو جہاں سارا محمدؐ سے
وجود عالم امکاں بنا سارا محمدؐ سے   بنا ہے دونوں عالم کی یہ انوار محمدؐ سے
مسیحا سے بھی جو ممکن نہ ہوگا روز محشر تک   ہمارے درد دل کا ہوگا وہ چارہ محمدؐ سے

لالہ اروڑہ رائے متخلص بہ رائےؔ کی نعتوں میں سوز دروں کی کارفرمائی اور شیفتگی کا برملا اظہار دیکھنے کو ملتا ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں:

جلوۂ حسن نبی جاری ہے مثل بحر فیض   یا خدا پائیں گے کب اس سے دم تشنہ لب ہم

حضرت بلال عشق نبی میں فدا تھے یوں — بلبل ہو جس طرح سے گلِ تر کے سامنے

جا کر کروں طواف مدینہ میں شوق سے — سر کو کروں فدا در اطہر کے سامنے

مجھے باغ جہاں میں کچھ نہیں پیار محمدؐ سے — خدا نے یہ جہاں پیدا کیا سارا محمدؐ سے

نکیبا جسکا خالق ہو کہو پھر اس کو کیا غم ہو — کہا حق نے تہ ہے کوئی مجھے پیارا محمدؐ سے

دلّورام کوثری کی ولادت بشنوئی قوم میں حصار ضلع کے نانڈری قصبہ میں پوہ سمبت ۱۹۳۹ میں ہوئی۔ آپ کا نام دلّورام اور باپ کا نام بھورارام تھا۔ بقول خود وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اوّل اوّل بشنوئی قوم میں تعلیم حاصل کی انٹرنس میں انگریزی تعلیم کے دوران شاعری کے شوق نے سر اٹھایا۔ لاہور کے ڈگری کالج میں داخلہ لے لیا۔ لیکن سلسلہ تعلیم کو جاری رکھنے میں شعر و شاعری کا شوق سدّ راہ بن گیا۔ اور جلد ہی کالج چھوڑ کر غزل کی زلف ہائے دراز کو سنوارنے ہمہ تن منہمک ہو گئے۔

کوثری کو مذہبیات سے خاص لگاؤ تھا۔ انھوں نے مختلف مذاہب و مسالک: ہندو، مسلم، سکھ، مرہٹہ اور آریوں سے متعلق منظوم کتابیں لکھی ہیں۔ کوثری کو محمد صلعم اور آپ کے اہلبیت سے کافی شغف تھا۔ اور انھوں نے نعت و منقبت میں کافی سرمایہ بطور یادگار چھوڑا۔ کوثری کو حسّان العجم کا خطاب حضرت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری نے ماہ جون ۱۹۲۱ء میں مرحمت فرمایا تھا۔

موصوف نے اکثر نعتیں عنوانات قائم کر کے لکھی ہیں۔ عنوانات کی

بابت ایک خاص بات یہ ہے کہ موصوف نے اکثر و بیشتر نعتوں کے عنوانات نعت کے کسی مصرع کو اٹھا کر حاصل کئے ہیں۔ ان کے نعتیہ سرمایہ میں حسب ذیل عنوانات کی حامل نعتیں کافی وقیع ہیں۔

(۱) تو یکتا ہے بعد از خدا یا محمدؐ۔ (۲) میں ہر دم ہوں ثنا خوان محمدؐ۔۔۔ (۳) خدا جب ہے محمدؐ کا۔ (۴) اللہ کا دیدار ہے دیدار محمد (۵) محبوب الٰہی سے ہے یارانہ ہمارا۔ (۶) ہندو سہی مگر ہوں ثنا خوان محمد۔۔۔۔ (۷) ہے پیارے محمدؐ سر دتو رام (۸) محمد کو یاران جانی میں رکھا۔ (۹) غل ہوا ہندو بھی محبوب خدا کے ساتھ ہے (۱۰) شفاعت (۱۱) ہندو کی بخشش (۱۲) رسول عولی۔

کوثری نے شہیدی کی مشہور نعت کی زمین میں، جس کا پہلا شعر درج ذیل ہے، ایک اچھی نعت کہی ہے۔ جس میں تضادی فضا پیدا کر کے ندرت کے ساتھ شیخ ہندو کا استعمال کیا گیا ہے۔ شہیدی کا محولہ بالا شعر ہے:

رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کے سر کا سر دیوان لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمد کا

کوثری کی نعت کا پہلا شعر درج ذیل ہے۔

کرے ہندو بیاں اس طرز سے تو وصف احمد کا مسلماں مان جائیں لوہا سب شیخ ہندو کا

مداح نبی ہونے کے باعث شاعر کو اپنی کامرانی پر اس قدر ناز ہے کہ جب محشر میں فرشتوں نے داور محشر کو یہ خبر دی کہ اس بت پرست کے ساتھ کیا کیا جائے جو احمد مجتبیٰ کی نعتیں لکھتا ہے۔

ہے بت پرست اگرچہ لیکن ہے نعت گو احمد کی نعت لکھتا ہے دنیا میں بیشتر
ہے نام دتو رام، تخلص ہے کوثری لیجائیں اس کو خلد یا جانب سقر

تو خداوند محشر نے یہ حکم صادر فرمایا۔

سنتے ہی یہ ملائکہ سے اک انوکھی بات فرمایا ذوالجلال نے جنت ہے اسکا گھر

اس پر شاعر تحدیث نعمت کے طور پر کہتا ہے:

اللہ اکبر احمد مرسل کا یہ لحاظ　　　کی حق نے لطف کی سگ دنیا پہ بھی نظر

کوثری نے خارجی اور داخلی دونوں طرزہائے بیان کی استمداد سے اپنی شعری مسلک میں نعتیہ تنہیار سے پیروئے ہیں۔ موصوف معجزات نبویہ کا وسیع علم اور مذہبی وتاریخی تلمیحات پر قابل ذکر دسترس رکھتے تھے اور انھوں نے اس معلومات کے سہارے اپنے کلام میں چار چاند لگائے ہیں۔ ان کی نعت "رسولِ عربی" سے تین چار اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

مختار کل تھے لیکن یہ زہد تھا　　　بوسیدہ بوریا رہا بستر رسولؐ کا
انگلی کے اک اشارے سے شق القمر کیا۔ کتنا ہے اختیار فلک پر رسول کو
قرآن پاک معجزۂ بے مثال ہے　　　دنیا میں فیض ہے یہ برابر رسولؐ کا

سایہ نہ تھا جناب پیمبر کا اس لئے　　　کوئی زمانہ میں نہ تھا ہمسر رسولؐ کا

کوثری کے یہاں تلمیحات کا استعمال ایک خاص شیفتگی اور محتاط شعور کے ساتھ ہوا ہے۔ چند نمونے پیش ہیں۔

نبی کے واسطے سب کچھ بنا ہے　　　بڑی ہے قیمتی جان محمدؐ
نبی نطق ہے نطق الٰہی　　　کلام حق ہے فرمان محمدؐ

آیا ہے　　　ہیں نبی نورِ خدا ہے　　　اللہ کا دیدار ہے دیدار محمدؐ

پیمبر کی انگلی کا ہے وہ نشان　　　رخ مہ پہ سمجھا جسے خال ہے

کوثری نے اپنی نعتیہ کاوشوں میں اکثر جگہ مداح نبی ہونے پر لطیف و نادر انداز میں اور جاذب و دلاویز پیرایۂ اظہار میں تعلّیاں کی ہیں۔ یہ ندرت کہیں کہیں تضادی ماحول اور متباین فضا پیدا کر کے اجاگر کی گئی ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے:

تِرا کوثریؔ رہتا ہے ہندوؤں میں — ہے ظلمت میں آبِ بقا یا محمدؐ

بتاؤں کوثریؔ کیا شغل اپنا — میں ہوں ہر دم ثنا خوانِ محمدؐ

کچھ عشقِ پیمبر میں نہیں شرطِ مسلماں — ہے کوثریؔ ہندو بھی طلبگارِ محمدؐ

لے کے دتّو رام کو حضرت گئے جنت میں جب — غل ہوا ہندو بھی محبوبِ خدا کے ساتھ ہے

نبی کے ہوئے نعت گو دو برابر — کہ دونوں کو ایک مدح خوانی میں رکھا
ہے حسّان پہلا تو میں دوسرا ہوں — نہیں فرق اوّل میں ثانی میں رکھا
خدا نے اسے سونپی محفلِ عرب کی — مجھے بزمِ ہندوستانی میں رکھا

لکھیں کوثریؔ عمر بھر ہم نے نعتیں — نہ کچھ اور غم زندگانی میں رکھا

ورق چند ہیں نعت کے میرے پاس — یہی اپنی پونجی یہی مال ہے

کوثریؔ کی ایک خاص ادا یہ ہے کہ انھوں نے عشقِ نبیؐ میں اپنی دیوانگی پر بھی تعلیاں کی ہیں:

مجھے لوگ کہتے ہیں دیوانہ تیرا — کہوں اور کیا ماجرا یا محمدؐ

محشر میں بچا لیں گے نبی مجھکو یہ کہہ کر — چھیڑو نہ اسے یہ تو ہے دیوانہ ہمارا

کوثریؔ نے عشقِ نبیؐ سے سرشار ہو کر تتبعِ نعت اور اپنے نام کے ساتھ روابط تلاش کیے ہیں:

ہے پائے محمدؐ سر دتّو رام — یہ نسبت مرے اوج پر دال ہے

جدا کیا لام دو تو رام ہے میم محمدؐ سے
تعلق سو طرح کا ہے مشدّد سے مشدّد کا

محمدؐ اور دو تو رام میں نقطہ نہیں کوئی
کہ ہے مدّاح اور ممدوح میں ربط کس حد کا

"شاہد" کا قافیہ اور اس کے استعمال کی ندرت قابل داد ہے۔

محمدؐ کی شفاعت پر یقیں تھا نعت گویوں کو
کسی نے قافیہ باندھا نہیں اب تک جو شاہد کا

حسب ذیل شعر میں مقامی رنگ اور لطافت استعمال درخور تحسین ہے:

کبھی گنگا میں آڈوبا، کبھی کوثر پہ جا نکلا
پتہ کچھ بھی نہیں مخصوص درویش مجدد کا

مہاراجہ کشن پرساد شاد

کشن پرساد نام، شاد تخلص، ہفت ہزاری، راجۂ راجاں، مہاراجہ یمین السلطنت، جی سی، ایس، آئی آپ کے خطابات تھے۔ راجہ ہری کشن پرساد، آپ کے والد، مہاراجہ چندو لال آپ کے دادا اور نریندر پرساد آپ کے نانا تھے۔ آپ کی پیدائش ۱۲۸۱ھ = ۱۸۶۴ء میں ہوئی۔ آپ نے عربی، فارسی، انگریزی میں مکمل مہارت حاصل کی آپ تحصیل علم سے فراغت حاصل کر کے جاگیرات پیش کاری کے عہدے سے مشرف ہوئے۔ ۱۳۱۰ھ = ۱۸۹۲ء میں یمین المہام فوج کے عہدے کا بھی اضافہ ہو گیا۔ اور ۱۳۱۹ھ = ۱۹۰۱ء میں ترقی کر کے مدار المہام ہو گئے۔ جس سے ۱۳۳۰ھ = ۱۹۱۱ء میں سبکدوش ہو گئے۔ لیکن دوبارہ ۱۳۴۹ھ = ۱۹۳۰ء میں صدارت عظمیٰ کے وقیع عہدہ پر فائز ہو گئے۔

شعر و شاعری آپ کا خاص مشغلہ تھا۔ آپ کو حضرت داغ اور آصف سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ امیر، جلیل، اور ظہیر وغیرہ آپ کے مصاحبین میں شامل تھے۔ اور جن شعراء نے آپ کے دربار کو رونق بخشی ان میں فانی،

ہوش، صغیر، محوی اور ثاقب وغیرہ بہم قابل ذکر ہیں۔ تصوف سے آپ کو خاص لگاؤ اور مذہبیات سے کافی دلچسپی تھی۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

کافر نہ کہو شاد کو ہے عارف و صوفی شیدائے محمد ہے وہ شیدائے مدینہ

عبدالقادر سروری لکھتے ہیں کہ:

"بحیثیت مجموعی ان کی متصوفانہ نظمیں مخصوص انفرادیت رکھتی ہیں"[1]

نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں۔

"شاد کا کلام صوفیانہ خیالات سے مملو ہے۔ ہندو اور نانوؤں کی شان میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے جو نظمیں لکھی گئی ہیں وہ اردو میں ایک جدید اضافہ ہے"[2]

آپ کا انتقال ۱۳۵۹ھ ۱۹۴۰ء میں ہوا۔ آپ کی شاعری خیالات و معانی اور الفاظ ہر نقطۂ نظر سے عصری مقتضیات کے عین مطابق ہے آپ سرسید اور حالی کے سچے پیرو تھے۔ آپ کی شاعرانہ زبان صاف ستھری اور رواں دواں ہے۔

آپ کے کلام کے کئی مجموعے مختلف ناموں سے شائع ہو چکے ہیں۔ نعتیہ کلام کا مجموعہ ۱۳۲۶ھ ۱۹۰۸ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ آپ نے اس مجموعہ کا نام "ہدیۂ شاد" رکھا۔ حافظ جلیل حسن جلیل مانک پوری نے تاریخ طبع کے کئی قطعات لکھے ہیں۔

شاد کے نعتیہ کلام میں (۱۰۲) غزلیں (۷) مخمس (۱) قصیدہ اور (۵) سلام ہیں۔ نعتیہ دیوان کے آخر کے شمولات میں قطعات تاریخ کے علاوہ لطیف احمد اختر کی ایک تقریظ بھی ہے۔ جس میں شاد کی نعتیہ شاعری کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ ایک مقام پر اختر نے شاد کے کلام میں امیر مینائی کے رنگ

---

[1] ۔ جدید اردو شاعری: عبدالقادر سروری صفحات ۱۹۰، ۱۹۱ مطبوعہ اعلیٰ پریس دہلی
[2] دکن میں اردو: نصیر الدین ہاشمی صفحہ ۶۷۰

سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"اس گویائی کا رنگ امیر کے رنگ سے بہت کچھ
ملتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب مصنف نے
امیر مینائی کا کلام بہت دلچسپی اور والہیت کے
ساتھ دیکھا اور سنا ہے"[۱]

شاد کو بانیٔ اسلام سے بہت شیفتگی اور عقیدت تھی غیر مسلم ہونے کے باعث ان کے سامنے قدغن اور رکاوٹ بھی نہ تھی جو ان کے اشہب تخیل کے لئے لگام کا کام کرتی شاد کا نعتیہ کلام اسلامی نقطۂ نگاہ سے قابل اعتراض ہے شاد وفور جذبات و اشتیاق میں درِ نبی صلعم پر جبہ سائی کرنا جائز ہی نہیں۔ بلکہ باعث فخر سمجھتے ہیں۔ وہ واضح طور پر کہتے ہیں کہ درِ نبی سے بڑھ کر کوئی دوسرا در جبہ سائی کے لئے موزوں نہیں عشق نبی میں زمزمہ سنجی کی وجہ سے ان کے تمام متعلقات دلاویز اور دلکش ہو گئے ہیں۔ نبی صلعم سے شیفتگی اور آپ کی مداحی کی وجہ سے اس کے زنّار میں تسبیح کا تقدس پیدا ہو گیا ہے۔ چند متفرق اشعار ملاحظہ ہوں:

احمدؐ کے در پہ اس لئے میں جبہ سا رہا
سجدے کے لائق اور کوئی آستاں نہ تھا[۲]

کافرِ عشق محمدؐ خلق کہتی ہے مجھے
سب مسلماں قدر کرتے ہیں مرے زنّار کی[۳]

کافرِ عشق محمدؐ ہوں میں شاد
سبحہ سے بڑھ کر مرا زنّار ہے[۴]

کافر ہوں کہ مومن ہوں خدا جانے کہ کیا ہوں
پر بندہ ہوں انکا جو ہیں سلطان مدینہ[۵]

۱۔ ہدیۂ شاد صفحہ ۱۹۵ مطبوعہ ۱۳۲۶ھ تجر
۲۔ ہدیۂ شاد ص ۱ ۔ ہدیہ شاد ص ۱۲۷
۳۔ ہدیۂ شاد ص ۱۲۷
۴۔ ہدیۂ شاد ص ۱۴۸
۵۔ ہدیۂ شاد ص ۹۲

عاشق ہوں مجھے جنت فردوس سے کیا کام ہے سر میں ازل سے مرے سودائے مدینہ[۱]

مرے سوز محبت کو جو دیکھا فلک پر رشک سے بجلی جلی ہے[۲]

طواف روضہ عین حج ہے اے شاد مرا کعبہ مدینہ کی گلی ہے[۳]

ہندوستانی مزعومات میں یہ بات مسلم ہے کہ نزع میں محبوب کو دیکھنے کے لئے دم اٹکا رہتا ہے۔ شاعر نے اس عقیدت کو کس خوبصورتی سے نظم کیا ہے:

دم مرا سینہ میں ٹھہرا وقت نزع مجھ کو جس دم یاد آئی آپ کی[۴]

"سے غرض" ردیف کی ایک نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

دل کو ہے روئے پیمبر سے غرض آئینہ کو ہے سکندر سے غرض

سجدہ گاہیں اور بھی ہوں گی مگر میرے سر کو ہے ترے در سے غرض

دولت عشق نبی درکار ہے مال سے کیا کام کیا زر سے غرض

تشنۂ دیدار ہوں میں آپ کا کب نکل سکتی ہے کوثر سے غرض[۵]

اسلامی نقطۂ نگاہ سے عبد اور الٰہ میں فرق ہے، عبد کا کمال عبودیت اور اعتراف عبودیت میں ہے نہ کہ الوہیت کے اندر مدغم ہو جاتے ہیں شریعت اسلامیہ کے دوسرے کلمہ شہادت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عبدہٗ و رسولہٗ کے الفاظ و مفاہیم منسلک ہیں۔ مربوب کی حیثیت رب کے سامنے خواہ مربوب کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو، کہیں نہیں ہے۔ ہندوستانی صنمیات کے رو سے ظلم و ستم اور فتنہ اور فساد کے غلبہ پر خدا خود بندے کے روپ میں جنم لیکر فتنہ و

۱۔ ہدیۂ شاد ص ۹۴

۲۔ ہدیۂ شاد ص ۱۱۳

۳۔ ہدیۂ شاد ص ۱۰۹

۴۔ ہدیۂ شاد ص ۴۲

فساد اور ظلم و تعدی کی بیخ کنی کے لئے آیا تھا ہے۔ شعرائے نعت نے تاویلات کا سہارا لے کر عبد و معبود کے فرق کو مٹانے کی کوشش کی ہے۔ اور اسلامی۔۔ تصوف کو ملحوظ رکھتے ہوئے دونوں کے مابین ایک ہلکا سا پردہ ڈال دیا ہے شاد کے سامنے اسلامی نقطۂ نظر قطعی طور پر نہ تھا بلکہ غیر مسلم ہونے کی وجہ سے اوتار وادی نظریہ دل کی گہرائیوں میں راسخ ہو چکا تھا' اس لئے انھوں نے عبد و معبود کے مابین کے اس ہلکے پردے کو بھی اٹھا دیا۔ [۱]

ایک ہیں نور احد نور محمدؐ دونوں   صاف کہہ دیتے ہیں ہم کو کوئی پروا کیا ہے
احد اور احمد ہے کس طرح واحد   وہی جانتا ہے جو سمجھا ہوا ہے [۲]

باطن میں ذات ایک ہے ظاہر میں عبد و رب
عقدہ کھلا یہ ہم کو شگاف قلم سے ہے [۳]

خود ذات ہی تھی احمد و محمود و محمدؐ   آئینۂ عرفاں میں جو دیکھا شب معراج [۴]

شاد نے مسکن نبی کی نعت خوانی میں بھی اسلامی نقطۂ نگاہ سے انحراف کیا ہے اور حرم نبوی کو حرم مکہ سے افضل قرار دیا ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری میں داخلیت کی حکمرانی ہے۔ انھوں نے نبی صلعم کے گیسو' زلف' خد و خال پر شیفتگی کے مضامین ویسے ہی نظم کئے ہیں۔ جیسا کہ شاہدان مجازی کے لئے نظم کئے جاتے ہیں:

گیسو کی یاد ہے کبھی عارض کی یاد ہے
ہے مست اسی خیال میں لیل و نہار دل [۵]

۱۔ ہدیۂ شاد   ص   ۱۰۴
۲۔ ہدیۂ شاد   ص   ۱۱۸
۳۔ ہدیۂ شاد   ص   ۱۲۹
۴۔ ہدیۂ شاد   ص   ۲۶
۵۔ ہدیۂ شاد   ص   ۳۲

مژگانِ پاک دیکھ کے کہتے ہیں جاں نثار
دل میں خلش ہے جن کی وہ پیکاں یہی تو ہیں[۱]

جو بات کہ ہے قامت شاہ مدنی میں
آئی ہے نہ آئے گی وہ سرو چمنی میں[۲]

بل کھائے ہو کیا فرطِ نزاکت سے حسینو
حضرت کے ذرا گیسوئے خم دار کو دیکھو[۳]

عشق میں زُلفِ محمد ؐ کے مری جان چلی
بہ پری اُڑ کے مجھے ڈس گئی ناگن بن کر[۴]

اعجاز بھری آنکھیں سمائی ہیں نظر میں
اب نرگس شہلا تجھے دیکھا نہ کریں گے[۵]

آرزو اب کس کو ہے رویت کی تیری ماہ نو
ہم زیارت کر چکے ہیں ابروئے خم دار کی[۶]

وہ گھر ہے خدا تو یہ محبوب خدا ہے
کعبہ سے بھی اعلیٰ نہ ہو کیوں شان محمد ؐ[۷]

دیوان شاد کی نعتیں داخلیت، سوز و گداز اور تڑپ میں قابل

۱۔ ہدیۂ شاد ص ۶۱
۲۔ ہدیۂ شاد ص ۷۲
۳۔ ہدیۂ شاد ص ۸۲
۴۔ ہدیۂ شاد ص ۹۵
۵۔ ہدیۂ شاد ص ۱۰۰
۶۔ ہدیۂ شاد ص ۱۲۶
۷۔ ہدیۂ شاد ص ۹۱

داد ہیں۔ ایک تضمین کا صرف ایک بند نمونہ کے طور پر پیش ہے:

چاند سا دیکھ کے مکھڑا ہوا حیران عالم | ہے عیاں قدرتِ حق آپ سے اے شاہِ امم
وصف اس حسنِ خداداد کا کیونکر ہو رقم | من بہ بیدل بہ جمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی[1]

ہدیۂ شاد میں صرف ایک نعتیہ قصیدہ ہے، جس کا مطلع حسب ذیل ہے:

مے وحدت سے آج ہوں مخمور | بادۂ عشق کا ہے دل میں سرور[2]

شاعر نے اس قصیدے کی تشبیب میں شاعرانہ تعلی کی ہے اور رسوم قیود مذہبی سے مکمل آزادی کا دعویٰ کیا ہے۔ گریز کے اشعار میں برجستگی ہے اور وہ براعت و ندرت سے معمور ہے۔ گریز کے اشعار ملاحظہ ہوں:

ہوں حقیقت میں کیا نہیں معلوم | پر ہوں اک بندۂ خدائے غفور
جوشِ مستی میں کہہ دیا جو کچھ | ہوں میں امیدوارِ عفو قصور
ساقیا ہاں پلا شرابِ طہور | تا کہ ہو جاؤں نشہ میں کچھ چور
نعت کرنی ہے مجھ کو ان کی رقم | ہے لقب جن کا سرورِ جمہور[3]

گریز کے بعد مدح کے اشعار ہیں۔ جن میں بانیٔ اسلام کے اوصاف حسنہ کا شگفتہ و شاداب بیان ہے۔ شاعر نے مدحیہ اشعار کے مابین "باعث تخلیق کائنات" "احمد بے میم" "علم لدنی" اور "وحی ما یوحی" مضامین کا خصوصی طور پر تذکرہ کیا ہے۔ چند اشعار نمونتہً ملاحظہ ہوں:

جس کو کہتے ہیں احمد بے میم | ہے اسی کے لئے جہاں کا ظہور
ذات ہے اس کی مظہر غفار | کیوں نہ امت اسی کی ہو مغفور

1۔ ہدیۂ شاد ص ۱۵۲
2۔ ہدیۂ شاد ص ۱۶۲
3۔ ہدیۂ شاد ص ۱۶۱

بات ہر اک ہے معجزہ ان کی — ہے علوم لدنیہ پہ عبور
ان کا کہنا ہے وحی ما یوحیٰ — نہ بناوٹ نہ اس میں کچھ ہے قصور[1]

شاد نے ایک نعتیہ غزل میں مسکن نبی سے والہانہ عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے باد صبا سے ملتجیانہ انداز میں کہا ہے کہ وہ اسے طیبہ تک پہونچا دے:

لے گیا بخت اگر روضۂ اقدس کی طرف — جان و دل کبھی صدقے کبھی قربان ہو گئے[2]
ہم کو گلشن طیبہ میں اڑا کر لے جا — ہم ترے باد صبا بندۂ احساں ہوں گے

نبی کریم صلعم کی الفت موجزن ہے۔ وہ اپنی عقیدت کا اظہار کر کے شاداب اور مسرور شاد ہیں لیکن وہ اپنے کفر کے باعث قرب میں بعد کا احساس کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے نعتیہ اشعار میں ایک قسم کا کرب، تڑپ، بے چینی اور رقت ہے۔ بانی اسلام کی نعت سرائی میں جہاں کہیں وصفی اظہار بیان کو ذریعہ بنایا گیا ہے۔ وہاں تراکیب کی تازگی اور ان کی برنائی و رعنائی اور مضامین کی شیفتگی و شگفتگی اور ان کا تغزل بہت دلاویز اور اثر آفریں ہو گیا ہے۔ ایک نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

سرورِ الشمس الضحیٰ یا نبی بدر الدجیٰ — عقل کل نور الہدیٰ شاہ دیں خیر الوریٰ
ناسخ احکام ہے، حجت اسلام ہے — دافع آلام ہے وہ رسول مجتبیٰ
سید الکونین ہے، مجمع البحرین ہے — رحمت دارین ہے شافع روز جزا[3]
خواجۂ ہر دو سرا مالک ارض و سما — گمرہوں کا رہنما، سب جہاں کا پیشوا

شاد نے کئی اچھے نعتیہ قطعات بھی لکھے ہیں۔ اعتراف عجز کے مضمون پر مشتمل موصوف کے دو قطعے ملاحظہ ہوں:

---

۱ - ہدیۂ شاد صفحات ۱۷۱، ۱۷۲
۲ - ہدیۂ شاد ص ۱۳۷
۳ - ہدیۂ شاد ص ۱۴

کیونکر ہو نعت سرورِ عالی جناب کی ۔۔۔ ذرّے سے مدح کیا ہو بھلا آفتاب کی
بعدِ خدا ہے آپ ہی کی ذات مستطاب ۔۔۔ وہ شان ہے ہمارے رسالتمآب کی

الحمد للہ لولاک سے عرش نشیں ہیں ۔۔۔ دریائے شریعت کے وہی دُرِّ ثمیں ہیں
کیا نعت بھلا شاد ادا مجھ سے ہو انکی ۔۔۔ دنیا کے وہ سردار وہی سرور دیں ہیں

شادؔ نے کئی اچھے نعتیہ گیت بھی لکھے ہیں۔ نشاط و الم کے پُر جوش جذبات کی مخصوص کیفیات کو ترنم کے سہارے چند مناسب الفاظ میں منکشف کرنے کو گیت کہا جاتا ہے۔ شادؔ نے حُبِّ رسولؐ کا اظہار ایک عورت کی زبانی، اس والہانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

مورا البیلا کا بسیّا چھین لیو من کو ۔۔۔ چھین لیو من کو اور تن دھن کو
مورا البیلا کا بسیّا چھین لیو من کو

منھ پر ڈالے میم کا پردہ ۔۔۔ موہ لیو سارے سندر ابن کو
مورا البیلا کا بسیّا چھین لیو من کو

ذات وصفت کا وہ ہی دھنی ہے ۔۔۔ اپنا کیو واکے سنگھاسن کو
مورا البیلا کا بسیّا چھین لیو من کو

آکر جگ میں بھر دپ لینو ۔۔۔ کا کہوں گوئیاں من موہن کو
مورا البیلا کا بسیّا چھین لیو من کو

بار بار آوت ہے یہی من میں ۔۔۔ شادؔ گلے سے لگاؤں ساجن کو
مورا البیلا کا بسیّا چھین لیو من کو[۱]

۱۔ اذان بتکدہ جامع ظفر برادرس لاہور۔ مطبوعہ کریمی اسٹیم پریس لاہور۔ طبع اوّل صفحہ ۴۲۔

من ابھلا کہو بڑھایو دیا

تمہرے آئی ہوں در درجو اپر سیاں آج بھکارن ہوں
منشا موری یہ ہے کہ چوکھٹ تمہری مورا مسکن ہو
من ابھلا کہو بڑھایو دیا

تن من واری سانئیں پر اور دھن دولت سب تج دینی
لٹ چھٹکائے بھبھوت ملے چودیس بھرت ہوں جوگن ہو
من ابھلا کہو بڑھایو دیا

جب حشر کے دن ہم تم جائیں دربار میں اپنے مولا کے
شاد کے منشا یہ ہے ساجن ہاتھ میں تمہرا دامن ہو
من ابھلا کہو بڑھایو دیا[1]

شاد نے فارسی زبان میں بھی اچھی نعتیں لکھی ہیں۔ تبرکاً ایک نعت کے صرف تین اشعار ذیل میں رقم کئے جاتے ہیں:

ثنائے ذات او از من محال ست — کجا ذرہ کجا مہر ضیا بار
بنودے خلق گردد ذات احمد — نگشتے دین او شائع بامصار
بدام حسن خلقے صید کردہ — جہانے را بلا اکراہ و اجبار

ہمدم اکبر آبادی کا نام کنور گوری پرشاد ہے۔ آپ نے اشعار کے ذریعہ پیغمبر اسلام صلعم سے اپنی شیفتگی اور والہانہ محبت کا اظہار کیا ہے۔ آپ کی نعتوں میں داخلیت کا وفور ہے۔ موصوف کو اس بات کا شدید احساس ہے کہ وہ نبی صلعم سے گہری محبت اور آپ سے سچی پیروی کی وجہ سے

---

[1] ۔ اذان بتکدہ ۔ صفحات ۴۲ و ۴۳

سب کے دلوں میں متمکن ہیں۔

وہ یہ کہتے ہیں کہ ہیں ساری ادائیں تجھ میں — دی جگہ اپنے دلوں میں سبھی نے مجھ کو

شاعر کو مداح نبی ہونے پر ناز اور بجا طور پر فخر و افتخار ہے:

کیوں نہ ہو فخر یہ توقیر ہے کیا کم ہمدم — بخش دی نعت کی جاگیر نبی نے مجھ کو

ان کی تمنا ہے کہ موت آئے تو لبوں پر ذکر نبی ہو، اور اگر نبی صلعم

مدینہ بلالیں تو خوبی قسمت قابل رشک ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

شوق پابوس لئے چل تو مدینہ مجھ کو — نہ ہے قسمت کہ بلایا ہے نبی نے مجھ کو

واپسیں دم ہے مجھے ذکر نبی کرنے دو — دوستو! موت کے آتے ہیں پسینے مجھ کو

ہو برادر دنترا تو بھی دغا دیتا ہے — ہائے مایوس کیا تیری کمی نے مجھ کو

مہر بر کھو دیال کی وہ نعت جو ترکیب بند کی شکل میں ہے، خاصی وقعت

کی چیز ہے۔ اس نعت میں ۱۳ بند ہیں۔ ہر بند میں دو اشعار کے بعد ایک ٹیپ

کا مصرع آتا ہے۔ ٹیپ کے تمام مصرعوں میں "کے سوا" ردیف اور "حضرت"

"رسالت" "صورت" وغیر قوافی ہیں۔ پوری نعت میں وصفی پیرایۂ اظہار کا

غلبہ ہے۔ نعت کا صرف ایک بند ملاحظہ ہو:

مطلع احمد لا کر جگمگا دے خلق کو — عارض روشن دکھا کر جگمگا دے خلق کو

نور وحدت کی ضیا سے جگمگا دے خلق کو — کفر کی ظلمت مٹا کر جگمگا دے خلق کو

یہ ضیا کس میں تھی خورشید رسالت کے سوا

پنڈت گنیشی لال صاحب تسنہ دہلوی کی شخصیت غیر مسلم نعت گویوں

میں اس لئے لائق ذکر ہے، کیونکہ انھوں نے صلعم کی نعت میں تلمیحاتی انداز

بیان کو خاص اہمیت دی ہے اور ایک ایک تلمیح سے پورے پورے واقعہ

کے استحضار کا کام لیا ہے۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ واقعات بیان سے ان

اوصاف کا استخراج کیا گیا ہے۔ جو واقعات میں روح، خلاصہ اور حاصل کا

درجہ رکھتے ہیں ان کی نعتوں میں ہندوستانی عناصر نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

امت اور ہادیٔ امت کی تضادی کیفیات کا بیان بھی ان کی نعتوں میں ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ نعتیہ کاوشوں میں جاری و ساری اصلاحی اور مصلحانہ رنگ نے مقصدیت اور افادیت کے عنصر کو غالب کر دیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

بادۂ عصیاں سے کل ملکِ عرب مخمور تھا سوجھتا ان کو نہ تھا ہموار راہِ ارتقا
اس خدائے دو جہاں کا دیکھئے لطف و کرم ریت کے ذروں کو عالم میں کیا جلوہ نما
کاشفِ اسرارِ وحدت، اسرار مصطفیٰؐ آن کر تو نے عرب کا پار بیڑا کر دیا

ناز ہے اہلِ عرب کو ہی نہ تیری ذات پر حشر تک تجھ پر کریگا فخر سارا ایشیا

ختم تیری راہنمائی راہِ وحدت پر نہ تھی ہاں سیاست اور تمدن میں بھی تجھ کو دخل تھا
جنگ خندق اور پیکارِ احد سے ہے عیاں تیری جرأت اور دلیری اور ترا جود و عطا
آج تیری قوم پر افسوس آتا ہے مجھے فرقہ بندی نے جسے زنجیر در پا کر دیا
وہ زمانے کو نہ سمجھے اس کی کیا رفتار ہے سر زمیں سے اس کو اپنی کچھ نہیں الفت ذرا
جس کی ذاتِ پاک میں حبِ وطن کا جوش تھا اسکی امت سو رہی ہے ہائے اسکو کیا ہوا
تیرے قرآں نے پڑھائے حبِ قومی کا سبق دم سے تیری روح کے ہو پار بیڑا ہند کا
التجا امت سے تیری یہ دلِ خستہ کی ہے کام وہ ایسا کرے ہو ملک کا جس سے بھلا

پنڈت راگھویندر راؤ جذبؔ نظامی رائچور دکن میں وکالت کرتے تھے شعر و شاعری سے آپ کو گہرا ربط تھا۔ آپ نے مذہب سے وابستگی کی بنا پر منبعِ نعت کی مدح خوانی میں زبان قلم کو وا کیا۔ "محمدؐ" کی ردیف والی نعت کافی اچھی ہے اس نعت کا وصفی انداز خاصا وسیع ہے۔ اور بعض بعض اشعار شاعر کی قلبی عقیدت اور اس کے موروثی معتقدات کی غمازی کرتے ہیں۔ نمونے کے طور پر دو ایک شعر درج ذیل ہیں:

مکے سے مدینے سے ہی پہنچی سر افلاک — بوئے گل رخسارہ و گیسوئے محمدؐ
معراج میں سب چیزیں انھیں دیکھتی تھیں — پر حق کے سوا تھا نہ وہاں روئے محمدؐ

بابو روشن خاں نعیم ڈیرہ غازی خاں کے رہنے والے تھے آپ کی نعتیہ کاوشیں سوز دروں سے معمور ہیں۔ اور داخلیت کے حسین لطیف مرقع ہیں دو ایک شعر ملاحظہ ہوں:

اے شیخ تجھی کو ہے فردوس مبارک — کافی ہے مجھے گوشۂ گلزار مدینہ
بن جاؤں میں دیوانۂ سرکار مدینہ — لگ جائے الٰہی مجھے آزار مدینہ

پنڈت بشن نرائن عاصی بریلوی کی وہ نعت جو "محمدؐ" ردیف اور "ثناخواں" "احسان" "غلاماں" وغیرہ قوافی کی حامل ہے شاعر کے سوز دروں کی مظہر ہے۔ صرف تین اشعار ملاحظہ ہوں:

عاصی تپش مہر قیامت سے ڈریں کیوں — کافی ہے انھیں سایۂ دامان محمدؐ
رضواں بھی اشارے سے بتائیں گے کہ وہ ہے — ڈھونڈیں گے جو ہم حشر میں ایوان محمدؐ
بخشیں مجھے توفیق اگر نعت کی عاصی — بھولوں نہ کبھی عمر بھر احسان محمدؐ

ماسٹر مہادیو پرشاد سامی جبلپوری کو سرور کائنات سے مثالی محبت تھی۔ ۸ر فروری ۱۹۲۷ء مطابق ۶ر شعبان المعظم ۱۳۴۵ھ کو بوقت مغرب ایک روشن ستارہ ٹوٹا۔ ٹوٹے ہوئے ستارے نے حضور صلعم کا نام نامی "محمدؐ" کو صفحۂ فلک پر منکشف کیا اس نورانی منظر کو متعدد شعراء نے مختلف طریقوں سے اشعار کا سہارا لے کر بیان کیا ہے۔ اس سلسلہ کی کاوشوں میں سامی کی نعتیں کافی وقعت و اہمیت کی حامل ہیں۔ انھوں نے دو نظموں میں اس روح افزا منظر کا ذکر خیر کیا ہے۔ ایک نظم "جذبات سامی" کے عنوان سے ہے۔ جس میں (۴۲) ابیات ہیں۔ اور دوسری "سرور کائنات" کے عنوان سے جس میں (۳۶) اشعار ہیں۔ موصوف نے فارسی زبان میں بھی دو نعتیں آسمان پر اسم محمدؐ کے ظہور پر تحریر کی ہیں، جن میں سے ہر ایک میں پانچ پانچ اشعار ہیں۔

اس کے علاوہ فلک پر اسم محمدؐ کے ظہور سے متعلق دو نعتیہ رباعیاں بھی موصوف کے نعتیہ سرمایہ میں شامل ہیں۔

سامی کی متذکرہ بالا نعتوں میں سے پہلی نعت کی ترکیبی فضا قصیدہ سے متاثر ہے۔ شاعر نے اس نعت میں اولاً اسلام کی عالمگیر حیثیت اور اسلام و مسلمانوں کی ملکی سطوت و جبروت پر روشنی ڈالی ہے اور عصری احوال و کوائف کا جائزہ لیتے ہوئے سرزمین ہند کی زبانی منبع نعت سے التجا کرتے ہوئے کہا ہے:

روبرو حضرت کے عاجز ہوں میں قیل و قال سے
قوم کس ادبار کو پہونچی ہے کس اقبال سے

ملتِ اسلام کی الٹی ہوئی تقدیر ہے　　آپ کی امت کی پردیس میں توقیر ہے

اس تمہید کے بعد شاعر نے گریز کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ سرزمین ہند کی التجا سے عرش ذوالجلال جنبش میں آگیا۔ اور اللہ کے پیارے کا جی بھی غم سے نڈھال ہو گیا۔ آسمان پر آہ کا شعلہ ستارہ بن کر نمودار ہو گیا۔ اور اس طرح "نورِ جو پنہاں کا اثر آشکار ہو گیا" بعد کے اشعار میں شاعر نے آسمان پر اسم محمدؐ کے ظہور کی بابت نعتیہ اشعار قلم بند کئے ہیں۔ یہ اشعار اس لئے بھی اہم اور وقیع ہیں کیونکہ ان میں مقامی اور عصری رنگ بہت چوکھا ہے۔ اس سلسلے کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

نور تھا یہ آپ کا چمکا کہ قسمت ہند کی　　ہند کے مسلم کی عزت اور حرمت ہند کی
خانۂ تاریک مسلم میں اجالا ہو گیا　　ہند کا دنیا کے آگے بول بالا ہو گیا
یہ صدا ہاتف نے دی چمکا جو جلوہ آپکا　　ساکنانِ دہر سن لیں حکم والا آپ کا
اب ستایا جائیگا ہر گز نہ شیدا آپ کا　　اے مسلمانو رہے گا سر پہ سایہ آپ کا
تم کو کیا غم سر پہ جب خود نائب باری رہے　　رہنے دو گر دشمنوں کی لاکھ تیاری رہے

اس نعتیہ کاوش کا اختتام رباعیہ اشعار پر ہوا ہے۔

یا نبی ہر حال میں ہو لطف حامی آپ کا ... زینت گردن رہے طوق غلامی آپ کا

یہ شرف کافی ہے مجھ کو خادم خدام ہوں ... آپ کے بندوں کا آقا بندہ بے دام ہوں

دوسری نعت میں تارے کے ذریعہ اسم محمدؐ کے ظہور سے متعلق اشعار اس طور پر کہے گئے ہیں کہ نوری وصفی نعت کے ساتھ ساتھ پیغمبر اسلام کی نعت کا وصفی رنگ بھی کافی چوکھا اور خوشنما دکھائی پڑتا ہے۔ صرف دو تین اشعار ملاحظہ ہوں:

اللہ رے ضو جھپکتی ہے آنکھ آفتاب کی ... تارا ہے یا کوئی شرر شمع طور ہے

ہاں کیوں نہ ہو یہ نور ہے اس شاہ کا کہ جو ... محبوب حق ہے شافع یوم النشور ہے

سلطان دیں کہ جن کے غلاموں کے واسطے ... سب انتظام جنت و حور و قصور ہے

شاعر کے نزدیک یہ ظہور نور ہندوستان کے ساکنین کے لئے باعث فخر وانبساط ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:

ہو سامنے یہ جلوہ تو تسلیم ہے مجھے ... یہ ہند غم کدہ نہیں دارالسرور ہے

صائب کو مبتغ نعت سے اس قدر عقیدت ہے کہ وہ خلد کی آرزو بھی اس لئے کرتے ہیں کیونکہ خلد وصال یار کا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ نعت میں عجز کے مضمون کو نظم کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

ممکن ہے مدح کس سے پھر اس ذات
مدحت طراز جس کا خدائے غفور ہے

مدّاح نبی ہونے پر تعلّی کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

خادم کا بال بال گنہگار ہے تو ہو ... مدّاح ہے حضور کا اتنا ضرور ہے

محشر میں دیکھ لیں گے جنھیں اشتباہ ہو ... ساقی ہے اور جام شراب طہور ہے

عرش ملسیانی کا نام بالمکند اور تخلص عرش ہے۔ ادبی دنیا میں عرش

ملسیانی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ ۲۰ ستمبر ۱۹۰۸ء کو ولادت پذیر ہوئے اور بی۔کام کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔ آپ کی نعتیہ شاعری کافی وزنی ہے۔ نعتیہ کلام کا مجموعہ "آہنگ حجاز" کے نام سے ۱۹۵۵ء میں طبع ہو چکا ہے جس میں ۳۲ صفحات ہیں۔ اس مجموعہ میں دس نعتیہ غزلیں شامل ہیں جو شاعر کے خلوص کا نتیجہ ہیں۔ درِ محبوب پر سجدہ ریزی کی تڑپ عرشؔ کی داخلی کیفیت کی عکاسی کرتی ہے۔ اس قبیل کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

درِ محبوب پر سجدہ اگر اک بار ہو جائے
دل پر آرزو سرچشمۂ انوار ہو جائے
تجلی عام ہو اور واردِ اسرار ہو جائے
جبینِ دل جو نقشِ آستانِ یار ہو جائے

مری کشتی ہے میں ہوں اور گرداب محبت ہے
جو وہ ہو ناخدا میرا تو بیڑا پار ہو جائے
جو وہ چاہے تو مجھ کو اک نظر سے زندگی بخشے
جو وہ چاہے تو بخت خفتہ پھر بیدار ہو جائے
ترے پینے کو مے آیا کرے گی عرش اعظم سے
مئے عشق محمد سے جو تو سرشار ہو جائے

عرشؔ نے اکثر نعتیں چھوٹی مترنم بحروں میں لکھی ہیں، جن میں روانی، کیف اور موسیقی، مضمون کی شگفتگی، الفاظ کا انتخاب، تراکیب کی دلکشی اور الفاظ کی صوتیت دیدنی ہے۔ ان کا کلام سلیس، رواں، بے ساختہ، اور جذب و کیف کا لطیف مرقع ہے۔ نعتوں میں وصفی اظہار کے ساتھ داخلی کیفیت کا دلکش امتزاج ہے جو کلام کی دیدہ زیبی میں چار چاند لگا دیتا ہے۔ عرشؔ کے متعلق مولانا عبدالماجد دریاآبادی کی درج ذیل رائے کافی باوزن اور باوقعت ہے۔

"مسلموں اور غیر مسلموں کو ملا کر جو مختصر فہرست منتخب

نعت گو شعراء کی تیار کی جائے گی۔ یقین ہے کہ نفق
سلیم اس میں بھی ایک جگہ ان کے لئے مخصوص رکھے گا۔
تحتی سطور میں چند اشعار متفرق نعتوں سے بطور نمونہ نقل کئے جاتے ہیں:

معطّر فضا، مست ساری خدائی — صبا مشک افشاں مدینہ سے آئی
غنیمت ہے قرب نبی کی یہ صورت — وگرنہ کہاں ہم ہیں تاب جدائی
یہ امی پیمبر کا جوش فصاحت — بشر کی یہ شان حقیقت نمائی
چل اے عرش ہو تو مدینہ کا عازم — نہیں راس دنیا کی ہنگامہ آرائی[۲]

رخ مصطفےٰ کا جمال اللہ اللہ — زباں کا وہ حسن مقال اللہ اللہ
جہاں ذکر احمد سے لبریز مستی — سرور مئے وجد و حال اللہ اللہ
یہ نور ہدایت، یہ تفسیر وحدت — عمل سے بھی افضل خیال اللہ اللہ
اتر آئے خود عرش و کرسی سے جلوے — نبوت کا اوج کمال اللہ اللہ[۳]

حامل جلوۂ ازل پیکر نور ذات تو — شان پیمبری سے سرور کائنات تو
تیرے عمل کے درس سے گرم ہے خون ہر بشر — حسن نمود زندگی، رنگ رخ حیات تو
شان بشر کا منتہیٰ، خالق دہر کا حبیب — مرد خدا پرست کا آئینۂ حیات تو[۴]

لالہ لال چند فلک لاہوری ہندو مسلم اتحاد کے زبردست علمبردار تھے
اور ہر مذہب و ملت کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ نے منیخ

ا۔ دیباچہ آہنگ حجاز ۔ ص ۸
۲۔ آہنگ حجاز ۔ صفحات ۱۹، ۲۰
۳۔ آہنگ حجاز ۔ صفحات ۱۳، ۱۴
۵۔ آہنگ حجاز ۔ صفحات ۹، ۱۰

نعت کی شان اقدس میں بھی اپنے قلم شعر کو استعمال کیا ہے۔ آپ کی نعتیہ کاوشوں میں تاریخی رنگ غالب ہے۔ چند رشحاتِ فکر تبرکاً درج کئے جاتے ہیں۔

نغمۂ وحدتِ حق دہر میں گایا تو نے
کملی والے یہ عجب گیت سنایا تو نے
پڑ گئے ماند سبھی شرک و خودی کے اختر
مہر توحید کا جلوہ جو دکھایا تو نے
باہمی نفرت و کینہ تھا وتیرہ جن کا
انس و الفت کا سبق ان کو پڑھایا تو نے

کر دیا ایک شہنشاہ و گدا کا رتبہ
اونچ اور نیچ کا سب فرق مٹایا تو نے
خوابِ غفلت میں پڑے سوتے تھے مکی مدنی
لب اعجاز سے قم کہہ کے اٹھایا تو نے
آ گئے حلقۂ اسلام میں انصار و یہود
جا کے آسن جو مدینہ میں جمایا تو نے
ریت کے ذروں کو بارود کی طاقت بخشی
کار ناچیز کو اکسیر بنایا تو نے

پنڈت ہری چند اختر ۱۵ اپریل ۱۹۰۱ء کو صاحبہ ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے ۱۹۱۶ء میں بعمر ۱۵ سال شاعری کے شوق نے سر اٹھایا اور حضرت علامہ حفیظ جالندھری سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ ان کی دو نعتیں "ایک عرب" اور "سبز گنبد" کافی لطیف ہیں۔ یہ نعتیں شاعر کے عشق رسولؐ اور دینی معلومات کے معتدبہ ذخیرہ پر شاعر کی لیاقتی دسترس کو ظاہر کرتی ہیں۔ ان نعتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اختر کو پیغمبر اسلام سے مخلص شیفتگی اور گہری عقیدت تھی۔ موصوف نے ایک نعت میں منبع نعت سے گہری عقیدت کی بنا پر اپنے اور زاہد کے فرق کو واضح کرتے ہوئے زاہد کو طالب جنت اور اپنے کو طالب دیدار رسولؐ کہا ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔

کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا درِّ یتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا
کہہ دیا لاتقنطوا اختر کسی نے کان میں
اور دل کو سر بسر محو تمنا کر دیا

سات پردوں میں چھپا بیٹھا تھا حسنِ کائنات + اب کسی نے اسکو عالم آشکارا کر دیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیّا کر دیا　　　اک عرب نے آدمی کو بول بالا کر دیا

وسعتِ مشرب سے ہیں اک مخزنِ اسرار ہم　　　کفر ہم، اسلام ہم، تسبیح ہم زنار ہم
ہم مکیں کی جستجو میں، وہ مکاں کے پھیر میں　　　طالب جنت ہے زاہد طالب دیدار ہم
قبر میں یا اترے گا جا کر اپنی غفلت کا خمار　　　یعنی خواب مرگ ہی سے ہوں تو ہوں بیدار ہم
سبز گنبد کے اشارے کھینچ لائے ہیں ہمیں　　　لیجئے دربار میں حاضر ہیں اے سرکار ہم
یا الٰہی کس طرف کو ہے مرا عزمِ سفر　　　خضر کہتے ہیں کہ ساتھ آئیں ذرا سرکار ہم
نام پاک احمد مرسل سے ہم کو پیار ہے　　　اس لئے لکھتے ہیں اختر نعت میں اشعار ہم

بوا رانی صاحبہ کی نعتیں ان کے سوز دروں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان میں داخلیت کی کارفرمائی لائق توجہ ہے۔ ایک چھوٹی سی نعت درج ذیل ہے:

میں کس لئے ہوں زیست سے بیزار ہو گئی　　　میری حیات کس لئے دشوار ہو گئی
فرقت نے کس کی ہے مجھے مجنوں کر دیا　　　میں کس کی جان و دل سے خریدار ہو گئی
کافور ہو گئی ہے مرے دل کی تیرگی　　　شکر خدا کہ خواب سے بیدار ہو گئی
اخلاق احمدی نے ہے حیران کیا مجھے　　　بی۔ ڈی غلام احمد مختار ہو گئی

جناب بابو شمبھو دیال دانش نے "اخلاق محمدی" کے نام سے ایک جاندار نعت لکھی ہے، جس میں ایک تاریخی واقعہ کو نظم کر کے اس کے ذریعہ اخلاق محمدی کو منکشف کیا گیا ہے۔ اس نعت میں ایک خاص بات یہ ہے کہ شاعر نے تاریخی واقعہ کو نظم کرنے میں کہیں بھی شعریت کا خون نہیں کیا۔ اس نعت میں منظوم واقعہ مجملاً اس طرح ہے کہ ایک دن آنحضرت صلعم ایک جھاڑی کے نیچے سو رہے تھے کہ ایک دشمن نے تلوار کھینچ کر آپ سے کہا:

کون اب تجھ کو بچانے آئے گا　　　لے بتا وہ ہے محافظ کون سا

جب آپ نے فرمایا "میرا حامی ہے وہ رب العالمین" تو اس کے ہاتھ سے تلوار

گر گئی، تب آپ نے تلوار ہاتھ میں لیکر اس سے پوچھا کہ اب تجھ کو کون بچائے گا؟ اور پھر آپ نے اس کو معاف فرما دیا۔ دانش نے اس واقعہ کو ۲۵ اشعار میں نظم کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

پھینک کر تلوار فرمایا یہ لے — اور کہہ اپنے دل پُر درد سے
تجھ کو بھی ہے اب اسی کا آسرا — اب وہی میری مدد کو آئے گا
بن رہا تھا جو ابھی تیری سپر — تھا بھروسہ تجھ کو جسکی ذات پر
اس نے جب دیکھی یہ عالی ہمتی — اور یہ تقریر آنحضرت سنی
ہو گئی اس کی تو کچھ حالت ہی اور — ہو گئی اس کی تو کیفیت ہی اور
کیا کہوں کیا اس کا حال زار تھا — رو رہا تھا ان کے قدموں پر پڑا

درگا سہائے سرور جہان آبادی[1]

سرور ایک معزز سکسینہ کائستھ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ وہ دسمبر سنہ ۱۸۷۳ء میں قصبہ جہان آباد ضلع پیلی بھیت میں پیدا ہوئے۔ پہلے وحشت تخلص کرتے تھے بعد میں سرور ہو گئے۔ ان کو مذہب سے لگاؤ تھا۔ ان کے سرمایۂ شعری میں متعدد مذہبی نظمیں ملتی ہیں۔ وہ ایک فراخ دل اور وسیع مشرب انسان تھے۔ ان کے نعتیہ سرمایہ میں عقیدت اور شیفتگی کا عنصر حاوی ہے۔ ان کو کفر و اسلام سے کوئی غرض نہیں تھی۔ مذہب حق اور صداقت کا دوسرا نام ہے۔ اور جب شاعر کو اس سچائی کا عرفان حاصل ہو جاتا ہے تو اس کی نظر میں وسعت، فکر میں تعمق اور اس کے اسلوب میں اعتدال و توازن آجاتا ہے۔ سرور کی نعتیہ شاعری

---

[1] ۔ اردو شاعری کے ارتقاء میں ہندو شعرا کا حصہ۔
گنپت سہائے سریواستو صفحہ ۔ ۲۳۱

پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر حکم چند نیّر یوں رقم طراز ہیں:

"مذہب زندگی کے خارزار بیابان کو طے کرنے کا ایک راستہ ہے اور تمام راستوں کا نقطۂ اتصال ایک ہی ہے۔ اگر ہمارا مقصد منزل تک پہونچنا ہے۔ تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہم کس راستہ پر چل کر منزل مقصود تک پہونچتے ہیں۔ سرور نے اس رباعی میں اس کو نہایت سادہ اور دلکش الفاظ و انداز میں بیان کیا ہے"۔ ۱

بت خانے جدا ہیں خانقاہیں جدا | اسباب پرست کی نگاہیں ہیں جدا
جھگڑا ترے شیخ و برہمن ہیں دونوں | منزل وہی ایک ہے یہ راہیں ہیں جدا ۵

سرور کی نعتوں میں داخلیت اور خارجیت دونوں کی کامیاب کار فرمائی نظر آتی ہے۔ سرور نے بیان یزدانی کی ایک غزل پر تضمین کہی ہے جس کے ہر بند سے شاعر کا خلوص اور پیغمبر اسلام سے اس کی عقیدت جھلکتی ہے۔ تضمین مثمن کی مخمس ہیئت میں ہے۔ اس نعتیہ نظم کے حسب ذیل بند میں منبع نعت سے شاعر کی عقیدت و محبت کی گہرائی ملاحظہ ہو:

دل بیتاب کو سینے سے لگالے آجا | کہ سنبھلتا نہیں کم بخت سنبھالے آجا
پاؤں ہیں طول شب غم نے نکالے آجا | خواب میں زلف کو مکھڑے سے ہٹالے آجا
بے نقاب آج تو گیسوؤں والے آجا

سرور اسلامی معتقدات سے بخوبی واقف تھے۔ حضور صلعم کے سایہ نہ ہونے کا مضمون تقریباً ہر بڑے شاعر نے نظم کیا ہے سرور نے اس مضمون کو

۱۔ سرور جہاں آبادی حیات اور شاعری: ڈاکٹر حکم چند نیّر ص ۱۳۱ نیشنل آرٹ پرنٹرز الہ آباد۔

نظم کرتے وقت بداعت اظہار کو مدنظر رکھا ہے۔ اور توجہ طلب شادابی اور شگفتگی سے مضمون میں جدت پیدا کی ہے:

نہیں خورشید کو ملتا ترے سائے کا پتہ — کہ بنا نور ازل سے ہے سراپا تیرا

"لولاک لما خلقت الافلاک" کے فرسودہ مضمون سے متعلق مصرع پر سرور کی تضمین ملاحظہ ہو۔ بیان کی جدت اور خیال کی ندرت و بداعت نے فرسودگی کو تازگی میں بدل دیا ہے۔

بھینی گل توحید کی نکہت ہے عیاں — واہ کیا رنگ ہم آہنگی صحبت ہے عیاں
ابر رحمت ہے یہاں بوئے محبت ہے یہاں — رنگ وحدت ہے یہاں غنچۂ خلوت ہے یہاں
اے گلِ گلشن لولاک لما لے آجا

مندرجہ ذیل بند میں نعت کے لئے "خضر بیابان صراط" کی ترکیب لائق توجہ ہے:

پاسلے وا ماندگی وسعتِ ایام صراط — المدد المدد اے خضر بیابان صراط
ہر قدم پر نگہ یاس ہے یاران صراط — دیکھتے ہیں تجھے پھر پھر کے ضعیفان صراط
ڈگمگاتے ہیں قدم کون سنبھالے آجا

دھرم پال گپتا وفا دہلوی نے نبی آخر الزماں کے ان اقوال و ارشادات کو اپنی شعری کاوش کا مطمح بنایا ہے، جن کا تعلق عام انسانی برادری کی بہبودی سے ہے۔ وفا کا اسلامی تاریخ اور احادیث نبویہ کا مطالعہ کافی گہرا ہے۔ حضور صلعم تمام عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے آیت قرآنی ہے۔ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین [1] (نہیں بھیجا ہم نے تم کو مگر رحمت واسطے سب عالموں کے یعنی ہم نے آپ کو تمام عالموں کے لئے

---

[1] ۔ القرآن الحکیم پارہ ۱۷ سورہ الانبیاء رکوع ۷۔

رحمت بنا کر ارسال کیا ہے) رسول اکرم صلعم نے نسلی تفاخر اور قبائلی امتیازات کے استیصال اور غلامی کے انسداد کا درس دیتے ہوئے فرمایا تھا "لا فضل العربی علی العجمی ولا العجمی علی عربی ولا لا بیض علی اسود و لا لا سود علی ابیض"[۱] (کسی عربی کو غیر عربی پر اور کسی غیر عربی کو عربی پر اور کسی سفید رنگ والے کو کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی تفوق یا برتری حاصل نہیں ہے۔) "متی استعبدتم الناس وقد ولدت امہاتہم احراراً"[۲] (تم نے لوگوں کو غلام بنانا کب سے شروع کیا۔ حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا تھا۔) ایک دوسری حدیث ہے "الناس کاسنان المشط"[۳] (لوگ کنگھی کے دانتوں کی طرح آپس میں برابر ہیں۔) ایک دوسرے مقام پر آپ نے ارشاد فرمایا "الناس کلہم اخوۃ" (سب لوگ آپس میں بھائی بھائی ہیں) ان قرآنی و احادیثی حوالہ جات کی روشنی میں وفا ملوی کے حسب ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے اور تلمیحات کے لطیف استعمال کی داد دیجیے:

سکھایا اہل عرب کو برابری کا درس — کہ امتیاز کا قصہ تمام ہو جائے
سیاسیات سے مذہب ملا دیا تو نے — کہ دین و دنیا کا سب انتظام ہو جائے
تیرے خیال میں یہ سخت نامناسب تھا — بشر کوئی بھی بشر کا غلام ہو جائے

رانا بھگوان داس رانا اردو کی نعتیہ شاعری میں اپنے سلام کی وجہ سے کافی مشہور ہیں۔ سلام کہنا ایک دشوار امر ہے۔ اس میں موضوع سے متعلق وسیع معلومات کے علاوہ صنفی اور ہیئتی حذاقت بھی درکار ہے رانا کے سلام کو پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ وہ اس دشوار گذار بحر کے ایک ماہر شناور ہیں سلام میں مرکبات اضافی کا استعمال قابل توجہ ہے۔ متتابع اضافات مخل فصاحت

---

[۱] - زاد المعاد جلد ۲ مصنفہ علامہ ابن القیم ص ۱۸۵ - [۲] رحمت اللعالمین جلد دوم ص ۲۰
[۳] - المجتنیٰ - امام اللغۃ والادب ابو بکر محمد بن حسن بصری ص ۲۴

ہونے کے بجائے فصاحت کے حسن میں اضافہ کا موجب ہے یہاں اضافات کی کثرت باعث ثقل تلفظ نہیں ہے بلکہ سبب لطافت و ملاحت ہو گئی ہے۔

ایک سلام کے درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

السلام اے شمع انوار جہاں — السلام آئینہ دار کن فکاں
السلام اے سید کون و مکاں — السلام اے واقف سرِّ نہاں
السلام اے خواجۂ پیغمبراں — السلام اے مظہر رب جہاں
السلام اے مالک ہر دو جہاں — السلام اے وجہ تخلیق زماں
السلام اے تاجدار مرسلاں — السلام اے رازدار کن فکاں
السلام اے محسن نوعِ بشر — السلام اے نکتۂ حسن جہاں
السلام اے جانِ بھگوان السلام
السلام اے سجدہ گاہ عاشقاں

راجندر بہادر موج فتح گڈھی

۔ غیر مسلم شعرائے نعت میں راجندر بہادر موج کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ نعت کے موضوعات سے آپ کی واقفیت کافی گہری تھی۔ آپ اپنی نعتیہ کاوش میں نبی اکرم صلعم کے کسی نہ کسی واقعہ، کسی نہ کسی تعلق یا کسی نہ کسی عمل کی طرف لطیف اشارے کرتے ہیں۔ اس طور پر آپ کے یہاں تلمیحات کا بکثرت استعمال ہے۔ ذیل میں نمونہ کے طور پر درج کیے گئے اشعار میں آیت کریمہ "واللہ یعصمک من الناس"[1] (اور اللہ لوگوں سے آپ کی حفاظت کرتا ہے۔) واقعۂ معراج اور واقعۂ ہجرت کے حسین اشارے ملاحظہ ہوں:

محمدؐ کے آگے کوئی کیا ٹھہرتا — خدا خود رہا نگہباں محمدؐ

---

[1] ۔ پارہ ۶ سورہ مائدہ ۔ آیت ۶۷

تھا معراج کا ایک جملہ وگرنہ — خدا کو بڑھانا تھی شانِ محمد ﷺ
مدینے کی ہجرت، حریفوں کی حرکت — حقیقت میں تھا امتحانِ محمد ﷺ

رگھوناتھ خطیبؔ سرحدی۔ آپ منبع نور کی ذات کے متعلقات و منسلکات سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ اور آپ کو پیغمبرِ اسلام سے کافی عقیدت تھی۔ آپ کی نعتوں میں عقیدت و محبت کا ایک دریا بہتا ہوا نظر آتا ہے۔ خطیبؔ کا خلوص ان کے اندازِ بیاں سے عیاں ہے۔ چند اشعار نمونہ کے طور پر درج ذیل ہیں:

ندا دم بہ دم آمد از عرشِ اعظم — سلام علیکم نبی مکرّم
غلامانِ حضرت کو کیا تشنہ کامی — وہاں جامِ کوثر یہاں چاہِ زمزم
کلیم و حبیبِ خدا اللہ اللہ — وہاں طورِ سینا یہاں عرشِ اعظم

محبت ہی لائی ہے اس در پہ ورنہ
رگھوناتھ اور وصفِ شاہِ دو عالم

پرشاد بسملؔ الٰہ آبادی نے اپنی نعتیہ نگارشات میں معجزاتِ نبوی کو بڑی چابکدستی سے نظم کیا ہے۔ اور وصف میں نعت میں قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ سے کافی فیض اٹھایا ہے۔ کہیں کہیں پر شاعر کا وفورِ شوق اور اس کا والہانہ اندازِ قاری و سامع کے لئے روحانی غذا کا کام کرتا ہے۔ آیتِ کریمہ "وانشق القمر"[۱] اور حدیثِ قدسی "لولاک لما خلقت الافلاک"[۲]

۱۔ القرآن الکریم۔ پارہ ۲۷، سورہ القمر۔ آیت ۱۔
۲۔ منتخب الانتخاب اسم تاریخی الکلام المبین فی آیات رحمۃ للعلمین مصنفہ مولانا مفتی محمد عنایت احمد صفحہ ۳۔ بر حاشیہ نمبر ۲

کے استعمال نے کلام میں برجستگی پیدا کر دی ہے۔ تبرکاً دو چار اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

فرشتے بھی بشر بھی دونوں انپر فخر کرتے ہیں
زمیں سے عرش اعظم تک رسائی ہے محمد صلعم کی

جو یہ پیدا نہ ہوتے تو نہ ہوتا کوئی بھی پیدا
خدا کی شان ہے گویا خدائی ہے محمد صلعم کی

ہوئے اک چاند کے دو ٹکڑے انگلی کے اشارے سے
منور کتنی یہ معجز نمائی ہے محمد صلعم کی

ہوائے شوق اڑا کر جلد پہنچا دے مدینہ میں
بڑی تکلیف دہ مجھ کو جدائی ہے محمد صلعم کی

سوم ناتھ سوم مورندی

سوم ناتھ سوم مورندی کی شخصیت نعت گو شعراء کے درمیان اس لئے لائق ذکر ہے کیونکہ کلام الٰہی اور کلام نبوی کی اہمیت اور ان کے درمیانی فرق کی جتنی آگاہی سوم مورندی کو ہے اتنی کم اردو کے شعرائے نعت کے حصہ میں آئی ہے۔ نبی کریم صلعم کی ذات والاصفات اور آپ کی احادیث مقدسہ کلام الٰہی کی تفاسیر و تشریحات ہیں۔ اس مضمون کو نظم کرتے ہوئے مورندی کہتے ہیں:

ہے قرآں سے جو قریب تر ہے حدیث بس وہی معتبر
جو کلام حق کا ہو آئینہ وہی اعتبار کی بات ہے

قرآن کریم میں خداوند قدوس نے نبی اقدس صلعم کی بابت فرمایا ہے:
"وما ینطق عن الھویٰ ٥ ان ھو الا وحی یوحیٰ"[1]

---

[1] پارہ ۲۷، سورہ النجم، آیت ۳ و ۴

(اور نہیں بولتے اپنے نفس کی خواہش سے، یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا یعنی آپ اپنی خواہش سے نہیں بولتے، آپ جو بھی بولتے ہیں وہ وحی ہی ہوتی ہے)

اس لئے کلام الٰہی اور کلام نبوی میں تضاد نہیں ہو سکتا اگر دونوں میں تطبیق کی کوئی صورت نہیں ہے۔ تو اس کا صریح مطلب یہ ہے کہ حدیث موضوع ہے۔ فقہائے اصولِ فقہ کو چار کی تعداد میں محصور کرنے کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ اس مستدل یا وحی سے متمسک ہوگا یا غیر وحی سے، اگر مبنیٔ مستدل وحی ہو، تو وہ متلو ہوگی یا غیر متلو۔ اگر وحی متلو ہو، تو اسے کتاب اللہ اور غیر متلو ہو، تو اسے سنت رسول اللہ کہتے ہیں اور اگر غیر وحی سے استدلال کیا گیا ہے، تو وہ اگر کل کا قول ہے، تو اجماع امت ورنہ قیاس کہا جائیگا۔[1]

الفاظ کی شیرینی، نشست الفاظ کی نغمگی، جذبات کی طہارت، عشق کی وارفتگی، عقیدت کی پختگی اور پاس ادب میں احتیاط، ہوشمندی اور فرزانگی نے سوم مونڈری کی نعتیہ کاوشات کو کافی جاندار بنا دیا ہے۔ نمونہ کے طور پر دو چار اشعار ملاحظہ ہوں:

ہے جو کائنات میں شاہکار اسی شاہکار کی بات ہے
جو قیام گاہ رسول ہے، یہ اسی دیار کی بات ہے

میرے اشک غم کی فراکتیں، تو سمجھ کبھی میرے ناصحا
جو مری نگاہ سے دور ہے یہ اسی بہار کی بات ہے

یہ جسارتِ نگہ طلب کہ ہے چھیڑ پردۂ حسن سے
کچھ ادب کا پاس بھی ہے ادب یہ جمالِ یار کی بات ہے

جسے ربط صبح ازل سے ہے وہ سحر بھی دیکھیں گے آنکھ سے
ذرا دم تو لے دل مبتلا فقط انتظار کی بات ہے

---

[1] نور الانوار ص ۶،

تسوم مورندی کو اس بات کا احساس ہے کہ نعت توفیق ایزدی اور عقیدت کی شیفتگی کے بغیر نہیں کہی جا سکتی۔

یہ اثر اسی کا ہے یا بنی جو عقیدت اسکو ہے آپ سے
بھلا نعت کہنا بھی تسوم کے کہیں اختیار کی بات ہے

برجموہن وتاتریہ کیفی

کی نعتیں صاف سادہ اور سلیس ہیں انھوں نے اپنی نعتوں میں فرسودہ مضامین نظم کئے ہیں ان کی نعتوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو اسلامی تاریخ سے اچھی خاصی واقفیت حاصل تھی۔ ان کی نعتوں میں رسمی عناصر کی کثرت ہے لیکن کہیں کہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انکے نعتیہ اشعار کاوش و محنت کے نتائج بلکہ دل کی آواز ہیں ذیل میں ان کی ایک مختصر نعت نمونہ کے طور پر درج کی جارہی ہے۔ اس نعت کا عنوان "لولاک لما" ہے ملاحظہ ہو:

ہو شوق نہ کیوں نعت رسولؐ دوسرا کا
مضمون ہو عیاں دل میں جو لولاک لما کا

پہنچا ہے کس اوج سعادت پہ جہاں کو
پھر رتبہ ہو کم عرش سے کیوں غار حرا کا

دے علم و یقین کو مرے رفعت شہ عالم
نام اونچا ہے جس طرح مرا اور صفا کا (کذا)

پیدا روشنی ایمان کی دے دل میں کہ جس سے
بطحہ ہوا جلوہ فگن نور خدا کا

ہے حامی و مداح مرا شافع محشر
کیفی مجھے اب خوف کیا ہے روز جزا کا

فراق گورکھپوری

آپ کا نام رگھوپتی سہائے اور تخلص فراق ہے۔ آپ کی ولادت بمقام گورکھپور ۱۸۹۶ء میں ہوئی۔ آپ کے والد منشی گورکھ پرشاد اچھے وکیل تھے۔ شاعری بھی کرتے تھے اور عبرت تخلص کرتے تھے آپ کی تعلیم کا آغاز اردو سے ہوا۔ سات سال کی عمر میں انگریزی تعلیم کے لئے اسکول بھیجے گئے۔ آپ بہت ذہین اور طباع تھے ہر درجہ میں نمایاں طور پر

کامیاب ہو کر بی اے کا امتحان میور سنٹرل کالج الہ آباد سے امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔ گورمنٹ نے ڈپٹی کلکٹری کے لئے منتخب کیا، لیکن آپ کانگریس میں شریک ہو کر جیل چلے گئے۔ ۱۹۲۷ء میں جیل سے رہا ہو کر اولاً کرسچین کالج لکھنؤ میں ملازم ہو گئے بعد میں سناتن دھرم کالج کانپور نے اردو پڑھانے کے لیے بلایا۔ اسی درمیان آپ نے ۱۹۳۰ء میں انگریزی میں ایم، اے آگرہ یونیورسٹی سے کر لیا۔ اور الہ آباد یونیورسٹی میں انگریزی کے لکچرر مقرر ہو گئے۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۵۸ء کو ملازمت سے ریٹائر ہو کر الہ آباد ہی میں ریٹائرڈ لائف گزارنے لگے۔ آپ ۳ مارچ ۱۹۸۲ء کو بمقام دہلی فوت ہو گئے۔

فراق ابتدا امیر مینائی، عزیز اور صفی سے متاثر ہوئے لیکن وہ جلد ہی اپنی راہ الگ بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ آپ کی شاعری میں الفاظ کا انتخاب فقروں کی برجستگی اور مضمون و اظہار مضمون کی ہم آہنگی کو خاص مقام حاصل ہے۔

آپ کا نعتیہ سرمایہ بہت کم ہے۔ لیکن آپ نے جو کچھ اور جتنا کچھ کہا ہے، بہ ندرت بیان اور توانائی فکر کی وجہ سے اہم اور وقیع ہے۔ آپ کی درج ذیل رباعی اردو کی نعتیہ شاعری میں مقام دلانے کے لئے کافی ہے۔ موصوف نے معرض بحث رباعی میں حضور صلعم کے رحمت اللعالمین ہونے کو ہدف موضوع بنایا ہے۔ مضمون عام ہے، لیکن اظہار بیان کی بداعت نے مضمون کی کہنگی اور فرسودگی کو ختم کر کے اس میں شادابی اور رعنائی پیدا کر دی ہے۔

محولہ بالا نعتیہ رباعی ملاحظہ ہو:

انوار بے شمار معدود نہیں   رحمت کی شاہ راہ مسدود نہیں
معلوم ہے کچھ تم کو محمدؐ کا مقام   وہ امت اسلام میں محدود نہیں

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

اردو ادب کی ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں آپ کی شاعری میں جدت و ندرت کی کارفرمائی ہے یہی جدت و ندرت کی بداعت ان کی نعتوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ "سرور لولاک" کے تصور سے دو جہاں کی وسعتیں سمٹ کر تخیل میں آجاتی ہے۔ دل میں نبی صلعم کے خیال کے جاگزیں ہونے پر سینہ اور دل کی کیفیت دگرگوں ہو جاتی ہے مدینہ پہنچ جانا ۔ وہاں پہنچ کر پھر واپس نہ آسکنا بیمار غم عشق نبی کا مدعا ہے۔ پروانہ شعاعوں سے شمع تک پہنچتا ہے۔ اور شیدائے عشق رسول پیغمبر اسلام سے خدا تک رسائی حاصل کرتا ہے سحر کی نعتیہ کاوش میں فکر آمیز عناصر کی کارفرمائی ہے۔ ان کا مطالعہ وسیع اور ان کی قوت استفاضہ پُراثر ہے۔ ایک نعتیہ کاوش سے صرف متعلقہ اشعار بغرض ملاحظہ ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:

یہ سینہ اور یہ دل دوسرا معلوم ہوتا ہے
کوئی پردوں میں دل کے آچھپا معلوم ہوتا ہے
مدینہ تک پہنچ جائے، پہنچ جائے تو رہ جائے
یہی بیمار غم کا مدعا معلوم ہوتا ہے
رسائی شمع تک کرتا ہے پروانہ شعاعوں سے
خدا کے نور سے یعنی خدا معلوم ہوتا ہے
سمٹ کر دو جہاں کی وسعتیں آئیں تخیل میں
تصور "سرور لولاک" کا معلوم ہوتا ہے

اقبالیات کے ماہر **جگن ناتھ آزاد** کی ولادت پنجاب میں دریائے

سندھ کے پار عیسیٰ خیل میں ہوئی آپ کا سن ولادت ۱۹۱۸ء اور ولادت ۵ دسمبر ہے۔ باپ کا نام تر لوک چند محروم تھے جو کہ عیسیٰ خیل اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ جگن ناتھ نے آٹھویں کا امتحان کلور کوٹ سے دسویں کا امتحان "میانوالی" سے۔ بی اے کا امتحان راولپنڈی سے اور ایم کا امتحان لاہور سے پاس کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد "دفاعی تحریک" کے فعال رکن ہو گئے۔ اس تحریک کے خاتمہ پر ایک کانگریسی اخبار "جئے ہند" میں کام شروع کر دیا۔ یہ سلسلہ تقسیم ہند سے ٹوٹ گیا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ترک وطن کر کے دلی میں سرکاری رسالہ "آج کل" میں نائب مدیر بن گئے۔ اخبار مذکورہ سے وابستگی منقطع ہو جانے کے بعد انفارمیشن آفیسر ہو گئے۔ آج کل جموں یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں صدر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

جگن ناتھ آزاد کو شعر و شاعری سے فطری وابستگی تھی۔ آپ کے والد اچھے شاعر تھے۔ اور محروم تخلص رکھتے تھے آزاد کو بچپن ہی سے شعر و سخن سے شغف تھا۔ آہستہ آہستہ ان کی شاعری نے ترقی کی اور تھوڑے ہی دنوں میں ان کا شمار اردو کے اچھے شاعروں میں ہونے لگا۔ آپ نے جملہ مروجہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔ آپ نے غزل اور رباعی کے میدان میں کافی شہرت حاصل کی لیکن آپ نے نظموں میں اپنی طبیعت کے جوہر زیادہ دکھائے۔

آزاد شاعری میں اقبال اور جوش سے متاثر ہیں، لیکن انھوں نے اپنی شاعری کو عارج انفرادیت سے دور رکھا ہے۔ اقبال اور جوش سے فیض ضرور اٹھایا ہے، لیکن اپنی شخصی انفرادیت کو کہیں بھی مجروح نہیں ہونے دیا ہے۔

آزاد نے بارگاہ رسالت میں کھلے عقیدت نعتیہ شاعری کی شکل میں پیش کئے ہیں۔ ان کی نعتوں میں رسمی عناصر نہیں کے برابر ہیں۔ انھوں نے بانی اسلام کے وصفی انداز بیان میں اصلاحی پیرایۂ اظہار کو ترجیح

دی ہے۔ وہ نعتیہ شاعری میں حالی اور اقبال کے زیادہ نزدیک نظر آتے ہیں۔ انکی نعتیہ شاعری پر حالات و واقعات کے نقوش گہرے دکھائی پڑتے ہیں۔ ان کے یہاں نعرہ بازی قطعی طور پر مفقود ہے، بلکہ ان کی نعتیہ کاوشات میں ضبط و اعتدال کا استیلا ہے، جس سے ان کی فکری سلامت، شعوری پختگی اور دقیقہ سنجی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں ہمہ گیری اور لہجے میں توانائی ہے۔ انکی شعری کاوشات میں مجموعی طور پر سپردگی و رنیدگی نمایاں طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔ ان کی نعتیہ کاوشات میں ان کا سلام جس کا عنوان "فخر دوراں" ہے کافی مشہور ہے یہ سلام کسی طرح مشاہیر سلام گو شعراء کی کاوشات کے مقابلہ میں دوسرے درجہ پر نہیں رکھا جاسکتا۔ شاعر نے اس سلام میں واقعہ اور حقیقت کا سہارا لے کر بانیٔ اسلام کی جامع و مانع نعت بیان کی ہے۔

ذیل میں آزاد کا مذکورہ بالا سلام رقم کیا جاتا ہے:

سلام اس ذات اقدس پر، سلام اس فخر دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر
سلام اس پر جو حامی بن کے آیا غم نصیبوں کا
رہا جو بیکسوں کا آسرا، مشفق غریبوں کا
مددگار و معاون بیکسوں کا زیر دستوں کا
ضعیفوں کا سہارا اور دشمن حق پرستوں کا
سلام اس پر جو آیا رحمتہ للعالمین بن کر
پیام دوست لے کر صادق الوعد و امیں بن کر
سلام اس پر کہ جس کے نور سے پرنور ہے دنیا
سلام اس پر کہ جس کے نطق سے مسحور ہے دنیا
سلام اس پر جلائی شمع عرفاں جس نے سینوں میں
کیا حق کے لئے بیتاب سجدوں کو جبینوں میں

سلام اس پر بنایا جس نے دیوانوں کو فرزانہ
مئے حکمت کا چھلکایا جہاں میں جس نے پیمانہ
بڑے چھوٹے میں جس نے اخوت کی بنا ڈالی
زمانہ سے تمیز بندہ و آقا مٹا ڈالی
سلام اس پر فقیری میں نہاں تھی جس کی سلطانی
رہی زیر قدم جس کے شکوہ و شان خاقانی
سلام اس پر جو ہے آسودہ زیر گنبد خضرا
زمانہ آج بھی ہے جس کے در پہ ناصیہ سا
سلام اس پر کہ جس نے ظلم سہہ کر دعائیں دیں
وہ جس نے کھائے پتھر گالیاں اس پر دعائیں دیں
سلام اس ذات اقدس پر حیات جاودانی کی
سلام آزاد کا آزاد کی رنگیں بیانی کا

کرشن بہاری نور

کرشن بہاری نور عصر حاضر کے شعرائے نعت میں ایک امتیازی حیثیت کے مالک ہیں۔ داخلی جذبات کی لطافت، حکیمانہ مضامین کے سہل اور عام فہم بیان، تشبیہات و استعارات کی روزمرہ کی زندگی سے وابستگی، زبان کی صفائی، شگفتگی، روانی اور سلاست، مدلل اسلوب بیان، بحور کی ترنم ریزی، جاندار الفاظ کے صحیح اور متناسب استعمال، تراکیب کے اتقان اور ان کی جاذبیت نے نور کے کلام کو پُراثر اور دلاویز بنا دیا ہے۔ رسول اکرم صلعم سے گہری وابستگی اور آپ کی محبت کا ہر قسم کی محبتوں پر حاوی ہونا جزو ایمان ہے۔ ان کا ذاتی عقیدہ ہے کہ دیدار نبیؐ کے شرف سے وہی مشرف ہوتا ہے جس کا دل ہر

عیب سے پاک ہو، آنحضرتؐ صلوٰۃ اسمانی کے فرائض تبھی انجام دیتا ہے، جب وہ مجلّٰی و مصفّٰی ہو۔ وہ بڑے عجز و اتفاق کے ساتھ کہتے ہیں کہ یاد نبی ہی بیمار کو شفا دینے کی خاصیت ہے۔ اس کو خواہ دعا کے نام سے موسوم کیا جائے یا دوا کے نام سے لیکن اس میں شفا کا اثر ان کے ذاتی تجربہ کی بنا پر حتمی طور پر ہے تبرکاً چند اشعار ہدیہ ناظرین ہیں۔

اُٹھتے ہیں نہ جاتے ہیں نبی، بستر پہ شکن پڑتی ہی نہیں
کٹ جاتی ہے جب معراج کی شب، عالم میں سویرا ہوتا ہے
وہ نور خدا کا ٹکڑا تھا، کس طرح بھلا ہوتا سایہ
مٹی سے بنایا جاتا ہے، جس جسم میں سایہ ہوتا ہے
ہر عیب سے دل گر پاک نہیں، دیدار نبی ناممکن ہے
ہو جاتا ہے جب دل آئینہ، آئینہ میں جلوہ ہوتا ہے
اک تجربہ ذاتی ہے مرا، اب اس کو دعا کہیے کہ دوا
جو یاد نبی کو کرتا ہے، بیمار وہ اچھا ہوتا ہے
وہ نور کی نظر ہی ہوتی ہے، گنبد سے جو ٹکرا جاتی ہے
مل جاتا ہے جو چوکھٹ سے تری، وہ نور کا سجدہ ہوتا ہے

چھٹا باب

مختلف اصنافِ سخن میں نعت گوئی

ڈاکٹر مسیح الزماں "اردو مرثیہ کا ارتقاء" میں لکھتے ہیں کہ :

" ہر ادبی کارنامے خصوصاً شاعری میں ہئیت کی اہمیت ہوتی ہے کہ وہ تجربہ کو سامنے لانے کا وسیلہ ہے۔ تخلیقی عمل میں الفاظ اور شکل اضافی اور آرائشی چیز نہیں سمجھے جا سکتے کیونکہ انھیں کے ذریعہ خیالات وجذبات ظاہر ہوتے ہیں اور عام تجربہ گہرائی اور معنویت حاصل کرتا ہے[1]"

صنف نعت کی اپنی کوئی ہئیت متعین نہیں ہے۔ نعت اصناف سخن کی تقسیم کے اعتبار سے وہ صنف شاعری ہے جس کا تعلق موضوع و مفہوم سے ہے۔ ہئیت یا ساخت کے اعتبار سے اسکی کوئی متعین شکل نہیں ہے۔ اس کا تعلق نبی اکرم کی ذات اقدس سے ہے۔ اس لئے ہر وہ شعری کاوش جس کا انسلاک پیغمبر اسلام سے ہو نعت کہلاتی ہے۔ یہ انسلاک آپ کی ذات آپ کی صفات، اور آپ کے اقوال، افعال، عادات، اطوار، استعمال معمولات، اور مقامات سے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ یہ شعری کاوش کسی بھی ہئیت میں ہو سکتی ہے۔ اسی لئے ہر دور کا نعتیہ ادب اس دور کی مروجہ اشکال و ہئیات میں ملتا ہے۔ اب تک اردو شاعری میں جتنی بھی شعری ہئیات

---

[1] ۔ اردو مرثیہ کا ارتقاء از ڈاکٹر مسیح الزماں ۔ ص ۴۴۵ ۔
نظامی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ ۔ پہلی اشاعت ۱۹۶۸ء ۔

ہیں۔ نعتیہ شاعری ان میں سے ہر ایک میں موجود ہے۔

(نعت مثنوی میں)

اردو شاعری کی ترویج دکن سے ہوئی اور اس کا قدیم اور اولین سرمایہ مثنوی کی شکل میں منتشر پڑا ہے[1]۔ مثنوی کا شمار بیانیہ شاعری میں ہوتا ہے۔ مثنوی عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا مادہ "ثنیٰ" ہے۔ مثنوی کے لغوی معنی "تثنیہ کیا گیا" یا "دو دو کی نسبت دیا گیا" ہیں۔ اور اصطلاحاً مثنوی اس نظم کو کہتے ہیں جس کے مختلف اشعار کے مختلف مصرع ہوتے ہیں لیکن شعر کے دونوں قافیے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ اور تمام اشعار کا وزن ایک ہوتا ہے۔ حالی نے مثنوی کو سب سے زیادہ مفید اور بکار آور صنفِ سخن بتلایا ہے اور لکھا ہے کہ:

"جتنی صنفیں فارسی اور اردو شاعری میں متداول ہیں۔ ان میں کوئی صنف مسلسل مضامین بیان کرنے کے قابل مثنوی سے بہتر نہیں ہے۔ یہی وہ صنف ہے جس کی وجہ سے فارسی شاعری کو عرب کی شاعری پر ترجیح دی جا سکتی ہے۔ عرب کی شاعری میں مثنوی کا رواج نہ ہونے یا نہ ہو سکنے کے سبب تاریخ یا قصہ یا اخلاق یا تصوف میں ظاہر ایک کتاب بھی ایسی نہیں لکھی جا سکی جیسی فارسی میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں لکھی گئی ہیں۔ اسی لئے عرب شاہنامہ کو قرآن عجم کہتے ہیں۔ اور اسی لئے مثنوی معنوی کی نسبت "ہست قرآں در زبان پہلوی" کہا گیا ہے[2]۔"

۱۔ اردو کی سب سے پہلی تصنیف شمالی ہند کے ملا داؤد کی تخلیق چنداین ہے۔ جو مثنوی کی ہیئت میں ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ "اردو شاعری میں نعت" جلد اول ص

۲۔ مقدمہ شعر و شاعری از مولانا الطاف حسین حالی ص۔ ۱۹۲/۱۹۳

علامہ شبلی نے مثنوی کی اہمیت و وسعت کو ان لفظوں میں ظاہر کیا ہے:

"انواع شاعری میں یہ صنف تمام انواع شاعری کی بہ نسبت زیادہ مفید، زیادہ وسیع، زیادہ ہمہ گیر ہے۔ شاعری کی جس قدر انواع ہیں سب اس میں نہایت خوبی سے ادا ہو سکتے ہیں۔ جذبات انسانی، مناظر قدرت، واقعہ نگاری، تخیل ان تمام چیزوں کے لئے مثنوی سے زیادہ کوئی میدان ہاتھ نہیں آسکتا۔"[۱]

امداد امام اثر کی رائے ہے کہ:

"مضامین کے اعتبار سے جو وسعت اس صنف شاعری کو حاصل ہے کسی اور صنف کو نہیں ہے۔ ہر طرح کے داخلی اور خارجی مضامین اس میں گنجائش پاتے ہیں"[۲]

حالی کے نزدیک مثنوی میں ربط کلام، مبالغہ مقبولہ، ناممکن اور مافوق العادت باتوں کا فقدان، کلام کا مقتضائے حال کے موافق ایراد، شخص، چیز یا مکان وغیرہ کی تبیین کا لحاظ، منائے نیچرل اور موافق عادت ہونا۔ قصہ میں بیانات کی ہم آہنگی، قصہ کے ضمن میں آئی ہوئی سبھی باتوں کا تجربہ و مشاہدہ کے موافق ہونا اور اہم باتوں کو تفصیل کے ساتھ اور جزئیات کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جانا ضروری ہے[۳]

---

۱ - شعر العجم۔ جلد چہارم۔ از شبلی نعمانی۔ ص/۲۰۵ — مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۱ء

۲ - کاشف الحقائق از امداد امام اثر ص/۲۹۷ مطبوعہ کار و نیشن پریس لکھنؤ

۳ - مقدمہ شعر و شاعری ص/ ۱۹۵ — ۲۱۵

مثنوی کے اشعار کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ بقول امداد امام اثر ـــ "ممکن ہے چار شعر کی مثنوی ہو یا چار لاکھ کی۔"[1] مثنوی میں تسلسل اور قافیہ کی موجودگی ارکان کی حیثیت سے اور حمد[2]، نعت[3]، منقبت[4]، مدح سلطان زمان[5]، تعریف سخن[6]، قصہ یا واقعہ[7]، اور خاتمہ کا وجود اجزائے صنف کی حیثیت سے لازمی ہے۔ مثنوی اتنی وسیع صنف سخن ہے کہ اس میں جملہ ممکنہ موضوع کی حیثیت سے شامل کئے جا سکتے ہیں۔ دوسرے موضوعات کی طرح نعت بھی اردو مثنویوں کا اہم موضوع رہا ہے۔ قدما کی مثنویوں میں بھی نعت بحیثیت جزو کے شامل ہے۔ ملا داؤد سے لے کر محمد قلی قطب شاہ تک کی نعتیہ کاوشات مثنوی کی ہیئت میں ملتی ہیں۔ خواجہ بندہ نواز کا عرصہ حیات نظامی سے پیشتر کا ہے۔ ان کی (خواجہ بندہ نواز کی) نعتیہ کاوش کی ساخت اس طرح ہے کہ اس میں سب سے پہلے ایک شعر ہے، جس کے دونوں مصرعے مثنوی کی بیت کی مانند ہم قافیہ ہیں۔ اس کے بعد تین تین مصرعوں کے تین بند ہیں۔ ہر بند کے تینوں مصرعے ہم قافیہ ہیں، لیکن ہر بند کے مصرعوں کے قوافی دوسرے بند کے مصرعوں کے قوافی سے جدا گانہ ہیں۔ فخر دین نظامی کی نعت اس کی شاہکار مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" میں اجزائے مثنوی کی حیثیت سے داخل ہے۔ یہ مثنوی ہندوی اسلوب اور فارسی اسلوب کا حسین سنگم ہے۔ نظامی نے "نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان سے ۲۲ ابیات رقم کئے ہیں۔ یہ نعت لسانی اعتبار سے زیادہ اہم ہے۔ اس میں ہندی اور گجری اردو کے الفاظ کثرت سے مستعمل ہیں۔ ہندوانہ اساطیر کے ساتھ خالص اسلامی تلمیحات سے بھی فیض اٹھایا گیا ہے۔ صدر الدین نے "کسب محویت" اور "رموز العارفین" مثنویوں میں نعتیں لکھی ہیں۔ ان کی زبان میں فارسی و عربی کے عام فہم الفاظ کا وفور ہے۔

لہ ۔ کاشف الحقائق ص ۲۹۷

شاہ میراں جی شمس العشاق نے عوام کی زبان میں مثنوی کی ساخت میں ایسی نعتیں کہی ہیں جس میں احادیث صحیحہ کی تشریح کی گئی ہے۔ ان کی مثنوی "شہادت التحقیق" میں مشمول نعت چھوٹی بحر میں ہے جس کا وزن ہندی ہے اور اس میں دوہے کی روایت کا التزام کیا گیا ہے۔ خوب محمد چشتی کی ... "خوب ترنگ" میں نعتیہ مضامین کی فراوانی ہے۔ اس مثنوی میں کہیں کہیں پر خالص نعت کے اشعار بھی مل جاتے ہیں۔ خوب محمد چشتی فرسودہ نعتیہ مضامین کو جدت طرازی کے ذریعہ تروتازہ بنا دیتے ہیں۔

عبدالملک بحروچی سے قبل نعت مثنوی کے ضمنی جز کی حیثیت سے لکھی جاتی رہی اور بہت کم لوگوں نے مثنوی کے دیگر اجزاء کے مابین یا مستقل طور پر نعتیہ مضامین کہے ہیں۔ عبدالملک بحروچی پہلے شاعر ہیں جنھوں نے میلاد نبوی کے مقدس موضوع پر ڈھائی سو اشعار کی ایک نعتیہ مثنوی لکھ ڈالی اب تک کے دستیاب مواد کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ پہلی نعتیہ کاوش ہے۔ جس میں نعت کو موضوع بنا کر مثنوی کی ہئیت میں خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ اس نعتیہ مثنوی میں مکمل ربط و تسلسل ہے جو موضوع پر مصنف کی مکمل قدرت کا مظہر ہے بحروچی زبان و بیان کی کمزور روایت کے باوجود اپنے مدعا کے اظہار پر ید طولیٰ رکھتا ہے۔
نصرتی بنیادی طور پر قصیدہ گو شاعر تھا لیکن اس نے تین مثالی مثنویاں بھی لکھی ہیں۔ اس نے اپنی مثنوی "گلشن عشق" میں نعت کے ۱۲۷ ابیات اس طور پر کہے ہیں کہ اگر ان نعتیہ ابیات کو مثنوی سے الگ کر دیا جائے تو وہ خود ایک نعتیہ مثنوی بن جائے گی شاعر نے اس مثنوی میں رسمی نعت کے مابین ضمنی عنوان کے تحت واقعۂ معراج نظم کیا ہے۔ نصرتی نے اپنی دوسری مثنوی "علی نامہ" میں بھی نعت اور معراج کے عنوان سے نعتیہ ابیات کہے ہیں۔ نصرتی کی نعتیہ کاوش ایجاز، اختصار، زبان کی شیرینی تخیل کی متوازن جولانی ہیں سید میراں خاں ہاشمی نے بھی ایک معراج نامہ مثنوی کی ہئیت میں لکھا ہے۔ اس نے ایک نعت "یوسف زلیخا"

مثنوی کے ضمن میں کہی ہے۔ اس کی نعتیہ مثنویوں کے خیالات اور مضامین دونوں ہی فرسودگی کے شکار ہیں۔ اس کا معراج نامہ منظر نگاری، واقعہ نگاری اور مرقع نگاری کے نقطۂ نگاہ سے اہم ہے۔ ملاّ وجہی کی نعتیہ کاوشات بھی مثنوی کی ساخت میں ہیں۔ اور معراج کے واقعات کو اس نے بھی خاص جگہ دی ہے۔

گیارھویں صدی ہجری میں بلاقی، احمد عالم، منظم، مختار، فتاحی اپنے مولود ناموں، وفات ناموں اور معراج ناموں کی وجہ سے مشہور ہیں۔ یہ سبھی معراج نامے مثنوی کی ہئیت میں ہیں۔

اٹھارھویں صدی عیسوی نے دکن کی آواز شمال پہنچادی۔ ولیؔ کے دیوان نے شمال وجنوب کے درمیان رابطہ کا کام انجام دیا۔ ولیؔ نے خود مثنوی کی شکل میں نعتیں کہی ہیں۔ شمالی ہند میں "اسرار محبت" "سحر البیان" "گلزار نسیم" "طلسم الفت" "بہار عشق" وغیرہ عشقیہ مثنویوں میں نعت بہ حیثیت ایک جزو کے داخل ہے، لیکن ان تمام مثنویوں میں شمولہ نعتوں میں کوئی قابل ذکر شی نظر نہیں آتی۔ مومنؔ نے اپنے دور میں اچھی نعتیہ مثنویاں لکھی ہیں، جو شیفتگی کے وفور، عقیدت کے خلوص، اور جذبہ کی نظافت کے باعث بہت اثر انگیز اور دلاویز ہیں۔ امیر مینائی کی آٹھ مثنویوں میں سے ہر مثنوی میں رسمی نعت جزو کی حیثیت سے شامل ہے، لیکن انھوں نے تین ایسی مثنویاں بھی لکھی ہیں جن میں نعت کو اساسی حیثیت دی گئی ہے۔ یہ مثنویاں "نور تجلّی"، "حکایات اویس قرنی" اور "قصہ مہدی" کے نام سے مشہور ہیں۔ ان مثنویوں کی امتیازی خصوصیات پاس ادب، میانہ روی اور حفظ مراتب ہیں۔ محسنؔ کاکوروی کی مثنویاں اور نعت بیں فنی نقطۂ نظر سے بہت اہم ہیں۔ ان کی نعتیہ مثنویوں کی تعداد چھ ہے۔ انھوں نے ان مثنویوں میں نعت کو ایک جزو کی حیثیت سے سے نہیں بلکہ موضوع سخن کی حیثیت سے داخل کیا ہے۔ یہ مثنویاں "صبح تجلّی"

"فغانِ محسن" "نگارستانِ الفت" "چراغِ کعبہ" "شفاعت و نجات"[5]
اور اسرارِ معانی دردِ عشق ہیں۔ محسن کی مثنویوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر سید محمد عقیل لکھتے ہیں کہ:

"محسن لکھنؤ اسکول کے شاعر تھے اور ان کی تمام مثنویوں میں دبستان کی بہت سی خصوصیات ہیں۔ مگر ان کے دور میں جو نسوانیت، ابتذال، ضلع جگت اس دبستان کا مخصوص طرز ہو گیا تھا۔ وہ محسن کے کلام میں نہیں ملتا۔ حالانکہ رعایت لفظی و معنوی، تشبیہات، استعارے، کنایات معنی آفرینی اور صنعت گری جو اس اسکول کی ہئیت میں بڑا دخل رکھتی ہیں، انھیں پر محسن کی مثنویوں کی دیواریں کھڑی ہیں، ورنہ نعت اردو مثنویوں کے ابتدائی حصہ میں ہر مثنوی (چند کو چھوڑ کر) تقریباً ملتی ہے تخیل کی پرواز میں استعاروں اور تشبیہات کی مدد سے محسن نے وہ بلندی پیدا کی ہے کہ اکثر پڑھنے والوں کا ذہن آسمانوں میں غائب ہو جاتا ہے"[5]

دورِ حاضر میں حفیظ جالندھری کا شاہنامۂ اسلام ایک طویل مثنوی ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کا تفصیلی خاکہ کھینچا گیا ہے۔ اس مثنوی میں شاعرانہ واقعیت و شہدیت تاریخی صداقت کے ساتھ شانہ بشانہ چلتی ہے۔

---

[5] ۔ اردو مثنوی کا ارتقاء (شمالی ہند میں) از ڈاکٹر سید محمد عقیل
صفحہ ۲۲۳ - اسرار کریمی پریس الہ آباد ۱۹۶۵ء بار اول

(نعت قصیدہ کی ہیئت میں)

نعتیہ شاعری کی دوسری مقبول ہیئت قصیدہ ہے۔ قصیدہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے لغوی معنی "مغز، غلیظ و سطبر" کے ہیں۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ قصیدہ لفظ قصد سے مشتق ہے جس کے معنی ارادہ کرنے کے ہیں۔ اصطلاحاً قصیدہ اس مسلسل نظم کو کہتے ہیں، جس کے پہلے شعر کے دونوں مصرعے اور بقیہ اشعار کے دوسرے مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوں، اور جس میں مضمون کے اعتبار سے مدح و ذم، وعظ و نصیحت، یا مختلف احوال و کوائف کا بیان ہو۔ لغوی و اصطلاحی معنوں میں مناسبت یہ ہے کہ چونکہ اس کے مضامین "جلیل متین" "ذائقۂ طبع سلیم کو لذت دیتے ہیں۔ اس لئے اس کو قصیدہ کہتے ہیں۔ ایک توجیہہ یہ ہے کہ چونکہ قصیدہ اپنے نادر و بلند مضامین کے لحاظ سے جملہ اصناف سخن میں وہی فوقیت رکھتا ہے جو جسم انسانی میں مغز کو حاصل ہے، اس لئے اس کو مغز سخن سے تعبیر کرتے ہوئے قصیدہ کا نام دیا گیا ہے۔ اگر اس کو قصد سے مشتق مانیں تو چونکہ اس صنف سخن میں مدح یا ذم، یا کسی اور مضمون کی طرف رجوع کرنا ہی شاعر کا مقصود ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو قصیدہ کہا جاتا ہے

قصیدے کے پہلے شعر کو جس کے دونوں مصرعے ردیف و قافیہ میں باہم ایک ہوتے ہیں، مطلع کہتے ہیں۔ اور اگر دوسرے شعر کی بھی یہی شان ہو تو اسے حسن مطلع کہیں گے۔ دو مطلعوں والے قصیدہ کو ذوالمطلعین اور دو سے زیادہ مطلعوں والے کو ذوالمطالع کہتے ہیں۔ قصیدہ اپنی ردیف، قافیہ یا موضوع کے لحاظ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اگر قصیدہ کے قافیہ کا حرف آخر لام ہے تو قصیدہ لامیہ کہلائے گا۔ آفتاب ردیف ہے تو شمسیہ، بہار کا ذکر ہے تو بہاریہ، اپنی تعریف ہے تو فخریہ۔ اس کے علاوہ عشقیہ، حالیہ، شہر آشوب، وغیرہ بھی قصیدہ کی قسمیں

ہیں۔ قصیدہ میں اشعار کی تعداد مقرر نہیں ہے۔ کم از کم اشعار والے قصیدے میں سات شعر ملتے ہیں۔ جبکہ زیادہ سے زیادہ اشعار کا جو قصیدہ اب تک دستیاب ہوا ہے، وہ چودہ سو پچیس ۱۴۲۵ اشعار پر مشتمل قصیدہ ——— "ریاض الشہداء" ہے۔ جس کے مصنف کنور سین مضطر ہیں۔ قصیدے کے اجزائے ترکیبی مطلع، تشبیب یا تمہید، تخلص یا گریز، مدح، حسن طلب اور دعا یا حسن الخاتمہ ہیں۔

نعت کا اولین نقش قصیدے کی ہیئت میں ہے، جس کو حضرت ابوطالب نے نظم کیا تھا۔ کعب ابن زہیر، عبداللہ ابن رواحہ اور حضرت حسان کی اکثر نعتیں قصیدہ کی ہیئت میں ہیں۔ فارسی شاعری کی ابتدائی نعتیں مثنوی اور قصیدہ دونوں ہیئتوں میں ملتی ہیں۔ حکیم سنائی کی کلیات میں چھ قصائد موجود ہیں۔ انھوں نے ایک قصیدہ یحییٰ صاعد معروف بہ عارف زرگر کی مدح میں لکھا ہے۔ حکیم موصوف نے اپنی جدت طراز طبیعت کے سہارے اس قصیدے کی تشبیب اور تخلیص میں نعتیہ مضامین نظم کئے ہیں۔ انھوں نے اپنی نعتوں میں معراج پر بھی مستقل اشعار کہے ہیں۔ عراقی نے واحد متکلم کے صیغے میں نعت کہہ کر نعتیہ قصیدہ کی مروّج فضا برقرار رکھی ہے۔ خاقانی نے اپنے قصائد کے ذریعہ نعت کو تخیل کی بلندی، بیان کے زور، سنجیدگی، مدلل طرز ادا، مقامی رنگ عصری ماحول، سوانح خیالی عناصر سے معمور کیا۔

اردو شاعری میں محمد قلی قطب شاہ سے قبل نعتیہ قصائد کا فقدان ہے محمد قلی قطب شاہ وہ پہلا شاعر ہے، جس کے دیوان میں نعتیہ قصائد ملتے ہیں۔ اس کے دیوان میں ایک بغیر تشبیب کا قصیدہ "عید میلاد النبی" کے نام سے موجود ہے یہ قصیدہ بہت منظم و مربوط ہے۔ دکنی نعت گو شعراء میں نصرتی اور شاہی کے نعتیہ قصائد فنی اعتبار سے مثالی قصیدے کہے جا سکتے ہیں۔ نصرتی دکن کا سب سے بڑا قصیدہ گو شاعر ہے۔ اس کا قصیدۂ معراج تشبیب کی نقطۂ نگاہ

سے کافی اہم ہے۔ اس نے تشبیب کو مدح سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اس کو فلکیات سے متعلق کر دیا ہے۔ اس نعتیہ قصیدہ میں ایک اچھے قصیدہ کے سبھی عناصر موجود ہیں۔ یہ قصیدہ تخیل کی بلندی، خیالات کی جدت و تازگی، زبان کے تمکنت خیز شکوہ، تشبیہات کی بداعت اور الفاظ کی شوکت سے معمور ہے۔ ولی نے بھی نعتیہ قصیدے لکھے ہیں۔ لیکن "ولی سے پہلے اردو قصیدہ نگاری گہرے انفرادی رنگ کی مالک تھی ولی کے قصائد سے وہ فارسی کے اوسط بلکہ عمومی معیار پر آجاتی ہے۔ اور اس کی آئندہ وسعت اور ترقی کا مرکز دکن سے شمالی ہند منتقل ہو جاتا ہے"[۱] سودا کے دیوان میں صرف ایک نعتیہ قصیدہ ملتا ہے جس میں اس (سودا) کی سبھی شاعرانہ خصوصیات موجود ہیں۔ یہ نعتیہ قصیدہ عملی تنقید کے لحاظ سے زبردست اہمیت کا حامل ہے۔ بعد کے نعتیہ قصیدہ نگاروں نے سودا کے اس قصیدہ کو خضر راہ بنا کر اس صنف کو آگے بڑھایا۔ اردو میں نعتیہ قصیدہ نگاروں کی ایک طویل فہرست ہے۔ علی جواد زیدی نے اپنی کتاب "قصیدہ نگاران اتر پردیش" میں اتر پردیش کے تقریباً سوا سو ایسے شعراء کا تذکرہ کیا ہے، جنھوں نے نعتیہ قصیدے لکھے ہیں۔ مولانا الطاف حسین حالی نے قصیدہ کو ہدف طعن بناتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> "مدح میں اکثر ایک نام کے سوا کوئی خصوصیت ایسی مذکور نہیں ہوتی، جو ممدوح کی ذات کے ساتھ مختص ہو بلکہ ایسے حاوی الفاظ میں مدح کی جاتی ہے کہ اگر بالفرض مداح اس علت میں کہ فلاں شخص کی مدح کیوں کی عدالت میں ماخوذ ہو جائے۔ تو قصیدہ میں کوئی

---

[۱] - اردو میں قصیدہ نگاری از ڈاکٹر ابو محمد سحر ص - ۸۲

لفظ ایسا نہ ملے، جس سے اس کا جرم ثابت ہو سکے۔ مدح میں زیادہ تر وہی معمولی محامد بیان ہوتے ہیں، جو قدیم شعراء باندھتے چلے آئے ہیں۔ اور ہر ایک خوبی کے بیان میں ایسا مبالغہ کیا جاتا ہے کہ قصیدہ کا بھی مصداق نفس الامر میں کوئی انسان قرار نہیں پا سکتا۔ ممدوح کی ذات میں جو واقعی خوبیاں ہوتیں ان سے اصلاً الغرض نہیں کیا جاتا، بلکہ بجائے اس کے ایسی محال باتیں بیان کی جاتی ہیں، جو کسی شخص پر صادق نہ آسکیں ممدوح کی طرف اکثر وہ خوبیاں منسوب کی جاتی ہیں۔ جن کے اضداد ان کی ذات میں موجود ہوں۔ مثلاً ایک جاہل کو علم فضل کے ساتھ ایک ظالم کو عدل وانصاف کے ساتھ۔ ایک احمق اور غافل کو دانشمندی اور بیدار مغزی کے ساتھ، ایک عاجز سے دست وپا کو قدرت وتمکنت کے ساتھ۔ ایک ایسے شخص کو جس کی ران نے کبھی گھوڑے کی پیٹھ کو مس نہیں کیا شہسواری اور فروسیت کے ساتھ غرضکہ کوئی بات ایسی نہیں کی جاتی جس پر ممدوح فخر کر سکے۔ یا جس سے لوگوں کے دل میں اس کی عظمت اور محبت پیدا ہو اور اس کے محاسن وہ ماثر زمانہ میں یادگار رہیں۔"

حالی کے بیان کردہ معائب کی زد میں نعتیہ قصائد قطعاً نہیں آتے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات بے مثل ہیں وہ اتنے اعلیٰ واولیٰ ہیں کہ اس عالم آب وگل بلکہ کائنات کا ہر شئے ان کے مقابلہ میں ناقص اور

حاشیہ۔ مقدمہ دیوان حالی صفحہ/ ۹۶

کم تر ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ کے خصائلِ حمیدہ اور اوصافِ حسنہ منفرد، ممتاز اور بے مثل ہیں۔ حالی نے مقدمہ شعر و شاعری میں قصیدہ نگار شعراء کو مشورہ دیتے ہوئے ان سے کہا تھا کہ:

"شاعر کا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ اچھوں کی خوبیوں کو چمکائے، ان کے ہنر اور فضائل عالم میں روشن کرے اور ان کے اخلاق کی خوشبو سے موجودہ اور آئندہ دونوں نسلوں کے دماغ معطر کرنے کا سامان مہیا کر جائے"[1]

حالی کے بتلائے گئے اصولوں پر صرف انھیں قصیدہ نگاروں نے عمل کیا جنھوں نے بانیٔ اسلام کی نعت گوئی کو اپنی شعری کاوشات کی علّتِ غائی بنایا۔ امیر مینائی کے نعتیہ قصائد میں عرضِ حال کے اشعار وسیع اہمیت کے حامل ہیں۔ انھوں نے ان اشعار میں سوزِ دروں کے ذریعہ رقّت پیدا کر دی ہے۔ ان کے قصیدوں کے محولہ بالا اشعار ان کے مخلص عشق اور مذہبی خلوص کے آئینہ دار ہیں۔ لب و لہجہ کے وقار، الفاظ اور تراکیب کی استواری، جوش و جزالت کی ترتیب، علوم و فنون کی مصطلحات، صنائع و بدائع کے دلاویز استعمال اور مشاہدہ و تخیل کی ہم آہنگی نے ان کے نعتیہ قصیدوں کو فنّی حیثیت عطا کی۔ امیر کے ان نعتیہ قصائد کا شمار اوّل درجہ کے قصیدوں میں ہوتا ہے۔ محسن کی کلیات میں پانچ نعتیہ قصیدے ملتے ہیں، جن کی تفصیل اس مقالہ کی پہلی جلد میں رقم کی جا چکی ہے۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ ان کے نعتیہ قصائد فنی اور شعری محاسن کے مظاہر اور شیفتگیٔ رسول کے لطیف پیکر ہیں۔ بالخصوص ان کا لامیہ قصیدہ صرف نعتیہ قصائد ہی نہیں بلکہ اردو قصیدے کی تاریخ میں اپنا مقام رکھتا ہے۔ محرضِ بحث قصیدے میں مقامی رنگ اور ہندوستانی

---

[1] ۔ مقدمہ شعر و شاعری ص/۱۷۷

فضا مکمل طور پر چھائی ہوئی ہے۔ اس قصیدہ میں پہلی بار دجلہ اور فرات کی جگہ گنگا، جمنا اور گھاگرا، شیراز اور اصفہان کے بجائے بنگالہ، پنجاب، گوکل اور متھرا، بلبل اور چکور کی جگہ پریا اور شاما، نرگس، نسرین اور سمن کے ساتھ ساتھ، بیلا، گلاب اور کنول، سنبل کے ساتھ لجالو، اور شیریں فرہاد، لیلیٰ مجنوں اور وامق عذرا کی جگہ کرشن اور گوپیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ قصائد کی دنیا میں سب سے اچھا خاتمہ محسن کاکوروی کے اس قصیدہ میں ملتا ہے محسن نے نہایت بلیغ برجستگی کے ساتھ اپنے اس نعتیہ قصیدہ کا اختتام کرتے ہوئے کہا ہے:-

صفِ محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مدّاح — ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل
کہیں جبریل اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ — سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

نعتیہ قصیدہ نگاروں میں کچھ ایسے شاعر بھی ہوئے ہیں جن کی تشبیبیں اپنے زمانہ کی ادبی فضا کی آئینہ دار ہیں۔ اردو کے نعتیہ قصیدہ نگاروں کی فہرست میں کچھ ایسے بھی شاعر ہیں جنھوں نے خاقانی کی طرح اپنی نعتیہ کاوشات میں عصری احوال و کوائف کے علاوہ اپنے سوانح حیاتی عناصر بھی پیش کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں منیر شکوہ آبادی کا جیسہ قصیدہ لائق ذکر ہے جس کی تشبیب میں منیر شکوہ آبادی نے جزیرہ انڈمان کی پریشانیوں کا تذکرہ کیا ہے جس سے اس زمانہ کی زندانی زندگی پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ ان کے نعتیہ قصیدوں میں روایتی فضا کے ساتھ ساتھ تاریخی و معاشرتی حالات کے نقوش بھی ملتے ہیں۔ عزیز لکھنوی کے "صحیفۂ ولا" میں تو نعتیہ قصائد ہیں۔ عزیز کو بہاریہ اور غزلیہ تشبیب لکھنے میں فنی مہارت حاصل ہے۔ ان کے نعتیہ قصائد میں تشبیب و مدح کے مضامین میں جو ہم آہنگی ملتی ہے۔ وہ دوسرے شعراء کے یہاں کم دیکھنے کو ملتی ہے۔

دورِ حاضر میں پاکستان کے عبدالعزیز خالد نے نعتیہ قصیدہ کی روایت

کو آگے بڑھایا ہے۔ انھوں نے "منحمنّا" اور "فارقلیط" نام کے دو قصیدے لکھے ہیں۔ لائق قصیدہ نگار اپنے ان دونوں نعتیہ قصیدوں میں محسنؔ کاکوروی کے لامیہ قصیدہ سے کافی متاثر ہیں۔ ان نعتیہ قصائد میں عربی و فارسی کے پُرشکوہ الفاظ کے ساتھ ہندی کے سبک شیریں الفاظ کی پیوندکاری، پیچیدہ مسائل تصوف کا بیان اور فلسفیانہ باریک گتھیوں کا حل غواصی و قدرت کی چیزیں ہیں۔

جاگیردارانہ نظام کے اختتام نے قصیدہ گو شعراء کے حریصانہ جذبات کو سرد کر دیا۔ اشتراکیت، حقیقت نگاری، طرز تعلیم کی تبدیلی، مشرقی علوم کی جگہ مغربی علوم کی ترویج، مذہبی معتقدات کے تنزل نے قصیدہ نگاری کو مائل بہ زوال کر دیا۔ نعتیہ قصائد میں بھی وہ تشدد و مد نہیں رہا۔ لیکن چونکہ نعتیہ قصائد میں طمع زر کے جذبات کی کارفرمائی نہیں ہوتی بلکہ وہ مخلص اور پاک جذبات کے تحت منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتے ہیں، اس لئے جب تک مذہب اور مذہب والے زندہ ہیں، نعتیہ قصائد لکھے جاتے رہیں گے۔

نعت مرثیہ میں

مرثیہ کی بنیاد موضوع پر ہے۔ مرثیہ اسی صنف سخن کو کہتے ہیں، جس میں کسی کی موت پر اظہار غم کیا جائے۔ بزرگان دین اپنے رب کے حضور زندہ رہتے ہیں اور جہاں تک منبع نعت رسول اکرم صلعم کا سوال ہے، آپ افعال حیات پر قدرت کے ساتھ زندہ جاوید ہیں۔ اسی لئے اردو کی نعتیہ شاعری میں مرثیہ کا فقدان ہے۔ عربی شاعری میں حضرت حسّان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بانی اسلام کے نظروں سے اوجھل ہو جانے پر ایک درد انگیز مرثیہ لکھا تھا، ان کے اس مرثیہ میں سترہ[۱۷] اشعار ہیں، جن میں سے بعض شعر میں نعتیہ روح مکمل طور پر جاری و ساری ہے۔ اردو

شاعری میں کافی نے بھی مرثیہ کے تحت نعتیہ مضامین نظم کئے ہیں۔ شاعر نے عنوان:

قیامت ہے نہیں کم انتقال سرورِ عالم — کہ جس کا یاد کرنا آج تک ہم کو رُلاتا ہے

کے تحت ترمذی شریف کی احادیث متعلقہ بہ وصال نبی صلعم کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ جو کہ عنصر شاہ سے معمور ہیں۔ کافی نے باب محولہ بالا کے اختتام پر ایک غزل کو شامل کیا ہے، جو رثائیت کا دلآویز مرقع ہے، لیکن چونکہ حالی نے قصیدہ اور مرثیہ کے فرق کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"زندوں کی تعریف کو قصیدہ بولتے ہیں اور مردوں کی تعریف کو جس میں تاسف اور افسوس بھی شامل ہوتا ہے مرثیہ کہتے ہیں" [1]

اس لئے اردو کے شعرائے نعت نے نعتیہ شاعری کے لئے مرثیہ کو پسند، نہیں کیا۔ میر محمد تقی، تقی عرف میر گھاسی نے شہید کربلا کے مرثیہ میں نعت کے اشعار کہے ہیں۔ سودا نے اس مرثیہ کی منظوم شرح میں نعت پر نظر ثانی تنقید کی ہے۔ راقم الحروف اس پر تفصیلی بحث اس کتاب کی پہلی جلد میں کر چکا ہے۔

نعت غزل کی ساخت میں

غزل عربی زبان کا لفظ ہے۔ سید احمد دہلوی نے اس لفظ کی لغوی و اصطلاحی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

۱۔ مقدمہ دیوان حالی ص/۲۱۳

"غزل (ع) اسم مونث - معشوق یا اپنے محبوب کے
ساتھ کھیلنا۔ عورتوں کے ساتھ بات چیت۔ جوانی اور
ہم صحبتی کا ذکر ہے۔ عورتوں کے عشق کا ذکر۔

(وہ باتیں جو عورتوں کے عشق یا ان کے وصف میں
بیان کی جائیں اصلاح میں وہ نظم جس میں حسن و جمال، فراق
وصال، عشق و فریفتگی، شراب کباب، فنا و معرفت وغیرہ
کا ذکر یا ہجو یا نصیحت وغیرہ ہو یا وہ نظم جس میں عاشق
وصال و فراق کے خیالات کو وسعت دے کر دل کے ارمان
یا غم کے بخار نکالے ......")[1]

فارسی میں غزل کی تعریف "سخن از زنان گفتن" کی گئی ہے یعنی عورتوں کی باتیں کرنا غزل اردو ادب میں فارسی سے آئی اور فارسی ادب میں عربی سے اخذ کی گئی ہے۔ عہد جاہلیت میں عرب شعرا اکثر قصیدوں کی تشبیب میں عشقیہ مضامین نظم کیا کرتے تھے۔ جب عرب نے ایران کو فتح کیا اور عرب کے ادبیات ایران پہونچے تو ایرانیوں نے تشبیب کے اس عشقیہ حصہ کو الگ کر کے اس کو ایک صنف سخن بنا دیا اور اس کا نام غزل رکھا۔ غزل میں عشق و محبت، حسن و جمال، وحشت و عشرت، یاس و امید، خوف و رجا، خزاں و بہار، شادی و غمی کے مضامین لکھے جاتے ہیں۔ ولی کے عہد سے اس میں اضافے ہونے شروع ہوئے چنانچہ خود ولی نے اس میں تصوف کا اضافہ کیا جسے خواجہ میر درد نے حد تکمیل تک پہونچایا۔ میر نے مقامی رنگ اور مناظر فطرت کا اضافہ کیا اس کے بعد غالب نے فلسفہ اور سائنس کے مفید اضافے کئے۔ چکبست نے حب وطن اور ڈاکٹر سر اقبال نے سیاست

---

۱ - فرہنگ آصفیہ جلد سوم ص - ۲۰۶

حاضرہ کو داخل کر کے غزل کے دامن کو وسیع کر دیا۔

ایک غزل کے تمام اشعار ایک ہی بحر میں ہوتے ہیں۔ وہ تمام اشعار ایک ہی قافیہ میں ہوں گے۔ اور اگر غزل مردّف ہے تو ردیف بھی وہی رہے گی۔ غزل کا پہلا شعر، جس کے دونوں مصرعے ایک ہی قافیہ اور ردیف میں ہوتے ہیں مطلع کہلاتا ہے۔ اور اگر دوسرے شعر کی بھی یہی حالت ہو تو اسے حسن مطلع کہیں گے۔ غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص یا شاعرانہ نام نظم کرتا ہے۔ مقطع کہلاتا ہے۔ غزل کے اشعا کی تعداد کم سے کم پانچ بتلائی گئی ہے۔ لیکن بعض علماء نے فرمایا ہے کہ غزل تین اشعار کی بھی ہو سکتی ہے جس میں ایک مطلع، ایک مقطع، ایک درمیانی شعر ہو۔ زیادہ سے زیادہ اشعار کی تعداد ۱۵، ۱۷، یا ۱۹ کہی جاتی ہے۔ لیکن اس سے زیادہ اشعار غزلیں بھی ملتی ہیں۔ ہئیت کے اعتبار سے غزل دو طرح کی مردّف اور غیر مردّف اور معانی و مفاہیم کے اعتبار سے مسلسل اور غیر مسلسل، ہوتی ہے۔

نعت میں بانیٔ اسلام سے والہانہ شیفتگی، پر خلوص وارفتگی اور آپ کی ذات، صفات، پیغام، تعلیم سے مخلص عقیدت کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ نعت کے یہ مضامین غزل کی ہئیت میں بھی بیان کئے گئے ہیں۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں عرض کیا جائے کہ نعت کی زبان میں غزلیں کہی گئی ہیں۔ نعتیہ غزلیں وہ شعری کاوشات ہیں جن میں مضامین تغزل، ترنم، حسن معنی و بیان، حسین و لطیف تشبیہات و استعارات کے ساتھ نعت کے روپ میں بیان کئے جائیں۔ نعتیہ غزلوں میں سلمیٰ و لیلیٰ، ساقی و غنچہ، صراحی، پیمانہ اور جام و صبو مجازی معنوں میں استعمال کئے گئے ہیں۔ اور جہاں کہیں شراب کی تعریف کی گئی ہے وہاں شراب سے مقصود اس دنیا کی نشہ آور شراب نہیں ہے بلکہ میخانہ خلد بریں کی شراب ہے۔ غزل کے یہ الفاظ علائم

دستور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ عربی کا شاعر مالک ابن زغبۃ الباہلی کہتا ہے:

وما کان حبّی حبّھا غیر انّھا ۔ علی البعد ام یبطی للفواق عہد ودھا [۱]

اس کی محبت میری عادت نہیں البتہ سلمیٰ کے نام سے شعر درست کیے جاتے ہیں۔ غالب نے بہت مناسب بات کہی ہے:

مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو میں کام ۔ چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر
ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو ۔ بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر [۲]

نعتیہ غزلوں میں بلا کی داخلیت، سوز و گداز، رقت اور والہانہ پن ہوتا ہے۔

غزل کے الفاظ شیریں، قریب الفہم، نرم، غیر پیچیدہ اور واضح ہونا چاہیے اور اس کے لیے ایسا کلام اختیار کرنا چاہیے جو ظاہر المعنی ہو، نرم، تر اور صاف و شفاف ہو، جو غمگین کو خوش کر دے اور بادِ فنا کے لیے مشکل ہو جائے۔"

فارسی شاعری میں جامی نے اچھی نعتیں کہی ہیں۔ ان کی اس طرح کی غزلوں میں سلاست روانی، سوز و گداز اور چاشنی ہے۔ صہبائے عشق کی تندی دلوں کو گرماتی، برماتی اور پگھلاتی ہے۔ جامی نے کئی نعتیہ غزلوں میں مضامین نعت کے مسائل تصوف بیان کیے ہیں۔ انھوں نے چھوٹی چھوٹی بحروں کی نعتیہ غزلوں میں آیاتِ قرآنی کو لطیف انداز میں جذب کیا ہے۔ فارسی کی نعتیہ غزلوں کو جو مقبولیت ملی ہے وہ کم غزلوں

۱۔ شعر الہند حصہ دوم از مولانا عبدالسلام ندوی ص ۲۹۵

۲۔ دیوانِ غالب: غالب صفحہ ۴۶ محبوب المطابع برقی پریس دہلی۔ حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی۔ بار سوم ستمبر ۱۹۶۲ء

۳۔ کتاب العمدہ جلد ۲/ ص ۹۲ بحوالہ شعر الہند حصہ دوم/ ص ۲۹۵

کو ملی پائی ہے۔ ان کی وہ مشہور غزل جس کا مطلع:

مرحبا سید مکی مدنی العربی دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

ہے، اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس ایک غزل پر جتنی نعتیہ تضمینیں لکھی گئی ہیں، اتنی کسی ایک غزل پر مشکل سے لکھی گئی ہوں گی۔

اردو شاعری میں محمد قلی قطب شاہ پہلے شاعر ہیں جنھوں نے شعوری طور پر نعتیہ غزلیں کہی ہیں۔ ان کے دیوان میں شامل نعتیہ غزلوں کی تعداد پانچ ہے۔ سراج نے چھ اشعار کی ایک نعتیہ غزل اس نہج کی کہی ہے کہ اس میں غزل کے تین اشعار میں سے ایک مطلع، ایک مقطع اور ایک مطلع سے پیوستہ شعر ہے۔ نعت کے تین اشعار مطلع اور مطلع سے پیوستہ شعر کے بعد اور مقطع سے قبل ہیں۔ سراج کی افتاد طبع تغزل سے خاص لگاؤ رکھتی تھی۔ اس کے لیے عشق و عاشقی کے بغیر ایک نغمہ توڑنا دشوار تھا۔ اس لیے گداختگی، شیفتگی، سوز، سادگی، بیساختگی اور شگفتگی اس کی نعتیہ کاوشات کی ممتاز خصوصیات ہیں۔ انشاء کی نعتیہ غزلوں میں سپردگی، گداز اور سوز ہے۔ الفاظ صاف سادہ ہیں اور لہجہ تعقید اور گنجلک سے پاک ہے۔ غالب و مومن کا عہد نعتیہ غزلوں کے عروج کا دور کہا جا سکتا ہے۔ اس دور نے اردو نعت کو پر کیف تغزل، دلآویز رعنائی اور پر کیف اثر سے روشناس کیا۔ لطف علی خاں لطف کے دیوان میں ایک سو سے زائد نعتیہ غزلیں ہیں، جن میں داخلیت کی کارفرمائی خارجیت کی بہ نسبت زیادہ ہے۔ ظفر کی نعتیہ غزلیں صاف، سادہ اور سلیس و فصیح ہیں۔ یہ تشبیہوں، تشبیہات کی رنگینی اور جذبات کی دلآویزی سے معمور ہیں۔ کافی کی وہ غزل جو وصال نبی کے موقع کو مستحضر کر کے کہی گئی ہے۔ پرسوز، رقت آمیز اور اثر آفریں ہے۔ یہ غزل فنی نقطۂ نگاہ سے بھی اعلی اور مثالی ہے۔ راقم الحروف کافی کی محولہ بالا غزل اس کتاب کی پہلی جلد کے تیسرے باب میں رقم کر چکا ہے۔ داغ کی نعتیہ غزل داخلیت

وخارجیت کا حسین سنگم ہے۔ امیر کی نعتیہ غزلوں میں وصفی پیرایۂ اظہار اپنایا گیا ہے لیکن ان کی وہ نعتیں جو نعت کے جذباتی پہلو کی طرف جھکاؤ رکھتی ہیں۔ بہت موثر و دلاویز ہیں۔ ترنم ان کی نعتیہ غزلوں کا خاص سرمایہ ہے۔ محسن کاکوروی کی کلیات میں کئی دلاویز غزلیں ملتی ہیں۔

دورِ جدید اور عصرِ حاضر میں زیادہ تر نعتیں غزلوں کی ہیئت میں پیش کی گئی ہیں۔ ان دونوں ادوار میں بمشکل کوئی ایسا نعت گو شاعر مل پائے گا جس نے نعتیہ غزلیں نہ کہی ہوں۔ حدودِ شریعت کا لحاظ اور پاسِ ادب بہت کم ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ اکثر شعراء نے وفورِ شیفتگی میں شریعت کی قائم کردہ حدود توڑ دی ہیں۔ بہت سے شاعروں نے بانیٔ اسلام صلعم کے لئے ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو آپ کے شایانِ شان قطعاً نہیں ہیں۔

(نعت قطعہ کی ہیئت میں)

قطعہ، قطع سے مشتق ہے۔ قطع کے لغوی معنی کاٹنے کے ہیں۔ اصطلاحِ شاعری میں قطعہ اس نظم کو کہتے ہیں، جس کے آخری تمام مصرعوں میں قافیہ ہوتا ہے اور پہلے کسی مصرعے میں قافیہ نہیں ہوتا۔ اس طور پر قطعہ میں مطلع قطعہ نہیں ہوتا قطعہ میں کم سے کم دو شعر ہوتے ہیں۔ اور زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں حضرت علیؓ اور حضرت حسانؓ ابنِ ثابت کے دیوان میں نعتیہ قطعات موجود ہیں۔ حضرت حسانؓ کی مشہور نعت

اغرّ علیہ للنبوۃ خاتم　　　من اللہ مشہود یلوح و یشہد

قطعہ کی ساخت میں ہے۔ اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ کے یہاں بھی نعتیہ قطعات ہیں۔ عصر حاضر میں نعتیہ قطعات رواج پکڑ لیا ہے۔ شعرائے نعت مشاعروں میں نعت خوانی سے پیشتر نعتیہ قطعات پیش کرتے ہیں۔

ہیکل السّاہی نے نعتیہ قطعات اچھی خاصی تعداد میں کہے ہیں۔ نمونہ کے طور پر ان کا ایک نعتیہ قطعہ ملاحظہ ہو:

کوئی طیبہ میں مسکرایا ہے　　دونوں عالم پہ نور چھایا ہے
اے صبا میرا انھیں کا ہوں ہیکل　　کیا انھوں نے مجھے بلایا ہے

(نعت رباعی کی ہیئت میں)

رباعی اس نظم کو کہتے ہیں، جس کے چار مصرعے مقررہ اوزان میں ہوں۔ پہلا، دوسرا، اور چوتھا مصرع ہم قافیہ ہو اور تیسرے مصرعے میں کوئی قافیہ نہ ہو ایسی رباعی "خصّی" یا "ناقص" کہلاتی ہے۔ اور اگر رباعی کے چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوں، تو وہ رباعی "مصرّع" کہی جاتی ہے۔ رباعی کا چوتھا مصرع پہلے تین مصرعوں سے زیادہ اچھا اور زیادہ برجستہ ہونا چاہئیے قطعہ اور رباعی میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ قطعہ ہر وزن میں کہا جا سکتا ہے، جبکہ رباعی کے لئے خاص اوزان مقرر ہیں، اگرچہ رباعی کے وزن میں غزل، قصیدہ یا قطعہ کہنا جائز ہے۔ رباعی بحر ہزج کی چند شاخوں میں کہی جاتی ہے۔ ان شاخوں سے دو سلسلے اور ۲۴ اوزان ہیں۔ رباعی کا عام مروج اور آسان وزن " لاحول ولا قوۃ الا باللہ" ہے۔

محمد قلی قطب شاہ کی کلیات میں عشق مصطفوی سے سرشار کئی نعتیہ رباعیاں ملتی ہیں۔ حالی نے بھی کئی اچھی نعتیہ رباعیاں کسی ہیں لیکن اردو نعت میں یہ ہئیت کم مستعمل ہے۔ پھر بھی امجد اور طوفان کی رباعیاں خاص نعوت کی حامل ہیں۔ امجد کی وہ رباعی کافی اہم ہے جس میں انھوں نے ختم رسالت کا مضمون نظم کرتے ہوئے پیغمبر اسلام کو رباعی کا مصرعہ آخر بتلایا ہے۔ خیال بہت بلیغ اور نادر ہے۔ رباعی کا مصرعہ آخر حاصل رباعی کہا جاتا ہے۔ امجد کی محولہ رباعی ملاحظہ ہو:

رخ مہر ہے قد خط شعاعی کی طرح — وہ کل امت میں ہے رباعی کی طرح

اس خاتم انبیاء کا آخر میں ظہور — ہے مصرع آخر رباعی کی طرح

بھلکیل مانک پوری کے نعتیہ مجموعہ "معراج سخن" میں ۱۳ رباعیات شامل ہیں جن میں سے آٹھ معراج سے متعلق ہیں۔

(نعت ترجیع بند کی ہیئت میں)

وہ نظم، جس میں کئی بند بطور غزل کے ہوتے ہیں۔ اور ہر بند کے بعد ایک ہی شعر بار بار آتا ہے مگر ہر بند کے قافیہ مختلف ہوتے ہیں، ترجیع بند کہلاتی ہے

ایران کی نعتیہ شاعری میں سید حسن غزنوی اور جامی کے یہاں ترجیع بند کی ہئیت میں نعتیں ملتی ہیں۔ اردو کی نعتیہ شاعری میں امیر مینائی نے کئی جاندار ترجیع بند کہے ہیں۔ ان کے ایک ترجیع بند میں چار چار مصرعوں کے کے بعد ترجیع کا شعر عربی ہے، دوسرے ترجیع بند میں ترجیع کا مصرعہ فارسی

ہیں، تیسرے ترجیع بند میں نو نو شعروں کے بعد ترجیع کا شعر فارسی میں ہے۔ ان کے نعتیہ دیوان میں کئی ترجیع بند ایسے بھی ہیں جن میں ترجیع کا شعر اردو میں ہے۔ امیر نے اپنے نعتیہ ترجیع بندوں کا عام انداز مدحیہ رکھا ہے امیر مینائی کے شاگرد جلیل مانک پوری نے معراج پر ایک شاندار ترجیع بند لکھا ہے جنگ بہادر خاں نالش اور آرزو سہارنپوری کے مشہور سلام ترجیع بند کی ساخت میں ہیں۔

(نعت مثلّث کی ہیئت میں)

مثلّث کے لغوی معنی تکونیہ کے ہیں۔ اصطلاحاً مثلث وہ نظم ہے جس میں تین مصرعے ہوتے ہیں۔ پہلے دو مصرعوں کا ہم قافیہ ہونا لازمی ہے۔ حضرت علی کی طرف منسوب نعت شریف مثلّث کی ہیئت میں ہے۔ جس پر تفصیلی بحث راقم الحروف کی مطبوعہ کتاب "نعتیہ شاعری کا ارتقاء" میں مرقوم ہے۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوب کی نعت جو مثلّث کی ہیئت میں ہے اس مقالہ کے چوتھے باب میں نقل کی جا چکی ہے۔

نعت مخمس کی ہیئت میں

مخمّس کے لغوی معنی پانچ پہلوؤں والا ہیں۔ اصطلاح میں مخمس اس نظم

کو کہتے ہیں جس کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہوں اور پانچواں مصرع پہلے بند کے آخری مصرع کا ہم قافیہ ہو۔ ولی، کشن پرساد شاد، طوفان اور شارق ایرایانی کے نعتیہ مخمس کافی توانا ہیں۔ مرزا علی بیگ نازنین نے قدسی کی مشہور غزل پر ایک نعتیہ مخمس ریختی پر کہا ہے، جو زبان اور بیان کی خوبیوں سے مالا مال ہے۔

نعت مسدس کی ہئیت میں

مسدس کے لغوی معنی ہیں وہ چیز جس میں چھ پہلو ہوں۔ اصطلاح شعراء میں مسدس اس نظم کو کہتے ہیں جس میں چھ مصرع ہوں۔ اس کے ابتدائی چار مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ اور آخری دو مصرعوں کا قافیہ ان چار مصرعوں کے قوافی سے الگ ہوتا ہے۔ نظم کی یہ ساخت مذہبی شاعری میں کافی رائج ہے۔ مرثیہ کے لئے تو یہ ہئیت متعین سی ہو گئی ہے۔ حالی نے اسلام کے مدوجزر کو واضح کرنے کے لئے یہی ہئیت پسند کی ہے۔ انھوں نے نعتیہ اشعار اسی مسدس کے ضمن میں کہے ہیں۔ حالی کی مسدس پر تفصیلی بحث اس کتاب کے چوتھے باب میں کی جا چکی ہے۔ مکھن لال، طوفان، حمید لکھنوی اور ضیاء القادری کے نعتیہ مسدس کافی جاندار ہیں۔ اور اردو کی نعتیہ شاعری میں نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

نعت مستزاد کی ساخت میں

رباعی کے ہر مصرع کے آخر میں ایک حصہ رباعی کا لاتے ہیں، لیکن اب غزل کو بھی مستزاد کرنے لگے ہیں۔ ہر مصرع کے آخر میں دو ایک کلمے وزن سے زیادہ ملا دیتے ہیں۔ ولی اور طوفان کے نعتیہ مستزاد کافی لطیف اور رواں دواں ہیں۔

نعت نظم کی ساخت میں

اصناف شاعری کی ایک صنف "نظم" ہے۔ یہ ایک نئی قسم ہے جس کا شمار شاعری کی موضوعاتی شق میں ہوتا ہے نظم کسی بھی ہیئت میں لکھی جا سکتی ہے اس میں اشعار پابند کی قید روا نہیں رکھی جاتی۔ یہ کسی خاص موضوع پر ہوتی ہے مثلاً جگنو، آبشار، ہمالہ، بہار، ہلال عید وغیرہ نظم کا میدان غزل سے زیادہ وسیع و عریض ہے۔ نظم میں کسی ایک عنوان یا موضوع کی تفصیل ہوتی ہوتی ہے۔ جبکہ غزل کے جذبات لامحدود ہوتے ہوئے بھی محدود ہوتے ہیں، کیونکہ غزل کے ایک شعر میں ایک ہی جذبہ نظم ہوتا ہے مگر نظم میں ایک موضوع کی اتنی وضاحت ہوتی ہے کہ کاتب و سامع دونوں سیر ہو جاتے ہیں۔ اور موضوع بھی تشنہ نہیں رہتا۔ نظمیں نعت کے مقدس اور بیکراں موضوعات پر کثرت سے لکھی گئی ہیں۔

محمد قلی قطب شاہ کے دیوان میں گیارہ نعتیہ نظمیں ملتی ہیں۔ محمد قلی قطب شاہ کے بعد نعتیہ نظموں میں ایک خلا دکھلائی پڑتا ہے۔ کرنل ہالرائڈ کی زیر سرپرستی لاہور میں منعقد کئے جانے والے مشاعروں نے نظموں کے لئے راہ ہموار کی۔ اس مشاعرے میں مصرع طرح والے فرسودہ طریقہ کو یک لخت ترک کر دیا گیا۔ اور اس کی جگہ شعراء کو عنوانات دیئے جانے لگے۔ اس طرح مختلف عنوانات پر نظمیں لکھی اور پڑھی جانے لگیں۔ دور جدید اور عصر حاضر کے نعت گو شعراء نے نظموں کو نعتیہ شاعری کا وسیلہ بنایا ان دونوں ادوار میں بہت سی اچھی نظمیں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو گئیں۔

نعت اور سلام

"سلام" عربی زبان کا لفظ ہے جس کی لغوی تشریح کرتے ہوئے عبدالحفیظ بلیاوی لکھتے ہیں۔

" السلام۔ و سـ۔ تسلیم کا اسم ہے جیسے تکلیم سے کلام۔ طاعت و فرمانبرداری کے لیے جھکنا۔ السلام:۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اس لیے کہ باری تعالیٰ نقائص و عیوب وغیرہ سے پاک ہیں۔۔۔"[1] (کذا)

سید احمد دہلوی نے سلام کی لغوی تشریح کے مابین لکھا ہے:

" (۵ـــ۱) جو مرثیہ، رباعی، قطعہ غزل یا

---

[1] ۔ مصباح اللغات از عبدالحفیظ بلیاوی ص ۳۶۹/

قصیدہ کے طرز پر ہو اور اس کے مطلع یا اول شعر
میں نقطہ مجرا اسلام۔ مجرائی سلامی لایا جاوے تو
اسے مجرا یا سلام کہتے ہیں۔[1]

سلام اپنا جو کہتی تھیں دل پہ ہاتھ دھرے
خدا ہی جانے مرے لوگ جیتے ہیں کہ مرے
(آزردہ)

سلام نے شاعری میں ایک مستقل صنف سخن کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ سلام کا تعلق نعت و منقبت اور رثائی شاعری سے ہے۔ خدائے بزرگ و برتر نے قرآن حکیم میں نبی صلعم کے لئے سلام خوانی کا واضح ذکر صادر فرمایا ہے متعلقہ آیت قرآنی ملاحظہ ہو:

ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی۔ یاایھا الذین امنو صلوا علیہ وسلمو تسلیما[2]

راقم السطور اردو شاعری میں سلام کے موجد کی دریافت سے قاصر رہا۔ راقم کو فارسی ادب میں سب سے پہلے جامی کی نعتیہ شاعری میں سلام ملے ہیں[3] اس لئے دستیاب معلومات کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اردو و فارسی کی نعتیہ شاعری میں سلام گوئی کے لئے مشعل راہ جامی ہیں مولانا امداد امام اثر

---

(۱) فرہنگ آصفیہ — جلد سوم ص / ۸۷

(۲) القرآن الحکیم —

(۳) عربی ادب میں جامی المتولد ۸۱۷ھ والمتوفی ۸۹۸ھ سے پیشتر شیخ جمال الدین صرصری المتوفی ۶۵۶ھ نے کئی مثالی سلام کہے ہیں۔ آزاد — ملاحظہ ہو "نعتیہ شاعری کا ارتقاء" مطبوعہ ۱۹۸۸ء مصنفہ راقم۔

لکھتے ہیں:

"عروضی ترکیب کی رو سے غزل سلام اور
سہرا شنی واحد ہیں مگر ان کے مضامین کے تقاضے
ایک دوسرے سے علیحدہ انداز رکھتے ہیں۔ فارسی میں
سہرا اس واسطے نہیں ہے کہ اس ملک میں دولہا
یا دلہن کو سہرا نہیں باندھتے مگر سلام ہے۔" [1]

سلام لکھنا ایک مشکل فن ہے کیونکہ ہیئتی اعتبار سے سلام اور غزل
میں بہت باریک فرق ہے۔ علامہ جمیل مظہری نے درست لکھا ہے کہ:

"سلام کا کوچہ پل صراط ہے جس سے بآسانی گذر
جانا ہر شاعر کا کام نہیں قدم کی ذرا سی لغزش بھی سلام
کو غزل بنا کر مشیر لکھنوی کا یہ طعنہ سنتی ہے:" [2]

غزل کا شعر کہیں اور سلام کہلائیں تعبیر کیا کہیں ان احمق اللذینوں کو

اردو کی نعتیہ شاعری میں حفیظ جالندھری کے معرکہ آرا سلام نے
شعرائے نعت کو سلام گوئی کی طرف متوجہ کیا۔ اور بہت جلد سلام نے
ایک جداگانہ صنف کی حیثیت اختیار کر لی۔ اس سلسلہ میں ضیاء القادری
بنی، درد کاکوروی، حافظ مظہر الدین، شہاب علوی، منظور حسین منظور،
ہادی مچھلی شہری، محمد حسین بیجین، یحیی اصطفیٰ، ابوالمجاہد زاہد ــــ
جنگ بہادر خان نالش، قاضی اطہر مبارکپوری، فخر الدین فخر گیاوی
مظفر گجراتی، مظفر وارثی، نشاط بادہ نکھوی، شرف نتھ پوری، فضاابن
فیضی، آرزو سہارنپوری، جمیل لکھنوی، جگناتھ آزاد، اور ہلال نقوی

---

[1] - کاشف الحقائق از امداد امام اثر جلد دوم ص/۱۹
[2] - ریاض ادم مطبوعہ ۱۹۶۸ء کلکتہ ص/۳

کے سلام کافی مقبول ہیں۔

نعت گیت، ترانہ، ٹھمری اور دادرہ میں

"تکرار اور باوزن فقرے جو سُروں میں گائے جاتے ہیں" گیت کہے جاتے ہیں۔[1]

ڈاکٹر قیصر جہاں نے کتابی گیت کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

"کتابی گیت سماج کی ترقی کے بعد وجود میں آئے۔ ان کا سنگیت ان کے الفاظ میں مضمر ہے۔ یہ دراصل لوک گیت کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ نشاط والم کے پُرجوش جذبات کی مخصوص کیفیت کو چند مناسب الفاظ میں ترنم کے سہارے بیان کرنے کو گیت کہا جاتا ہے۔[2]"

ترانہ گیت کی ایک مخصوص قسم ہے۔ اردو شعراء نے گیت اور ترانہ دونوں میں کامیاب نعتیں کہی ہیں۔ عصر حاضر میں بیکل اتساہی کے نعتیہ گیتوں اور عمر انصاری کے ترانوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ نعتیہ شاعری اردو شاعری کی جملہ مروجہ اصناف سخن میں پورے آب و تاب اور مکمل

---

[1] - فرہنگ آصفیہ جلد چہارم مولفہ مولوی سید احمد دہلوی ص/۱۲۹ ترقی اردو بورڈ اڈیشن۔

[2] - اردو گیت ڈاکٹر قیصر جہاں صفحہ/۱۷ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی، مطبوعہ جمال پریس دہلی۔ بار اوّل مارچ ۱۹۷۷ء

نئی شعور کے ساتھ کی جا سکتی ہے۔

اردو نعت کبھی کبھی موسیقی کے بولوں میں بھی لکھی گئی ہیں۔ میر اعظم علی شائق، حمزہ اور حسرت نے فنی اعتبار سے کئی اچھی نعتیہ ٹھمریاں لکھی ہیں۔ حالی کے دور میں فتحپور ہسوا کے ایک شاعر مولوی عبدالرحیم المتخلص بہ رحیم نے ٹھمری کے علاوہ بھجن اور دادرہ میں کئی نعتیں کہی ہیں۔ جو ان کے مطبوعہ دیوان۔۔ مولود شریف موسومہ انتخاب رحیمی عرف رحیم بانی میں شامل ہیں۔

اس طرح شعرائے نعت نے نعتیہ مضامین اردو شاعری کی تقریباً سبھی ہیئتوں اور سبھی ساختوں میں نظم کئے ہیں۔ لیکن اردو کی نعتیہ شاعری میں جو مقبولیت مثنوی، قصیدہ، غزل، مسدس اور نظم کی ہیئت کو ملی ہے، وہ دیگر اصنافِ سخن کو نہیں مل سکی۔

ساتواں باب

نعت کی اہمیت اور اردو ادب میں اس کا مقام

شعر و شاعری کی دو طرح سے تقسیم کی گئی ہے۔ موضوعاتی اور ہئیتی۔ موضوعاتی تقسیم کے تحت مذہبی شاعری، صوفیانہ شاعری، فلسفیانہ شاعری، اخلاقی شاعری، غزل، قصیدہ، نسیب، واسوخت، خمریات، فخریہ، ہجو، مرثیہ، وصف وغیرہ اور ہئیتی تقسیم کے تحت مثلث، مربع، مخمس، مسدس، ترجیع بند، ترکیب بند، قطعہ، رباعی وغیرہ شامل ہیں۔ غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ وغیرہ میں موضوع کے ساتھ ہئیت کا بھی تعین ہوتا ہے۔۔۔ نعت کی بنیاد موضوع پر ہے اور اس کا شمار موضوعاتی تقسیم کے تحت ہوتا ہے۔ نعت ہر اس نظم کو کہتے ہیں جس میں بانیٔ اسلام کی ذات، صفات اور آپ کے متعلقات و منسلکات کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہو۔ نعت میں ہیئت کی کوئی قید نہیں ہوتی وہ غزل، قصیدہ، مثنوی، مسدس، ترکیب بند، ترجیع بند، قطعہ، رباعی، غرض کہ شعر و شاعری کی کسی بھی ساخت یا کسی بھی ہئیت میں کہی جا سکتی ہے۔ اس طرح نعت میں ساخت اور موضوع دونوں اعتبار سے بیکراں وسعت ہے۔

نعت عالمی ادب کی سب سے مفید اور کارآمد صنف سخن ہے۔ اگر کوئی شخص صرف ایک صنف سے شعر و شاعری کے تمام اشکال و ہئیات سے آگاہی چاہتا ہے تو اس کو یہ آگاہی اسی صنف نعت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ نعت کا یہ ایسا امتیازی وصف ہے جس میں کوئی دوسری صنف سخن اس کی سہیم و شریک نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی عرب کی مقدس سرزمین میں ولادت پذیر ہوئی۔ اور وہیں آپ کے کمالات، عادات و اطوار اور خصائل و شمائل منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ اس لئے نعت کا آغاز عرب میں ہوا۔ ابتداءً نعتیہ شاعری میں مقصدیت و افادیت کا استیلا تھا۔ دنیائے ادب کی پہلی نعت اس وقت معرض وجود میں آئی جب کہ کفارِ قریش نے حضرت ابوطالب سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اپنے بھتیجے کو ان کے حوالے کر دیں۔ تاکہ وہ اپنے انتقام کی آگ سرد کر لیں۔ حضرت ابوطالب نے بھتیجے کی مدافعت میں چند نعتیں کہیں جن سے انھوں نے قریش کے دیگر قبائل کے مقابلہ میں بنو ہاشم کو یکجا کرنے کا کام لیا۔ انھوں نے نبی اکرم صلعم کی ذات گرامی کو گل سر سبد قریش قرار دیا۔ اور ان کو مخاطب کر کے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ:

کذبتم وبیت اللہ نبزی محمدا ولما نطاعن دونہ ونناضل

بیت اللہ کی قسم تم غلط سمجھ رہے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم مغلوب ہونے دیں گے حالانکہ ہم نے ابھی مدافعانہ جنگ نہیں کی اور نہ زور آزمائی کی ہے۔

ونسلمہ حتی نصرع حولہ ونذہل عن ابنائنا والحلائل

اور کیا ممکن ہے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اردگرد بیوی بچوں کو فراموش کر کے اپنی جانیں قربان کئے بغیر سپرد کر دیں گے۔

ابوطالب کو آپ سے مثالی محبت تھی۔ اس لئے آپ کے نعتیہ قصائد، عقیدت، خلوص اور شیفتگی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ان میں افادیت و مقصدیت روح کی طرح جاری و ساری ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے شعراء کو ایک خاص مقصد کے تحت نعت خوانی کا مشورہ دیا تھا۔ عربی کے متقدمین شعراء نے نعتیہ شاعری کو بطور آلات استعمال کیا تھا۔ اسی نے نصرت دین، اشاعت مذہب، اعلاء کلمۃ اللہ، اور مذمت اعدائے دین اس دور کی نعتیہ شاعری کے

خاص موضوعات تھے۔ شعراء نے اس ضمن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و خصائل اور آپ کے معنوی احسانات کو بھی موضوع بحث بنایا تھا متاخرین نے اسلامی تہذیب و تمدن کے مائل بہ زوال ہو جانے پر جذبات شیفتگی کے اظہار کے لئے نعتوں کو آلۂ کار بنایا۔ اسی لئے اس دور کی شاعری میں رقت، سوز و گداز اور جذبات عشق کا والہانہ اظہار ہے۔

فارسی کے نعت گو شعراء نے نعت کے دامن کو بہت وسعت دی انھوں نے شاعری کی اس صنف میں آپ کی ذات، صفات، متعلقات و متعلقات کے ساتھ آپ کے عطیات و احسانات اور اس کے عالمی نتائج و عواقب پر روشنی ڈالی۔ اس طرز فن میں متصوفانہ خیالات، اخوت، بھائی چارہ، میل ملاپ، امن و آشتی کے پیغامات اور فلسفہ و سائنس کے مفید اضافے کئے گئے۔ فارسی ادب میں فردوسی سے لے کر آج تک کے شعراء نے نعتوں کا اچھا ذخیرہ تیار کر دیا۔ سنائی کی شاعری میں مسائل تصوف کا بیان ہے اس کی نعتیہ شاعری میں منظر نگاری جذبات نگاری اور مرقع نگاری کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ خاقانی نے اپنی نعتوں میں مقامی رنگ، عصری ماحول اور سوانح حیاتی عناصر کو داخل کر کے نعت کو مذہبی گرفت سے باہر نکالا اس کی نعتیں بے مثال شہرت سے معمور ہیں۔ خاقانی کے عہد میں نعت نے ایک مستقل صنف سخن کی حیثیت اختیار کر لی۔ نظامی نے اپنی نعتوں میں شیریں کلامی اور نزاکت تخیل کو خاصی اہمیت دی۔ اس نے نعت کے ذریعہ امت مسلمہ کے ادبار کا دلاویز نقشہ کھینچ کر مسلمانوں کی پستی پر آنسو بہائے ہیں۔ سلجوقی عہد کے شاعر عطار نے شفاعت طلبی کے مضامین داخل کئے۔ رومی نے معجزات نبویہ کے سہارے عرفانی مسائل بیان کئے۔ عراقی کے یہاں پر وقار محتاط اور سنجیدہ لہجے کو خاص اہمیت دی گئی۔ اس نے صیغۂ متکلم میں کافی اچھی اور کافی مؤدب نعتیں لکھی ہیں۔ سعدی نے سادگی، اظہار، ملاحت اور لطافت کو خاص اہمیت دی۔ جامی نے نعت کو معراج کمال پر پہنچا دیا۔ اس نے اپنی

نعتوں میں مثالی درد اور اثر کا مزاج ڈالا۔ قدسی نے تغزل اور قاآنی نے موسیقیت کے مفید اضافے کئے۔ فارسی کے ہندوستانی شعرائے نعت میں، خسرو نے شاعرانہ توجیہات، عرفی نے آداب نعت، فیضی نے مضمون آفرینی اور اقبال نے فلسفہ اور سائنس داخل کر کے نعت میں بیکراں وسعت پیدا کر دی۔ گرمئی جذبات، شیفتگی، خلوص اور وارفتگئ عشق میں ایران کی نعتیہ شاعری، عرب کی نعتیہ شاعری کے مقابلے میں کافی وزنی ہے۔ جس کے اسباب و علل سے تفصیلی بحث راقم اپنی کتاب "نعتیہ شاعری کا ارتقاء" کے تیسرے باب میں کر چکا ہے۔

ہند و عرب کے روابط قدیم زمانہ سے چلے آ رہے ہیں۔ بانئ اسلام کی پیدائش سے قبل کے عربی ادب میں ہندوستان کا تذکرہ ملتا ہے[۱]۔ کعب ابن زہیر کے قصیدے کے اس شعر میں جس میں پیغمبر اسلام نے ان کو اپنی چادر مرحمت فرمائی تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہندوستانی تلوار سے تشبیہ دی گئی ہے، لیکن ہندوستانی ادب، عربی و ایرانی ادب سے اس وقت تیزی سے متاثر ہونے لگا جب ان دونوں خطوں کے مسلمانوں نے ہندوستان پر حملے کئے اور یہاں بود و باش اختیار کیا۔ مسلم صوفیائے کرام نے اصلاحی مشن چلائے۔ اور رسول اللہ صلعم کی حیات طیبہ کو نمونہ بنا کر آدمیت کو انسانیت میں متبدل کرنے کی جد و جہد کا آغاز کیا۔ صوفی دلوں کو سدھارتا ہے۔ وہ ظاہر کے مقابلے میں باطن کو ترجیح دیتا ہے۔ مولوی عبدالحق کے لفظوں میں:

> "وہ دلوں کو ٹٹولتا ہے اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ دلوں کی تہہ تک پہونچتا ہے جہاں انسان کے اصل اسرار دبے اور چھپے رہتے ہیں جن سے ہم خود بھی اکثر واقف نہیں ہوتے ----

---

۱۔ تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو "اردو شاعری میں نعت" جلد اوّل کا پہلا باب صفحات ۲۷ و ۲۸ تصنیف ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد

یہی وجہ ہے کہ علماء و امراء بلکہ حکومتوں اور بادشاہوں سے
بھی وہ کام نہیں ہو سکتا جو فقیر اور درویش کر گزرتے ہیں۔
بادشاہوں کا دربار خاص ہوتا ہے۔ اور فقیر کا دربار عام ہے
جہاں بڑے چھوٹے، امیر غریب، عالم جاہل کا کوئی امتیاز نہیں
ہوتا۔ بادشاہ جان و مال کا مالک ہے لیکن فقیر کا قبضہ دلوں
پر ہوتا ہے۔ اور اس لئے ان کا اثر محدود ہوتا ہے اور ان کا
بے پایاں۔ یہی سبب ہے کہ درویش کو وہ قوت و اقتدار حاصل ہو
جاتا ہے کہ بڑے بڑے جبّار اور جبروت بادشاہوں کو بھی اس کے
سامنے سر جھکانا پڑتا ہے[1]"

عوام تک اپنی بات پہنچانے کے لئے انھیں عوام کی زبان سیکھنی پڑتی ہے۔ اسی لئے جتنے بھی صوفیائے عظام باہر سے ہندوستان تشریف لائے یا یہیں متولد ہوئے، انھیں یہیں کی بولیوں کو عوام سے بات چیت کا ذریعہ بنانا پڑا۔ حالانکہ ان میں سے اکثر کو عربی و فارسی زبانوں میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ میراں جی نے شہادۃ التحقیق میں ہندی زبان میں اظہار خیال کے سلسلے میں جو معذرت پیش کی ہے وہ اس معروضہ کو ثابت کرتی ہے۔ میراں جی کی معذرت پر تفصیلی بحث اس مقالہ "اردو شاعری میں نعت" کے جلد اوّل کے پہلے باب میں کی جا چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام اردو زبان کے معماران اوّل کی حیثیت رکھتے ہیں یہ حضرات بانیٔ اسلام سے والہانہ شیفتگی اور عقیدت رکھتے تھے۔ اور آپ ہی کے سانچے میں اپنی زندگی ڈھالنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ اللہ والے لوگ عالم انسانیت کو قعر ظلمت سے نکالنے کے لئے علاقائی زبانوں کو ذریعۂ ابلاغ و تبلیغ بنانے

---

[1] ۔ اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام ۔ از مولوی عبدالحق صفحہ ۶ - ۷

تھے چنانچہ ان صوفیائے کرام نے مقامی زبانوں میں آنحضرت صلعم کی پُر خلوص نعتیں کہیں۔ بہمنی دور کے سید محمد حسینی گیسو دراز کے کلام میں روح نعت ہر جگہ رواں دواں ہے۔ انھوں نے متصوفانہ خیالات کے مابین خالص نعتیہ اشعار کہے ہیں۔ خواجہ صاحب کی ولادت سنہ ۱۳۲۱ء اور وصال سنہ ۱۴۲۲ء میں ہوا۔ بہمنی دور میں پندرھویں صدی عیسوی کے عہد آخر میں شاعر فخر دین نظامی کی شخصیت اردو نعت کی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ ان کی تصنیف "کدم راؤ پدم راؤ" مضامین کی بہ نسبت لسانی نقطۂ نگاہ سے زیادہ اہم ہے۔ اس نے اپنی مذکورۃ السبق تصنیف میں عربی و فارسی کے الفاظ کے بجائے سنسکرت، پراکرت اور علاقائی زبانوں کے الفاظ بکثرت استعمال کئے ہیں۔ نظامی نے زبان کو نئے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ اور یہی کوشش ولی کے ہاتھوں میں سنور کر مشعل راہ کی شکل میں ابھر کر سامنے آئی۔ میراں جی نے شعوری طور پر پہلی بار علاقائی زبان ہندی کو اپنی نعتوں میں وسیلۂ ابلاغ و تبلیغ بنایا۔ میراں جی کی شخصیت وہ مہتم بالشان شخصیت ہے جس کو بانیٔ اسلام نے خواب میں حرم شریف سے ہندوستان جانے کا حکم دیا اور جب انھوں نے معذرت کرتے ہوئے علاقائی زبان سے اپنی مکمل ناواقفیت کی بات عرض کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ "ہمہ زبان بشما خواہد شد" موصوف نے زبان کے علاوہ مضامین میں بھی کافی اصلاحات کیں۔ انھوں نے نعت میں گوناں گوں مضامین داخل کئے۔ راقم الحروف کے نزدیک دستیاب معلومات کی روشنی میں احمد اور میم احمد کی بحث اردو نعت میں سب سے پہلے میراں جی کے یہاں ملتی ہے۔ نظامی

لہ ۔ دکنی اردو ۔ آزاد ۔ عبدالحق

۲ ۔ اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام ص ۴۰ از مولوی

کی زبان عوام کی زبان تھی۔ اور "دلچسپ بات یہ ہے کہ اس مثنوی میں جو زبان استعمال ہوئی ہے اس کا بنیادی ڈھانچہ فاعل، فعل، مفعول کی ترتیب مصرعوں کی ساخت، ضمائر اور افعال کا استعمال وہی ہے جو آج بھی اردو زبان کا ہے [۱]"

لیکن نظامی کی نعت مشمولہ مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" کی زبان کافی ثقیل ہے۔ میراں جی نے اپنی نعت میں ثقیل الفاظ کا اخراج کر کے اپنی زبان کو نکھار عطا کیا۔ خوب محمد چشتی نے مضامین نعت میں کافی وسعت پیدا کی۔ ابھی تک مسائل تصوف کے مابین نعتیہ مضامین نظم کئے جاتے تھے۔ عبدالملک بحروچی نے ڈھائی ہزار اشعار کی مثنوی مولود نامہ کے نام سے لکھی انھوں نے اس مثنوی میں ربط و تسلسل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے متعلق مضامین نظم کئے مولود نامہ میں اس امر کا التزام کیا گیا ہے کہ صحیح واقعات احادیث سے نقل کئے جائیں اور غیر معتبر قصص و روایات سے احتراز کیا جائے اس کی زبان میں عربی و فارسی الفاظ کی لطیف آمیزش ہے۔

محمد قلی قطب شاہ پہلا صاحب دیوان شاعر ہے جس کی نعتیہ شاعری میں مضامین اور ہیئت دونوں اعتبار سے تنوع ملتا ہے۔ اس نے غزل، قصیدہ، نظم اور رباعی کی شکل میں نعتیں کہی ہیں۔ محمد قلی قطب شاہ سے پیشتر کی نعتوں میں قصہ پن زیادہ اور شعریت کم ہوتی تھی۔ محمد قلی قطب شاہ وہ پہلا نعت گو شاعر ہے جس نے اردو نعت کو شعریت سے آشنا کیا۔ علی عادل شاہی دور کا پہلا شاعر شاہی ہے جس کا نعتیہ قصیدہ فنی اعتبار سے مثالی قصیدہ کہا جا سکتا ہے۔ اس قصیدہ کی بہاریہ تشبیب کافی جاندار ہے۔ شاہی کی آواز زیادہ زوردار

---

[۱]۔ مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" مصنف فخر دین نظامی
مرتبہ ڈاکٹر جمیل جالبی صفحہ ۲۴۸

طریقہ پر نصرتی کے یہاں ملتی ہے۔ نصرتی نے واقعات و مناظر کی نقشہ کشی میں حقیقت پسندی کے ثبوت دیئے ہیں۔ اس کا قصیدۂ معراج "قصائد کی دنیا میں شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ شاہی کے معراج نامہ کی وہ تصاویر جو منظر کشی کے سلسلے میں پیش کی گئی ہیں بہت توانا اور جاندار ہیں۔ قطب شاہی دور کے غواصی نے اپنی تین مثنویوں میں نعتیہ اشعار پیش کئے ہیں نعتیہ مضامین کے لحاظ سے اس کی مثنوی "طوطی نامہ" زیادہ اہم ہے اس نے مضامین نعت میں تعلیمات نبوی کو خاص جگہ دی ہے۔ غواصی اور وجہی ہر دو شعرائے نعت نے نعت میں فن کارانہ شعور کا اضافہ کیا ہے۔ محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں ہندی رسوم و مزعومات کا غلبہ تھا۔ اس دور میں میلاد نامے وفات نامے اور معراج نامے کثرت سے لکھے گئے۔

گیارھویں صدی ہجری میں بلاقی، احمد، عالم، معظم، مختار اور فتاحی کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات نے معنوی اعتبار سے نعت کے دامن کو وسیع کیا۔ عالم نے اپنے وفات نامہ مختار اور فتاحی نے اپنے مولود ناموں اور معظم، بلاقی و مختار نے اپنے معراج ناموں کی وجہ سے اردو نعت میں غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ فتاحی کے معراج نامہ میں تین ہزار سے زائد اشعار ہیں۔ سید احمد نے عالم کے وفات نامہ سے دو سال بعد "نور نامہ" لکھا۔ اس طور پر گیارھویں صدی ہجری میں دکن نے اتنا نعتیہ ادب پیدا کر دیا جس کی دنیائے نعت میں بہت زیادہ تقلید کی گئی۔ اس عہد کی نعتیہ شاعری نے اردو ادب کو نظم، ضبط ہم آہنگی اور تسلسل سے آشنا کیا۔

اٹھارھویں صدی عیسوی نہ صرف اردو نعت کے لئے بلکہ اردو شاعری کے لئے خاص اہمیت کی مالک ہے کیونکہ اس نے شمال و جنوب کو ایک کر دیا ۱۱۱۲ھ م ۱۷۰۰ء میں جب ولی کے دیوان کا مکمل نسخہ دلی آیا تو شمالی ہندوستان کے شعراء کو بھی اپنے دیوانوں کو مدون کرنے کا خیال ہونے لگا۔

ولی ایک پاک طینت اور مذہبی آدمی تھا۔ اس کے دیوان میں مختلف ہئیات واشکال میں نعتوں کا معتدبہ ذخیرہ موجود ہے۔ اس کا نعتیہ کلام داخلیت و خارجیت کا حسین سنگم ہے اس کا سادا نعتیہ سرمایہ معتدل و متوازن ہے جس پر تقدس و احترام اور عقیدت و خلوص کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔

سودا کا دور دکن کی نعتیہ شاعری کا زریں عہد ہے۔ عبدا محمد قریشی اور عثمان نے شمائل نامے لکھے۔ دکنی نعت گوئی میں یہ دور معراج ناموں کا دور کہا جا سکتا ہے۔ اس دور میں اعظم، محمد امین مجتبیٰ، مہدوی، کمال الدین، لچھمی نرائن، شفیق، اور شاہ ابوالحسن قربی نے عہد ساز معراج نامے لکھے۔ اس صدی میں علی بخش دریا اور میر ولی فیاض ولی ویلوری نے وفات نامے لکھے۔ نوازش علی خاں شیدا اور محمد باقر آگاہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کو اپنی نعتیہ کاوشات کا موضوع بنایا۔ شیدا کی "اعجاز احمدی" اور اس کی دوسری تصنیف "روضۃ الاطہار" کو صرف عصری ادبیات ہی نہیں بلکہ اردو نعت کے تمام ادوار میں قابل رشک نمونے کی حیثیت حاصل ہے۔ "روضۃ الاطہار" چار حصوں میں منقسم ہے۔ شاعر نے اپنی اس تخلیق میں پیغمبر اسلام کی مکمل حیات پاک نظم کی ہے۔ آگاہ کی "ہشت بہشت" سیرت پاک اور اخلاق حسنہ کو اپنے میں جاذب کئے ہوئے ہے۔ اس دور کی بیشتر نعتیہ کاوشات مثنوی کی شکل میں ہیں۔ اسی دور میں قدری اور محمد شریف مفتون نے جاندار نعتیہ قصائد بھی لکھے تھے۔

شمالی ہند میں سودا سے قبل اردو نعت کس مپرسی کے عالم میں تھی۔ سودا پہلا شاعر ہے جس نے نعت پر فنی شعور کے ساتھ خامہ فرسائی کی۔ سودا کا نعتیہ قصیدہ فنی نقطۂ نگاہ سے بھی اہم ہے کیونکہ اس میں عملی تنقید کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔ سودا بنیادی طور پر ایک قصیدہ گو شاعر تھا۔ اس کی وہ نعتیں جو مثنویوں میں شامل ہیں، قصیدہ کی آواز بازگشت معلوم ہوتی ہیں۔ اور ان میں قصیدہ کے اجزائے ترکیبی جگمگاتے نظر آتے ہیں۔ اس نے مضامین نعت میں

کوئی قابلِ ذکر کارنامہ انجام نہیں دیا۔ لیکن اس کی وہ منظوم شرح جس میں میر محمد تقی عرف میر گھاسی کے سلام و مرثیہ کو ہدف موضوع بنایا گیا ہے۔ نعت پر تنقیدی نقطۂ نگاہ سے اہم ہے۔ سودا نے کسی فرد کی ایسی مدح کو نامعقول قرار دیا ہے جس سے نبی کی شانِ اقدس میں (نعوذ باللہ) نقص آتا ہو۔ اس نے اس شرح میں احمد بے میم کے مضمون کو بھی قابلِ گرفت بتلایا ہے۔

شمالی ہند کی نعتیہ شاعری میں سودا ایک مشعل بردار کی حیثیت رکھتا ہے۔ انشاء و مصحفی کے دور میں نہ صرف یہ کہ اس کا تتبع کیا گیا بلکہ اسکی جلائی ہوئی مشعل کی روشنی میں اس صنف کو آگے بڑھانے میں نمایاں کام انجام دیئے گئے۔ انشاء نے بہت کم نعتیں کہی ہیں۔ لیکن اس کے نعتیہ تیور اس امر کے غماز ہیں کہ اگر وہ اس طرف متوجہ ہوتا تو اردو نعت کی دنیا میں قابلِ قدر نمونے چھوڑتا۔ میر حسن نے اپنی معرکہ آرا مثنوی سحر البیان کے نعتیہ حصّے کو مضمون آفرینی کے سہارے کافی جاندار اور دلآویز بنایا ہے۔ اس نے بانیٔ اسلام کے سایہ نہ ہونے کے مضمون میں شاعرانہ توجیہات کے ذریعہ دلکش اضافے کئے ہیں۔ اس کا وصفی پیرایۂ اظہار لسانی و شعری نقطۂ نگاہ سے کافی اہم ہے۔ مصحفی کی نعتیں سنگلاخ زمینوں میں ہیں جو ان کی قادر الکلامی کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ یہ نعتیں دل سے زیادہ ذہن کی چیز ہیں۔ نظیر اکبر آبادی نے منقبتی اشعار میں نعتیہ مضامین کی آمیزش کی ہے۔ ناسخ و آتش کے عہد میں رسمی نعتیں لکھی جاتی رہیں اس اس دور میں کوئی قابلِ ذکر کارنامہ نظر نہیں آتا۔ غالب و مومن کے دور میں نعت نے سہمی ہوئی ترقی کی۔ مومن نے اپنے نعتیہ سرمایہ میں ایک مثنوی ایک قصیدہ ایک تضمین کو بطور یادگار چھوڑا ہے۔ قرآن و حدیث کے ترجموں علمی مصطلحات مذہبی تلمیحات اور مضمون آفرینی نے اس کی کاوشوں کو عام قاری کی سمجھ سے بالاتر بنا دیا ہے۔ کافی نے شمائل ترمذی کا منظوم ترجمہ

"بہار خلد" کے نام سے کہا ہے۔ فہرست کتاب منظوم قصیدے کی شکل میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر ایک غزل شمول ہے۔ جو رقت اور سوز و گداز کی پیکر ہے۔ اس دور میں نعتوں کا اتنا رواج ہوا کہ باقاعدہ مناعتے منعقد ہونے لگے۔ اور کئی شعراء نے اپنی شاعرانہ زندگی صرف نعت کے لئے وقف کر دی۔ اسی دور میں لطف نے اتنی نعتیں کہڈالی تھیں کہ ان کا نعتیہ دیوان ان کی حیات ہی میں طبع ہو گیا تھا۔ مولوی غلام امام شہید اور شہیدی نے قابل قدر نعتیں لکھی ہیں۔ اس دور نے اردو نعت کو شاعرانہ انداز بیان، داخلیت، پر کیف تغزل، رعنائی، اثر آفرینی اور دلاویزی کے گرانقدر جواہر عطا کئے۔ اور اردو نعت پر مستقل صنف سخن کی حیثیت سے طبع آزمائی کا آغاز ہوا۔

امیر، داغ، محسن کاکوری نے نعت میں سوز دروں کی آمیزش کی اور نعت سے ان تمام موضوع روایات کا اخراج کیا جو بے احتیاطی کی وجہ سے نعت کی اجزائے غیر منفک بن گئی تھیں۔ انھوں نے عبد اور الہ کی حد بندی پھر سے قائم کی، جو شعرائے ماسبق کے ہاتھوں ٹوٹ گئی تھی۔ محسن نے اردو نعت میں مقامی رنگ کا اضافہ کیا۔ اور ہندوانی و ہندوستانی تلمیحات کے ذریعہ نعت کا رشتہ ملک و قوم کے ساتھ جوڑ دیا۔

حالی کے عہد میں رجعت پسند عناصر کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ نعت کی آفرینش اصلاح، مقصدیت اور افادیت کے نقطہ ہائے نظر سے ہوتی تھی۔ حالی کے عہد میں اسی نقطہ نظر کی نشاۃ ثانیہ ہوئی۔ بانی اسلام اور خود قرآن نے لا یعنی شاعری کی زبردست مذمت کی ہے۔ پیغمبر اسلام اسی شاعری کو پسند فرماتے تھے جس میں اصلیت و واقعیت کے عناصر کارفرما ہوں۔ آپ نے عنترہ کی شاعری کی کھلے لفظوں میں تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا۔— "ما وصف لی اعرابی قط فاحببت ان اراہ الا عنترہ" کیونکہ اصلیت

واقعیت اور حقیقت پسندی عنترہ کی شاعری کے مابہ الامتیاز خواص تھے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب نے ہندوستانی بساط الٹ کر رکھ دی جس کے نتیجہ میں معاییر و اقدار میں زبردست تبدیلی رونما ہوئی ان معاییر و اقدار نے ادب کو بھی متاثر کیا۔ چنانچہ اس دور میں ادب کی تفنن طبع سے وابستگی منقطع ہوگئی۔ اس کا رشتہ زندگی کے ساتھ استوار ہوگیا۔ اردو نعت جو ابھی تک شخصی عقیدت و شیفتگی کے اظہار کا ذریعہ بنی ہوئی تھی، جمہور کی چیز بن گئی۔ جس کے ذریعہ عوام کو اخوت، حریت، مساوات اور امن و آشتی کا پیغام دیا گیا۔ یہ پیغام پیغمبر اسلام کی تعلیمات میں روح کی حیثیت رکھتا تھا۔

حالی اپنی اصلاحی کاوشوں کی تلوار کے ساتھ نعت کے سفینہ کے لئے ناخدا بن کر وارد ہوئے اور انھوں نے تصنع، مبالغہ آمیزی، اور افراط و تفریط کی دلدل میں پھنسی کشتی کو نکال کر اسے صحیح راستہ پر لگا دیا۔ انھوں نے لفظ سے زیادہ معنی پر زور دیا۔ چونکہ عام خاص سب مخاطب تھے۔ اس لئے مافی الضمیر کا اظہار صاف سادہ اور عام فہم زبان میں کیا گیا۔ اور غیر معتدل و غیر متوازن مضامین بیجا رسوم، غلط معتقدات و مزعومات یک قلم ترک کر دیئے گئے۔ حالی کی تقلید میں شبلی، اسماعیل میرٹھی اور نظم طباطبائی نے اس روش کو اپنایا۔ اور اس طرح اردو نعت تکلف و تصنع اور نمائش کے حصار سے نکل آئی۔ اب اردو نعت نے عرب و ایران کے ساتھ ساتھ ہندوستانی ماحول سے بھی تاثرات لینے شروع کئے۔ نظم طباطبائی کی نعتیہ شاعری میں مقامی رنگ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ سلاست، سادگی، اثر آفرینی، اصلاح اور مقبولیت کا یہ رجحان اقبال کی شاعری میں بہت واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔ ان کی ساری شاعرانہ کاوش روح نعت کے محور پر گردش کرتی

نظر آتی ہے۔ اقبال سے لے کر عبد العزیز خالد تک کے شعراء نے نعت میں سے اسلامی تخیل اور اسلامی تصورات کی ترجمانی کا کام لیا اور اس کے ذریعہ قوم و ملک کی سیاسی، سماجی، معاشرتی، تمدنی اور اقتصادی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔

متقدمین و متوسطین شعرائے نعت نے اس صنف میں بہت سے معائب و نقائص شامل کر دیئے تھے۔ جو منصب نبوت کے منشا کے خلاف تھے۔ انھوں نے پیغمبر اسلام کے لئے عاشقانہ الفاظ استعمال کئے معانی سے زیادہ الفاظ پر زور دیا۔ معجزات کے بیان میں مستند و غیر مستند کے فرق کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا اور بہت سے ایسے معجزات نظم کر دیئے جو فرضی اور موضوع تھے۔ انھوں نے صحیح واقعات اور مستند روایات کی صورت بھی مبالغہ آرائی سے مسخ کر ڈالی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے پیغامات کے مقابلہ میں آپ کی صورت اور آپ کے سراپا کو موضوع سخن بنایا۔ لیکن حالی نے مسدس کے ذریعہ ایسا صور پھونکا کہ اردو نعت ان تمام اسقام و مصائب سے پاک و صاف ہو کر مدعا نگار بن گئی۔

اردو نعت نے قومی، ملکی اور تمدنی زندگی کو اوپر اٹھانے کی جو بیش بہا خدمت انجام دی ہے۔ اس کی مثال کسی دوسری صنف سخن میں نہیں ملتی۔ واجد علی شاہ نے اخلاقی افتادگی اور حیا سوزی کو اس حد تک بڑھا دیا تھا کہ ہوسناکی، عشق کا برملا اظہار، فقرہ بازی، عریانیت اور لذتیت اس دور کی تہذیب کے ضروری اجزاء بن گئے تھے۔ واجد علی شاہ کے عہد میں زندگی اور ادب دونوں اسی سمت دوڑ رہے تھے۔ ایسی داستانیں اور ایسی مثنویاں جو اس تہذیب کی نمائندگی کرتی تھیں مزے لے لے کر پڑھی جاتی تھیں۔ سلطان عالم صاحب عالم خود اقراری مجرم تھے۔ جب

بارگاہ سلطانی عریانیت، حسیت اور ہوسناکی سے استلذاذ کو جائز نہیں بلکہ مستحسن قرار دے اور اس پر مستزاد یہ کہ چشم یار بھی شہ دے رہی ہو۔ تو پھر شعری کاوشات اور روزمرہ کی زندگی میں متعلقہ جذبات کا
١ اخفا فراست کے مترادف ہوتا۔ اسی لئے اس عہد کی شاعری کا عام رجحان اس طرح کا تھا:

خطا کی خطا نام انساں کا ہے　　　حمل ثابت علی خاں کا ہے

نمودار چیزیں چھپانے سے حاصل　　　دوپٹے کو آگے سے دہرا نہ اوڑھو

بہار عشق میں اس کی ہیروئن مہ لقا کے اثمار شباب کا تذکرہ کچھ اس طور پر کیا گیا ہے کہ حیا خود منھ چھپالے، لیکن اسی دور میں میر انیس، مرزا دبیر، مولوی محسن کاکوروی نے مذہبی شاعری سے اصلاح معاشرت کا کام لیا۔ میر انیس و مرزا دبیر نے مراثی کربلا لکھ کر اور محسن کاکوروی نے نعتیہ نظمیں کہہ کر اخلاق کو مہذب کرنے، کردار کو بلند کرنے اور زوال پذیر معاشرے کو اوپر اٹھانے کی عظیم خدمت انجام دی۔ اس طور پر نعت نے معاشرے، افراد اور اردو شاعری کو اس قعر مذلت سے بچالیا جس کی طرف واجدی کا سیلاب ان کو بہائے لئے جا رہا تھا۔

[1] بانی اسلام نے فرمایا تھا "من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار" (جس نے دیدہ و دانستہ مجھ پر بہتان تراشی کی اور میری طرف وہ بات منسوب کی جس کو میں نے نہیں کہا۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے) اس لئے نعتیہ شاعری کے ہر دور میں اس مقدس موضوع پر قلم اٹھانے والوں میں دو[2] ایک ایسے شعرا ضرور مل جاتے ہیں جو اپنی شعری کاوشات کے ذریعہ شاعری میں غیر فطری عناصر کے خدوخال کو روکتے اور اصلیت، واقعیت اور حقیقت پسندی پر زور دیتے نظر آتے ہیں۔ نعتیہ شعرا نے ادعا ادبیت کو وہ تلمیحات

١۔ فٹ نوٹ اگلے صفحہ نمبر ٣٢٦ پر دیکھیں

عطا کیں جو اسے کسی دوسرے ذرائع سے حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔ نعت میں میانہ روی اور اعتدال ضروری ہے اس میں افراط و تفریط دونوں ہی خطرناک ہیں۔ افراط سے عبدیت کی حدود سے متجاوز ہو کر الوہیت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور تفریط سے بانیٔ اسلام کی تنقیص لازم آتی ہے۔ اسی لئے "با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار" والی بات کہی گئی ہے۔ اچھے نعت گو شعراء نے ہمیشہ ہوشمند ذہن کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتیں لکھی ہیں۔ اس طور پر نعت نے اردو شاعری کو میانہ روی اعتدال پسندی اور ہوشمندی کے بیش بہا جواہر سے مالا مال کیا۔ اردو نعت نے شاعروں کو دل و دماغ سے کام کرنا سکھایا۔ نعت میں ذہن و قلب دونوں کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ تنہا ذہن شعریت کے لئے سمِ قاتل اور تنہا قلب اعتدال کے لئے مہلک ہے۔

نعت نے اردو شاعری کو سپردگی و والہانہ پن" پاس ادب اور حفظ مراتب کی گرانمایہ دولت سے مالا مال کیا۔ اس نے اردو شاعری کو صفائی، سادگی اور لہجے کی نرمی عطا کی۔ اور اسے شائستگی اور وقار سے متعارف کرایا۔ نعت ایک سدا بہار پودا ہے۔ علمیت کی کمی اور مذہب سے کما حقہ علم و واقفیت نے نعتیہ قصائد میں کساد بازاری پیدا کر دی۔ لیکن نعت،

سلہ۔ (وضاحت نوٹ صفحہ ۳۲۵ کا) سنن ابن ماجہ: ابن ماجہ۔۔۔
فی المطبع الفاروقی فی بلدہ دہلی ۔۔ صفحہ ۵ ۔ "باب التغلیظ فی تعمد الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (راوی ابو سعید)
الجامع للترمذی: امام ابو عیسٰی و محمد بن عیسٰی بن سورۃ الترمذی، مجیدی کانپور ص ۹۵۔ جلد ۲ ابواب العلم "باب ما جاء فی تعظیم الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (راوی عبداللہ)۔

غزل، نظم، گیت، ترانہ، نظم معریٰ وغیرہ کی مروجہ ساختوں میں اپنے کو ڈھال کر اس طرح جلوہ گر ہوئی کہ اس کی یاد ادب میں آج بھی ہماہمی نظر آتی ہے۔ اور مستقبل میں بھی اس کا وجود زبان و ادب کی بقا کے ساتھ منسلک نظر آتا ہے۔ زبان و ادب نے صدہا کروٹیں لیں لیکن ہر کروٹ میں نعت رعنائی، شادابی اور تر و تازگی کے ساتھ درخشاں و تاباں نظر آتی رہی ہے۔ نعت میں مطابقت پذیرائی کی بہترین صلاحیت ہے۔ وہ اپنے کو ہر ہئیت اور ہر سانچے میں ڈھال لیتی ہے۔ وہ مسائل حیات سے زبردست وابستگی رکھتی ہے اور زندگی کے تاریک سے تاریک موڑ پر مشعل راہ بن کر رہنمائی کرتی ہے۔ اسی لئے اس کا مستقبل بہت تابناک ہے۔

کتابیات

مخطوطات

(الف)

۱ ۔ اعجاز احمدی : نوازش علی شیدا مخزونہ کتب خانہ سر سالار جنگ حیدر آباد دکن ۔

۲ ۔ چکی نامہ : خواجہ بندہ نواز " ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد دکن

۳ ۔ دیوان مکھن لال : مکھن لال " آصفیہ حیدر آباد دکن

۴ ۔ شعب ایمان : فتاحی " سر سالار جنگ حیدر آباد دکن

۵ ۔ قصص الانبیاء (ہندی) : قدرتی " آصفیہ حیدر آباد دکن

۶ ۔ کسب محویت : صدر الدین " ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد دکن

۷ ۔ کلیات علی عادل شاہ : علی عادل شاہ شاہی مخزونہ کتب خانہ اسٹیٹ لائبریری حیدر آباد دکن ۔

۸ ۔ کلیات غواصی : غواصی " " " " " " "

۹ ۔ مثنوی چندا و لورک مینا ستونتی : غواصی مخزونہ کتب خانہ سر سالار جنگ حیدر آباد دکن ۔

۱۰ الف ۔ مثنوی بہرام گور و گل اندام : طبعی " " آصفیہ حیدر آباد دکن

۱۰ ب ۔ معراج نامہ بلاقی مخزونہ کتب خانہ ادارہ ادبیات حیدر آباد دکن

۱۱ ۔ معراج نامہ : مختار " " آصفیہ حیدر آباد دکن

۱۲ ۔ مفید الیقین : فتاحی " سر سالار جنگ حیدر آباد دکن

۱۳ ۔ مولود نامہ : عبد الملک بھروچی " ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد دکن

۱۴ - وفات نامہ : اما می مخزونہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو
حیدرآباد دکن

۱۵ - وفات نامہ سرور کائنات : دریا " " " " "

۱۶ - وفات نامہ : دریا مخزونہ " " آصفیہ حیدرآباد دکن

۱۷ - ہشت بہشت : آگاہ " " آصفیہ حیدرآباد دکن

(ب) مطبوعات

۱۸ - القرآن الحکیم

۱۹ - التوضیحات علی السبع المعلقات : مولانا افتخار علی

۲۰ - الاتقان فی علوم القرآن : علامہ جلال الدین سیوطی

۲۱ - الجامع الترمذی : ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی

۲۲ - اسد الغابہ ـــــ ابن اثیر

۲۳ - المشکوۃ المصابیح ـــــ محمد بن عبداللہ الخطیب بن محمد

۲۴ - اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام : مولوی عبدالحق

۲۵ - اردو کی نعتیہ شاعری : ڈاکٹر فرمان فتحپوری

۲۶ - اردو کی نعتیہ شاعری : ڈاکٹر طلحہ رضوی برق

۲۷ - اردو میں نعتیہ شاعری : ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق

۲۸ - اردو میں قصیدہ نگاری : ڈاکٹر ابو محمد سحر

۲۹ - اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ : ڈاکٹر محمود الٰہی

۳۰ - اردو شاعری کا مزاج : ڈاکٹر وزیر آغا

۳۲۸

۳۱ - اردو شاعری کی ارتقاء میں ہندوؤں کا حصہ :

گنپت سہائے سریواستو

۳۲ - ابراہیم نامہ - مصنف عبدل، مرتبہ مسعود حسین خاں

۳۳ - اردو مخطوطات ____ محی الدین قادری زور

۳۴ - اردو مثنوی شمالی ہند میں : ڈاکٹر گیان چند جین

۳۵ - اردو مثنوی کا ارتقاء (شمالی ہند میں) ڈاکٹر محمد عقیل

۳۶ - اردو مرثیہ کا ارتقاء : ڈاکٹر مسیح الزماں

۳۷ - اعجاز سخن : شیر علی سرخوش

۳۸ - ادب کیا ہے ؟ : ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی

۳۹ - اردو گیت : ڈاکٹر قیصر جہاں

۴۰ - اقبال کامل : مولنا عبد السلام ندوی

۴۱ - الکلام المبین : مفتی محمد عنایت احمد

۴۲ - اذان بتکدہ : محمد الدین فوق

۴۳ - ادبیائے دکن حصہ اوّل

۴۴ - انیسیات : انیس شروانیہ

۴۵ - آبحیات : مولانا محمد حسین آزاد

۴۶ - آہنگ حجاز : عرش ملسیانی

۴۷ - اکھراوٹ : ملک محمد جائسی

۴۸A - آخری کلام : " "

(ب)

۴۸B - بہمنی سلطنت : پروفیسر صدیقی

۴۹A - بساتین السلطان : ابراہیم زبیری

۴۹B بہار خلد : کافی

۵۰ بہارستان : مولانا ظفر علی خان

۱۳۳۳ه

۵۱ - باغِ اکبر : اکبر میر ٹھی

پ

۵۲ - پدماوت : ملک محمد جائسی

۵۳A - پنجاب میں اردو : محمود شیرانی

۵۳B - پھولبن : طبعی

۵۴ - پیامِ مشرق : علامہ اقبال

ت

۵۵ - تاریخ ادب اردو : رام بابو سکسینہ

۵۶ - تاریخ ادب اردو : ڈاکٹر جمیل جالبی

۵۷ - تاریخ ادب اردو : عبدالقیوم

۵۸ - تاریخ نظم و نثر اردو : آغا محمد باقر

۵۹ - تاریخ الادب العربی : احمد حسن زیات

۶۰ - تاریخ قصائد اردو : جلال الدین احمد جعفری

۶۱ - تاریخ مثنویات اردو : " " "

۶۲ - تاریخ فرشتہ : ابوالقاسم فرشتہ

۶۳ - تاریخ گولکنڈہ : عبدالمجید صدیقی

۶۴ - تاریخ دکن در عہد وسطی

۶۵ - تجلیات : ذکی کاکوروی

۶۶ - تجلیات نعت : ضیاء القادری

۶۷ - تحفۃ الکرام جلد اول : میر علی شیر قانع ٹھٹھوی

۶۸ - تذکرہ اولیائے دکن : عبدالجبار

۶۹ - تذکرۃ الانساب

۷۰ - تذکرۃ البلاغت : مولوی ذوالفقار علی

۷۱ - تذکرہ مخطوطات ادارہ ادبیات اردو : محی الدین قادری زور

۷۲ - تذکرہ ہندی : مصحفی

۷۳ - تذکرہ شعرائے اردو : میر حسن

۷۴ - تذکرہ شاعرات اردو : محمد جمیل احمد بریلوی

۷۵ - تذکرہ خوش معرکہ زیبا : سعادت خاں ناصر

76A - تذکرۃ الشعراء : دولت شاہ بن علاء الدولہ سمرقندی

76B - تذکرہ بے نسخہ : سید تمکین کاظمی

۷۷ - تصوف اور اصغر گونڈوی : ڈاکٹر غلام سندیلوی

۷۸ - تفہیم القرآن : علامہ ابو الاعلیٰ مودودی

79A - تقویم ہجری و عیسوی مرتبہ ابو النصر محمد خالدی

79B - تلمیحات محمود نیازی

ث

۸۰ - ثنائے حبیب : بہزاد لکھنوی

ج

۸۱ - جدید اردو شاعری : عبد القادر سروری

۸۲ - جلوۂ خضر : سید فرزند احمد صفیر بلگرامی

چ

۸۳ - چمنستان حمزہ : حمزہ
۸۴ - چمنستان شعراء : مصحفی
۸۵ - چمنستان شعراء : لچھمی نرائن شفیق
۸۶ - چمنستان ظفر علی خاں : ظفر علی خاں
۸۷ - چیدائش : ملا داؤد

ح

۸۸ حدائق بخشش : مولانا احمد رضا خاں صاحب
۸۹ حدیقۂ رحمانی : عبدالرحمن ثقاف
۹۰ - حیات موسیٰ : جوش گیاوی

خ

۹۱ - خوب ترنگ : خوب محمد چشتی
۹۲ - خرقۂ امجد : امجد
۹۳ - خصائل النبوی مع شمائل ترمذی : مولانا الحاج الحافظ محمد ذکریا شیخ الحدیث
۹۴ - خمخانۂ جاوید پنجم : لالہ سری رام
۹۵ - خواتین دکن کی اردو خدمات : نصیر الدین ہاشمی
۹۶ - خیابان آفرینش : امیر مینائی

د

۹۷ - داستان تاریخ اردو : حامد حسن قادری
۹۸ - دکن میں اردو مع اضافہ آندھرا میں اردو : نصیر الدین ہاشمی

٦٣٣

۹۹ - دکنی کلچر : پروفیسر ہارون خاں شیروانی

۱۰۰ - دلّی کا دبستان شاعری : ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی

۱۰۱ - دیوان خسرو : امیر خسرو

۱۰۲ - دیوان حالی : مولانا الطاف حسین حالیؔ

۱۰۳ - دیوان حسان بن ثابت : حضرت حسان ابن ثابت

۱۰۴ - دیوان ابرار در نعت احمد مختارؐ : ابرار عالم

۱۰۵ - دیوان صحو : صحو ابو العلائی

۱۰۶ - دیوان لطف : محمد لطف علی خاں لطفؔ بریلوی

۱۰۷ - دیباچہ دیوان نعت : امیر مینائی

۱۰۸ - دیوان مکھن : مکھن لال

۱۰۹ - دیوان مومنؔ : حکیم مومن خاں مومنؔ

۱۱۰ - دیوان نعتیہ : وحید مہسوی

ذ

۱۱۱ - ذکر جمیل : ماہر القادری

۱۱۲ - ذکر شاہ انبیاء : امیر مینائی

ر

۱۱۳ - رباعیات امجد : امجد

۱۱۴ - رحمتہ للعالمین : قاضی سلیمان منصور پوری

۱۱۵ - رمزات الاشواق مع فغاں : حسرت حیدرآبادی

۱۱۶ - رموز بیخودی : علامہ اقبال

۱۱۷ - روح اقبال : ڈاکٹر یوسف حسین

۱۱۸ - ریاض المجد : امجد

۱۱۹ - ریاض ارم

۱۲۰ - ریاض معلیٰ : معلیٰ

۱۲۱ - ریاست میسور میں مثنوی کا ارتقاء : ڈاکٹر فہمیدہ بیگم

ز

۱۲۲ - زرفانی

۱۲۳ - زفرات الاشواق : حسرت

۱۲۴ - زمزمۂ محبت : حسرت

س

۱۲۵ - سحر البیان : میر حسن

۱۲۶ - سراج سخن : سراج

۱۲۷ - سرور جہان آبادی حیات اور شاعری : ڈاکٹر حکیم حمید نیر

۱۲۸ - سلطان سخن الموسوم بہ (دیوان طوفان رحمت) سید افضل شاہ طوفان

۱۲۹ - سیر الانصار : مولانا سعید احمد انصاری

۱۳۰ - سیر محمدی : شاہ محمد علی سامانی

۱۳۱ - سیرۃ النبی : ابن ہشام عبدالملک بن ہشام المعافری

۱۳۲ - سیرۃ مصطفیٰ : ارشد بکڈپو دیوبند

۱۳۳ - سنن ابن ماجہ : ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ

۱۳۴ - سوانح امیر مینائی : جلیل مانک پوری

ش

۱۳۵ - شاہنامۂ اسلام : حفیظ جالندھری

۱۳۷ - شعر العجم : علامہ شبلی نعمانی

۱۳۸ - شعر نو : ڈاکٹر محمد حسن

۱۳۹ - شعرستان (تذکرہ شعرائے پاکستان) مرتبہ نعمانی تاثیر و مظہر صدیقی

۱۴۰ - شعلہ و شبنم : جوش ملیح آبادی

۱۴۱A - شمیم سخن : مولانا عبد الحئی صفا بدایونی

ص

۱۴۱B - صنم خانہ عشق : امیر مینائی

۱۴۲ - صلصلۃ الجرس : عمیق حنفی

۱۴۳ - صحیح بخاری : محمد بن اسمٰعیل البخاری

۱۴۴ - صحیفہ ولا : عزیز لکھنوی

ض

۱۴۵ - ضرب کلیم : علامہ اقبال

ط

۱۴۶ - طبقات الشعراء : مولوی کریم الدین و فیلن

۱۴۷ - طوطی نامہ : غواصی

ع

۱۴۸ - عجائب الاسفار

۱۴۹ - عربی ادب کی تاریخ حصہ اول : محمد عبد الاحد

۱۵۰ - عربی میں نعتیہ کلام : ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی

۱۵۱۔ عکسی قرآن شریف مترجم محشی : مولانا محمود حسن و مولانا شبیر احمد عثمانی

۱۵۲۔ علی گڈھ تاریخ ادب اردو : مرتبہ ۔ شعبۂ اردو علی گڈھ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

غ

۱۵۳۔ غالب اور آہنگ غالب : ڈاکٹر یوسف حسین خاں

۱۵۴۔ غبار خاطر : ابو الکلام آزاد

۱۵۵۔ غدر کے چند علماء : انتظام اللہ شہابی

۱۵۶۔ غزلیات سراج : سراج

ف

۱۵۷۔ فخر کونین : محشر رسول نگری

۱۵۸۔ فرہنگ آصفیہ : مولوی سید احمد دہلوی

۱۵۹۔ فسانۂ عجائب : رجب علی بیگ سرور

ق

۱۶۰۔ قرآن السعدین : امیر خسرو

۱۶۱۔ قصیدہ نگاران اتر پردیش : سید علی جواد زیدی

۱۶۲۔ قطب مشتری : ملا وجہی

۱۶۳۔ قصہ بینظیر : صنعتی

ک

۱۶۴۔ کاروان مدینہ : مولانا ابو الحسن ندوی

۱۶۵۔ کاشف الحقائق : مولانا امداد امام اثر

۱۶۶۔ کتاب العمدہ : ابن رشیق

۱۶۷ کشکول مجذوب ملقب بہ پیام مجذوب۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوب

۱۶۸۔ کلیات حسرت : مرتبہ حسرت، مولانا جمال الدین بن عبد الوہاب نعمانی

۱۶۹۔ کلیات اختر : اختر شیرانی

۱۷۰۔ کلیات اسمٰعیل : اسمٰعیل میرٹھی

۱۷۱۔ کلیات جگر : جگر مراد آبادی

۱۷۲۔ کلیات دلمیر : دلمیر

۱۷۳۔ کلیات سلطان محمد قطب شاہ : سلطان محمد قطب شاہ

۱۷۴۔ کلیات شاہی : شاہی مرتبہ مبارز الدین رفعت

۱۷۵۔ کلیات شبلی : علامہ شبلی نعمانی

۱۷۶۔ کلمۃ الحقائق : مرتبہ محمد اکبر الدین صدیقی

۱۷۷۔ کلیات شائق : شائق

۱۷۸۔ کلیات مومن : حکیم مومن خاں

۱۷۹۔ کلیات نظیر : نظیر اکبرآبادی

۱۸۰۔ کلیات نعت : مولوی محسن کاکوروی

۱۸۱۔ کلیات ولی : ولی

۱۸۲۔ کلیات سودا : مرزا محمد رفیع سودا

گ

۱۸۳۔ گل رعنا : حکیم عبد الحئی

۱۸۴۔ گلبانگ حرم : حمید صدیقی

۱۸۵۔ گلدستۂ تجلی : محمد تجمل حسین

۱۸۶ - گلستان اکبر : اکبر میرٹھی
۱۸۷ - گلستان محمودہ : بی بی محمودہ خاتون
۱۸۸ - گلستاں : سعدی
۱۸۹ - گلشن ہند : مرزا علی لطف
۱۹۰ - گلزار عشق : مولنا محمد باقر آگاہ
۱۹۱ - گلزار نسیم : پنڈت دیا شنکر نسیم

ل

۱۹۲ - لباب الباب : سید بدرالدین محمد عوفی
۱۹۳ - لکھنؤ کا دبستان شاعری : ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

م

۱۹۴ - مثنوی بہرام گور بو گل : طبعی
۱۹۵ - مثنوی پس چہ باید کرد : ڈاکٹر اقبال
۱۹۶ - مثنوی گلشن عشق : نصرتی
۱۹۷ - مثنویات سراج : سراج
۱۹۸ - مثنویات شوق : مرزا تصدق حسین شوق مرتبہ عطااللہ پالوی
۱۹۹ - مثنوی کدم راؤ پدم راؤ : فخر دین نظامی
۲۰۰ - مجموعہ نظم حالی : حالی
۲۰۱ - مجموعہ نظم طبا طبائی : نظم طبا طبائی
۲۰۲ - محامد خاتم النبیین : امیر مینائی
۲۰۳ - محبوب ذی المنن - تذکرہ اولیائے دکن

۲۰۴۔ مختصر تاریخ ادب اردو : ڈاکٹر اعجاز حسین
۲۰۵۔ مختصر تاریخ ادب اردو ترمیم شدہ : ترمیم و اضافے ڈاکٹر سید محمد عقیل
۲۰۶۔ مختصر المعانی : مسعود بن عمر المدعو بسعد الدین تفتازانی
۲۰۷۔ مذہب و شاعری : ڈاکٹر اعجاز حسین
۲۰۸۔ مراۃ الغیب : امیر مینائی
۲۰۹۔ مرقع سخن : مولانا عبداللہ عمادی
۲۱۰۔ مسدس مدو جزر اسلام مع ضمیمہ : مولانا الطاف حسین حالی
۲۱۱۔ مصباح اللغات : ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی
۲۱۲۔ مطالعۂ امیر مینائی : ڈاکٹر ابو محمد سحر
۲۱۳۔ مطالعۂ تاریخ ادب ہندی : کاظم علی خاں
۲۱۴۔ مطالعۂ سودا : ڈاکٹر محمد حسن
۲۱۵۔ معراج سخن : فصاحت جنگ جلیل
۲۱۶۔ معراج العاشقین کا مصنف : حفیظ قتیل
۲۱۷۔ معیار و میزان : ڈاکٹر مسیح الزماں
۲۱۸۔ مقدمہ شعر و شاعری : مولانا الطاف حسین حالی
۲۱۹۔ منتخب التواریخ : عبدالقادر بدایونی
۲۲۰۔ منتخب دیوان : سراج اورنگ آبادی
۲۲۱۔ منحمنا : عبدالعزیز خالد
۲۲۲۔ میر شکوہ آبادی سوانح حیات و کلام پر تبصرہ : ڈاکٹر زہرا یاسمین
۲۲۳۔ موج تخیل : نوشابہ خاتون
۲۲۴۔ مومن : کلب علی شائق
۲۲۵۔ مومن شخصیت اور فن : ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی
۲۲۶۔ مولود شریف : عبدالرحیم رحیما۔

۲۲۷ - موازنۂ انیس و دبیر : علامہ شبلی نعمانی
۲۲۸ - میراں جی شمس العشاق : محمد ہاشم علی
۲۲۹ - مینا ستونتی : غلام عمر خاں

ن

۲۳۰ - نذر امجد : امجد
۲۳۱ - نسیم عرفاں : عبد القدیر حسرت
۲۳۲ - نشاط روح : اصغر گونڈوی
۲۳۳ - نغمہ ہائے مبارک : ضیاء القادری
۲۳۴ - نکات الشعراء : میر تقی میر
۲۳۵ - نور یزداں : بے کل اتساہی
۲۳۶ - نور اللغات : نور الحسن نیر
۲۳۷ - نور الانوار : مولانا حافظ شیخ احمد ملا جیون
۲۳۸ - نوطرز مرصع : محمد عطا حسین خاں تحسین
۲۳۹ - نعتیہ شاعری کا ارتقاء : ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد
۲۴۰ - نغمات ماہر : ماہر القادری

ہ

۲۴۱ - ہدیۂ شاد : کشن پرشاد شاد
۲۴۲ - ہشت بہشت : آگاہ
۲۴۳ - ہندو شعرائے اور نعت رسول : محفوظ الرحمٰن
۲۴۴ - ہندی ادب کی تاریخ : ڈاکٹر محمد حسن
رسائل
۲۴۶ - ادارہ فروغ اردو لکھنؤ : محسن کاکوروی نمبر

۲۴۷۔ آجکل دہلی ۱۷ ستمبر سنہ ۱۹۴۹ء و آجکل دہلی ۲۲ دسمبر سنہ ۱۹۸۳ء

۲۴۸۔ خاتون پاکستان رسول نمبر سنہ ۱۹۶۷ء

۲۴۹۔ سب رس حیدرآباد جلد ۳۸، شمارہ ۱۲، جلد ۳۹، شمارہ ۵

۲۵۰۔ شیرازہ سری نگر جلد ۲۶ شمارہ ۲

۲۵۱۔ صدق جدید لکھنؤ ۴ فروری سنہ ۱۹۵۰ء

۲۵۲۔ قومی آواز لکھنؤ ۱۸ اکتوبر سنہ ۱۹۷۰ء۔ ۲۴ اگست سنہ ۱۹۸۰ء

۲۵۳۔ ماہ نو کراچی سیرۃ رسول نمبر جولائی و اگست سنہ ۱۹۶۳ء

۲۵۴۔ نیا دور امیر خسرو نمبر سنہ ۱۹۷۴ء

۲۵۵۔ ہما اردو ڈائجسٹ اردو نمبر اپریل سنہ ۱۹۷۳ء و ہمارا اردو ڈائجسٹ اقبال نمبر اکتوبر سنہ ۱۹۷۶ء۔

۲۵۶۔ ہدیٰ اسلامی ڈائجسٹ رسول نمبر سنہ ۱۹۷۲ء و معراج النبی نمبر سنہ ۱۹۷۳ء

ختم شد